مطالعہ بریلویت

۵

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

ایک ضروری گزارش

اس کتاب کو ای بُک بنانے میں ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اللہ کا مخلص بندہ اس کو پڑھ کر ہدایت پا جائے اور ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

جن پبلشرز حضرات کی کتاب کو بغیر اُنکی اجازت کے ہم نے یہ کیا ہے ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لئے ہم کو معاف کر دیں، اللہ سے قوی امید ہے کہ انشاءاللہ قیامت میں آپ کو اس کا بدلہ آپ کی توقع سے زیادہ دیکر آپ کو خوش کر دے گا

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعۂ بریلویت

جلد پنجم

مصنّفہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

حافظی بکڈپو دیوبند یو۔پی
Hafzi Book Depot, Deoband (U.P.)

نام کتاب

مطالعہ بریلویت

جلد ــــــ پنجم

مصنف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

زیر اہتمام

عثمانی برادرس

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند
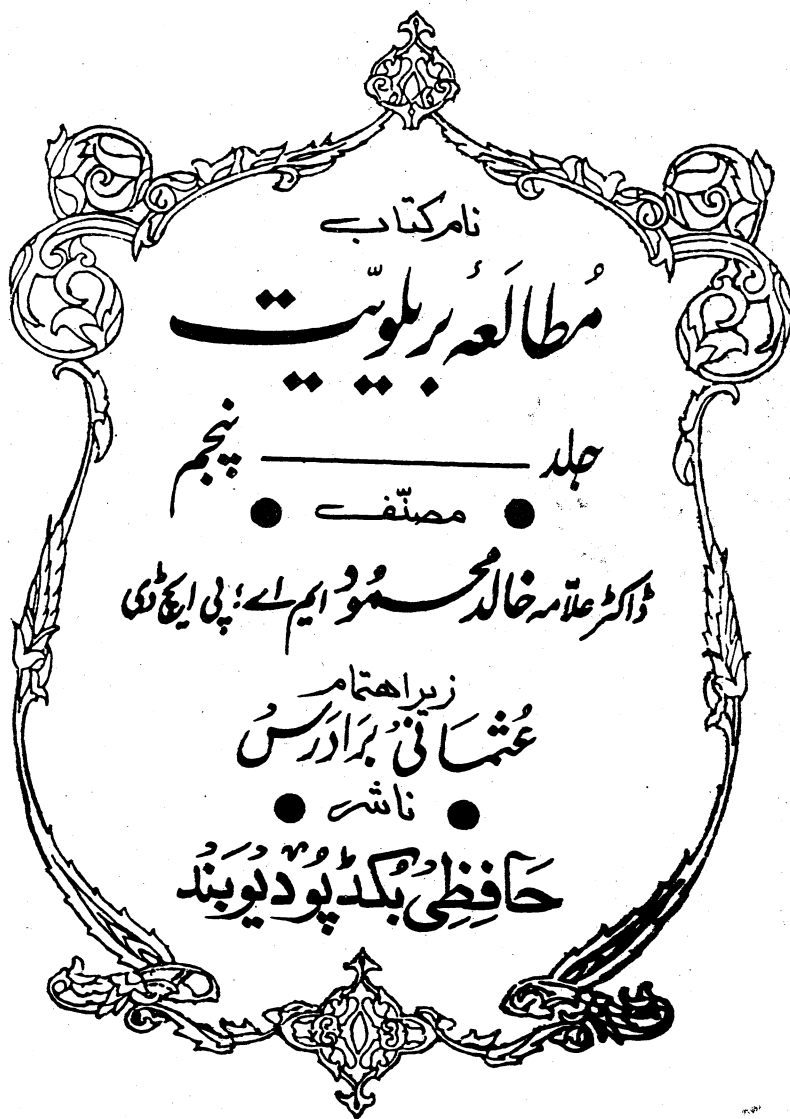
HAFZI BOOK DEPOT
DEOBAND U.P.
Phone:(01336)-22311

پیش لفظ

اُدیان کے تقابلی مطالعہ میں ہر دین کے پیرؤں کو دوسرے ادیان کا بھی کچھ مطالعہ ہونا چاہیئے، ایک دوسرے کو جاننے سے ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کا زیادہ علم ہو سکتا ہے اور برداشت اور رواداری کی بہتر فضا پیدا ہوتی ہے۔ یہی بات ہم ایک دین کے مختلف مسالک کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں۔

اسی جذبہ سے ہم نے آج سے پندرہ سال پہلے مطالعہ بریلویت کا آغاز کیا تھا یہ کتاب رد بریلویت یا محاسبہ بریلویت کے لیے نہیں لکھی گئی یہ محض مطالعہ بریلویت ہے اور جہاں اس کے مقابل کوئی دوسری بات کہی گئی ہے تو ہم نے اس کی وضاحت بھی ساتھ لکھ دی ہے تاکہ ہمارے قارئین بریلویت کا تقابلی مطالعہ کر سکیں ہم نے اسے ایک مخالف کی حیثیت سے نہیں ایک مؤرخ کے طور پر قلم بند کیا ہے مطالعہ دیوبندیت میں بھی ہم نے یہی حیثیت اختیار کی ہے اس سے پہلے مطالعہ عیسائیت کے نام سے بھی ہم ایک دستاویز پیش کر چکے ہیں۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگوں نے مطالعہ بریلویت کو رد بریلویت سمجھ لیا اور وہ مقابلے کی کاروائی پر آگئے۔ ہم نے کہیں لکھا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے لذیذ کھانوں کی ایک لمبی فہرست مرتب فرمائی۔ اس میں ہمارا مطلب یہ نہ تھا کہ اچھے کھانے کھانا جائز نہیں لیکن بعض کرم فرماؤں نے دفاع میں احادیث پڑھنی شروع کر دیں کہ حضورؐ کو حلوہ (میٹھی چیز) بہت پسند تھا۔ اور خواہ مخواہ ایک غیر اختلافی مسئلے کو اختلافی بنا دیا۔ تاہم وہ ہماری اس بات کو غلط نہ کر سکے کہ مولانا احمد رضا خاں نے واقعی وفات سے پہلے اپنے پیرؤں کو وہ فہرست مرتب کر دی تھی اور اس میں حلوہ نہ لکھا تھا کہ کہیں اس میں حدیث کی پیروی نہ ہو جائے۔

سو یاد رہے کہ مطالعہ بریلویت رد بریلویت نہیں ہے ہمارے بریلوی دوست اگر تعصب سے ایک طرف ہو کر بریلویت کا مطالعہ کریں تو اس سے بریلویت کی جڑیں کہیں دُور تک پہنچتی نہ ملیں گی یہ چند رسموں کا اختلاف ہے جن میں یونہی اختلاف کے معرکے لگ گئے ہیں ورنہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے اہل بدعت کہیں ایک ضابطے کا فرقہ نہ بنے تھے۔

علماء اور درویشوں کی پہلے بھی کہیں چشمک ضرور لگی ہے لیکن اہل بدعت نے منظم ہو کر کہیں سواد اعظم اہلسنت کو دو ٹکڑے نہ کیا تھا۔ اہل سنّت کے دو ٹکڑے کون چاہتے ہیں ؟ جنہیں اہلسنت کے لیے سواد اعظم کا لفظ گراں گزرتا ہے انگریزوں کی چال چل کر یا شیعوں کی ڈھال ڈھل کر کون لوگ ہیں جنہوں نے پچاس سالہ محنت سے اہلسنت کے دو ٹکڑے کیے اس کے لیے آپ قاری احمد پیلی بھیتی کا بیان سوانح اعلیحضرت صفحہ ۸ سے پڑھ آئے ہیں۔

ے من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

عقائد اہلسنت آج بھی وہی ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھے نہ انہیں انگریز دو حصوں میں تقسیم کر سکے اور نہ یہ دوسرے مہربان اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے مولانا احمد رضا خاں کے لگائے یہ فاصلے اور کم ہوتے جا رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے بعد مولانا سردار احمد لائلپوری ان کے جانشین ہوئے انہوں نے پاکستان آکر اپنے فرقہ وارانہ عمل کو بالکل چھوڑ دیا اور کبھی کسی دیوبندی سے مناظرہ نہ کیا۔ فرقہ وارانہ تعصب کی ہوا انگریزی سلطنت میں ہی چل سکتی تھی پاکستان میں نہیں ــــ یہاں کسی کے بارے میں یہ الزام نہیں چل سکتا کہ وہ مقام مصطفیٰ کا منکر ہے اگر کوئی ایسا ہو تو اسے آپ کا کلمہ پڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

آج جب پاکستان بنے پچاس سال ہو رہے ہیں مولانا سردار احمد صاحب کے صاحبزادہ مولانا فضل کریم نے ۱۱۰ علماء کے اجتماع میں یہ بات صاف کہہ دی ہے اور روز روز کا جھگڑا ختم کر دیا ہے :-

> قرآن و سنت کی آئینی بالادستی مقام مصطفےٰ کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے مکمل نفاذ میں تمام مکاتب فکر کے علماء ایک ہیں۔ [۱]

ان ۱۱۰ علماء کرام میں پچاس سے زیادہ دیوبندی علماء تھے جنہیں یونہی بدنام کیا جاتا رہا کہ وہ حضورؐ کا ادب نہیں کرتے حالانکہ مقام مصطفےٰ کے احترام میں ان میں سے کوئی بھی مولانا سردار احمد لائلپوری سے کم نہ ہوگا۔ ہمیں اس پچاس سالہ محنت سے ان پچاس سالوں کو بھی بھول جانا چاہیئے جو مولانا احمد رضا خاں نے بقول قاری احمد پیلی بھیتی اہلسنّت کو دو ٹکڑے کرنے میں لگائے تھے مطالعہ بریلویت کی اس جلد سے آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سب اہل سنّت آج بھی اپنے عقائد پر ہیں جو اُن کے آج سے چودہ سو سال پہلے تھے۔

مؤلف

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ اپریل ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۱ بعنوان ۱۱۰ علمائے کرام

فہرست مضامین

بریلویت علماء دیوبند کی نظر میں

پکار فوق الاسباب

اسلام کا عقیدہ توحید

عقیدہ نور و بشر

علمِ غیب

مسئلہ علم غیب

بریلویوں کا عقیدہ مختارِ کل اور اُس کا علمی جائزہ

عقیدہ مختار کل کی بریلوی وسعت

کیا حضورؐ نے شریعت کے فیصلے اپنی مرضی سے بھی کیے

مسئلہ مختار کل - اہلسنت عقیدہ کی رو سے ۵۰۸

قرآن کریم

احادیث

(بقیہ فہرست ص ۴۳)

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعہ بریلویت

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

حافظی بکڈپو دیوبند یوپی
۲۴۷۵۵۴

دس سال پہلے کا

اعلان و انتباہ

دیوبندی، بریلوی اختلاف پر پہلی کتاب " انوار ساطعہ " عوام کے سامنے آئی تھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے " انوار ساطعہ " کو متن بنا کر ذیل میں " براہین قاطعہ " کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ تاکہ مطالعہ کرنے والا دونوں طرف کی بات ایک ہی وقت میں دیکھ سکے۔

فضیلۃ الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب نے نزاع کو ختم کرنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے کتاب ہذا ہدیہ قارئین کی ہے اگر کوئی صاحب اس کا جواب لکھنا چاہیں تو وہ اس کتاب کو متن بنا کر ساتھ ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔ کتاب ہذا کے لفظ لفظ کو سامنے لائے بغیر اس کا جواب ناکافی اور ناقابل اعتنا سمجھا جائے گا۔

جب تک کوئی جواب کتاب ہذا کے پورے متن کا حامل نہ ہو گا اسے کتاب ہذا کا جواب نہ سمجھا جائے گا۔

مرتب کتاب ہذا۔
حافظ محمد اسلم عفا اللہ عنہ
ساکن ڈنکاسٹر انگلینڈ : فاضل جامعہ رشیدیہ ساہیوال پاکستان ۵۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء

منقول از جلد دوم صہ ۱۸

مقدّمہ

تاریخ زوالِ اُمّت

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد :

مغلیہ سلطنت کے زوال اور ۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد ہندوستان میں باقاعدہ انگریزی سلطنت قائم ہوئی ۱۲راگست ۱۷۶۵ء کو شاہ عالم نے پنجاب بہار اڑیسہ اور بنگال کا دیوانی نظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں اسلام کے نام سے صرف دو ہی فرقے تھے۔ ۱۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور ۲۔ شیعہ ــــ پھر شیعہ میں دو فرقے تھے۔ ۱۔ اثنا عشری اور ۲۔ اسمٰعیلیہ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ بالکل ایک تھے اور سب حنفی المذہب تھے۔ انگریزی حکومت نے ۱۸۵۷ء کا معرکہ دیکھنے کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی جنرل باڈی جواب بھی ایک ہے ایک نہ رہے۔ جس طرح ہو سکے ہندوستان کے سُنّی مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کیا جائے اور ان کی آپس میں تقسیم انہیں اتنا کمزور کر دے کہ پھر حکومت کو کسی اور مفسدے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ حالات چل رہے تھے کہ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء ــ ۱۹۱۹ء کا سانحہ پیش آگیا اور مسلمان اس میں عالمی سطح پر ملوث ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں میں خلافت عثمانیہ موجود تھی اور ٹرکی مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت تھا۔ ٹرکی اور جرمنی ایک دوسرے کے حلیف بنے اور انگریزوں نے مسلمانوں کو عالمی سطح پر اپنا دشمن خیال کیا اور اس کے نتیجہ میں ان کی پوری محنت اس پہ لگی کہ جس طرح بن پڑے ہندوستان کے اہل سُنّت مسلمانوں کو مستقل طور پہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

برطانوی ہند میں مسلمانوں میں نئی فرقہ بندیاں

پہلی جنگ عظیم کے کھنڈرات سے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ اُبھرا اور اس نے آگے چل کر ایک باقاعدہ دین و مذہب کی صورت اختیار کی یہ کاٹ اہلسنّت مسلمانوں میں ہوئی اور انہیں مستقل طور پر دو ٹکڑے کرنے میں مولانا احمد رضا خاں کے پچاس سال لگے۔ مولانا احمد رضا خاں کے معتقد مولانا قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں کہ :-

> مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جد وجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتبِ فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی۔[1]

انگریزی سیاست نے کس طرح فرقہ بندی قائم کی

جنگِ عظیم اپنی پہلی سطح میں انگریزوں اور جرمنوں کے مابین تھی ان دنوں مسلمان عالمی سطح پر انگریزوں سے نالاں تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے جرمنوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ خلافتِ عثمانیہ ان دنوں مسلمانوں کی اجتماعی قوت تھی سو ترکوں نے جرمنوں سے اتحاد کر لیا۔ حجاز میں ان دنوں خلافتِ عثمانیہ کا نائب شریف مکہ تھا اور گورنر انور پاشا تھا۔ انگریزوں نے شریف مکہ سے ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی اور اس راہ سے حجاز میں کافی مداخلت حاصل کر لی۔ اب انگریزی سلطنت کا تقاضا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سے کوئی طبقہ شریف مکہ کی حمایت میں کھڑا کیا جائے جو کھل کر ترکوں کے خلاف لکھیں

---

[1] سوانح اعلیٰ حضرت ص ۸

اور انگریزوں کی حمایت میں ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک نیا ذہن پیدا ہوا۔

ہندوستان میں جو مسلمان ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے برسرِ پیکار ہوئے تھے ان کے جانشینوں (علمائے دیوبند) نے ہندوستان میں ترکی خلافت کی حمایت کا اعلان کر دیا اور کہا خلافت جس درجے میں بھی ہو اس کا قائم رہنا ضروری ہے۔ اسلام کا نقشِ سیاست خلافت کے بغیر پورا نہیں ہوتا مسلمانانِ ہند کو کھل کر ترکوں کا ساتھ دینا چاہیئے۔ انگریزوں کو اس بات کی فکر تھی کہ اگر ترکی ہندوستان پر (بوجہ انگریزی عملداری ہونے کے) حملہ کرتا ہے اور یہاں کے مسلمان اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں تو انگریز شاید ہندوستان میں ترکوں کا سامنا نہ کر سکیں اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے ہندوستان میں ایک ایسے طبقے کو اُٹھانے کی ضرورت تھی جو ترکوں کے خلاف شریف مکہ کا حامی ہو اور ہندوستان میں علماء دیوبند کے خلاف اُٹھ سکے۔ یہیں سے ہندوستان میں بریلوی دیوبندی فرقہ بندی کا آغاز ہوا اس اختلاف کی ابتدائی سطح سیاسی تھی مگر اس نے آہستہ آہستہ ایک مذہبی اختلاف کی صورت اختیار کرلی۔ انگریز مفکرین کی رائے تھی کہ سیاسی اختلافات تو وقت گزرنے پر ختم ہو جاتے ہیں مگر مذہبی اختلافات کا بیج جب پھوٹتا ہے تو وہ بالآخر سدا بہار درخت بنتا ہے جس کو ہر دور میں کچھ نہ کچھ پرستار مل ہی جاتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں کو بھی کچھ نہ کچھ لوگ ہاں میں ہاں ملانے والے مل ہی جائیں گے۔ اس دور میں ہندوستان میں اکثریت خلافت کے حامیوں کی تھی۔ یہاں تک کہ یہ دور ہی ان کا تھا اور بریلوی ایک بہت مختصر سی جماعت تھے اور ایک چھوٹی سی اقلیت تھے مولانا احمد رضا خاں خود تسلیم کرتے ہیں:-

ناریوں کا دور تھا دِل جل رہا تھا نور کا — تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا[1]

---

[1] حدائقِ بخشش حصہ دوم ص۴۲

کہاں ہیں بریلوی علماء جو ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم اکثریت میں ہیں۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں کے سینہ کی جلن تو صرف خواب دیکھ کر ہی ٹھنڈی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی شریف مکہ کے سخت خلاف تھے اور ترکوں کی حمایت میں علمائے دیوبند کے ساتھ تھے۔ سیال شریف کے خواجہ ضیاء الدین صاحب نے اس موقعہ پر علمائے دیوبند کا کھل کر ساتھ دیا۔ ڈاکٹر اقبال شریف مکہ پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

شریف مکہ بھی دیئے گئے وعدوں کو نہ پا سکے

خلافت ٹوٹنے کے بعد شریف مکہ بھی زیادہ دیر اقتدار پر نہ رہ سکے اور آلِ سعود نے اس کو مار بھگایا۔ شریف نے اپنا وعدہ پورا کیا مگر انگریز اس سے کیے گئے وعدے پورے نہ کر سکے ؎

شمع بھی جل جاتی ہے پروانہ کے جلنے کے بعد

انگریزوں نے وہاں تو شریف کی کوئی مدد نہ کی لیکن ہندوستان میں بریلویوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لیے ملک عبد العزیز آل سعود کے خلاف پوری مہم چلا دی۔ علمائے دیوبند نے اس محاذ پر بریلویوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آل سعود کے حق میں خم ٹھونک کر نکلے۔ بریلویوں نے آلِ سعود کا نام وہاں وہابی اور دیوبندیوں کا نام گلابی وہابی رکھا تھا۔ حجاز کے اس انقلاب پر آستانہ بریلی کیوں سیخ پا تھا۔ اس کا جواب مولانا ظفر علی خاں نے ان الفاظ میں دیا ہے ؎

کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز
یہ گناہ وہ ہے کبھی جو ہو نہیں سکتا معاف

زندگی اسکی ہے ملت کے لیے پیغام موت کر رہا ہے جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

شریف مکہ حجاز میں قبر پرستی کی کوئی راہ نہ نکال سکتا تھا۔ اس لیے انگریزوں نے وہاں اس کی طرف سے کوئی مدافعت نہ کی لیکن ہندوستان میں بریلویوں کا کھل کر ساتھ دیا کیوں کہ انہوں نے اپنے ہاں ہر ہر گاؤں میں سجدوں کے لیے قبریں بنا رکھی ہیں۔

ہر فرقہ بندی کے پیچھے پہلے سیاسی ہاتھ رہا ہے

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کہیں فرقہ بندی ہوئی اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی سیاسی ہاتھ ضرور نظر آیا ورنہ کتاب و سنت کے نورانی چشمے کبھی فرقہ بندی سے مکدر نہ ہو سکتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی نادانی اور جہالت تھی کہ وہ غرضمند مولویوں کے چکر میں آکر طالع آزما سیاست دانوں کے آلہ کار بنے اور ان مولویوں کے الزامات کو اختلافات سمجھ بیٹھے —— اختلاف وہ ہوتا ہے جس کو دوسرا فریق بھی مانے اور وہ اسے اپنا موقف اور عقیدہ تسلیم کرے ورنہ وہ کہی گئی بات الزام کی سرحد سے آگے نہ جائے گی اور ظاہر ہے کہ صرف الزام سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ قانون کی نظر میں ملزم اور مجرم میں ہمیشہ فرق کیا جاتا ہے۔

ابتدا میں سُنّی اور شیعہ اختلافات بھی سیاسی تھے

شیعانِ علی ابتدا میں صرف ایک سیاسی جماعت تھے شیعہ مذہب کی باقاعدہ تشکیل اس کے بہت بعد کی ہے۔ اثنا عشری شیعوں کے بارہویں امام ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سو ظاہر ہے کہ اثنا عشریوں کا بارہ اماموں کی امامت پر مبنی عقیدہ کہیں

تیسری صدی کے آخر میں بنا ہوگا۔ ان کی حدیث کی پہلی کتاب الکافی چوتھی صدی ہجری میں مدون ہوئی اس کا مؤلف محمد بن یعقوب الکلینی تھا جس نے ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

سو پہلی دو صدیوں کے رواتِ حدیث میں اگر کسی کے نام کے ساتھ شیعی کا لفظ آجائے یا اس کے بارے میں رمی بالتشیع کے الفاظ ملیں تو ان سے وہ شیعہ مراد نہیں ہوتے جو ختمِ نبوت کے بعد آسمانی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں یا وہ ایمان شیخین کے منکر ہیں یا تحریفِ قرآن کے قائل ہیں۔ یہ مذہبی اصطلاح تیسری صدی کے آخر میں بنی اور اس سے اثنا عشری یا اسمٰعیلی مراد لیے جانے لگے۔ شیعہ باصطلاح قدیم ہرگز کوئی موجب جرح بات نہ تھی اس لیے محدثین ان کی روایت قبول کرتے رہے۔ سو یہ نہ کہا جائے کہ اہل سنّت کی حدیث کی کتابوں میں شیعہ راوی موجود ہیں۔

ابتداء میں شیعانِ علی کوئی علیحدہ مذہبی گروہ نہ تھا

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے آپ کو سوادِ اعظم اہل سنّت سے جُدا خیال نہ کیا تھا۔ جب آپ خلیفہ بنے تو بھی اپنی خلافت کو پہلی تین خلافتوں پر مبنی بلا فصل خلافت کہا یہ نہ کہا کہ مجھے خلافت چوبیس سال کے فصل سے ملی ہے اور میں خلیفہ بالفصل ہوں۔ آپ کی خلافت حضرت عثمانؓ سے اسی طرح بلا فصل رہی جس طرح حضرت عثمان رضؓ کی خلافت حضرت عمرؓ کی خلافت سے بلا فصل مسلسل رہی آپ نے اپنے دورانِ حکومت نمازِ تراویح اور نمازِ جمعہ کی دو اذانوں کو اسی طرح قائم رکھا جیسا کہ یہ دونوں عمل پہلے سے چلے آرہے تھے۔ آپ نے کبھی حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف کوئی بات نہ کی۔ آپ کی حضرت معاویہؓ سے

مخالفت خلفاء ثلثہ کی خلافت سے مخالفت کے طور پر نہ تھی۔ آپ جانتے تھے کہ عام لوگوں کے دلوں پر ابھی تک حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی حکومت ہے۔ سو ان دنوں شیعانِ علی کا لفظ امیر معاویہؓ کے مقابلے میں آپ کے سیاسی حامیوں کے لیے بولا گیا اور اس سے مراد لیے گئے تھے۔ مذہبی اعتبار سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اسلام بالکل ایک تھا۔

حضرت علیؓ خود بیان فرماتے ہیں :۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد و نبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة و لا نستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فی دم عثمان ونحن منه براء۔[1]

ترجمہ :۔ اور ہمارے کام کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہم اور اہل شام آپس میں لڑ پڑے اور ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے تھے اور ہماری اسلام کے لیے دعوت بھی ایک تھی نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق رسالت میں ان سے کچھ زیادہ تھے نہ وہ ہم سے اس میں آگے تھے دونوں کا دینی معاملہ ایک سا ہے سوائے اس کے کہ ہم خونِ عثمانؓ کے بارے میں مختلف الرای ہو گئے (وہ اس میں ہمیں قصوروار سمجھے) اور ہم اس سے بری ہیں۔

مذہبی اختلافات بھی اتنے لمبے نہیں جتنے الزامات قائم ہو گئے

اختلاف کسے کہتے ہیں جس میں لزوم کے ساتھ التزام موجود ہو کسی عبارت سے

[1] نہج البلاغۃ جلد ۳ صہ ۱۲۶

جو بات لازم آئے کہنے والا اسے تسلیم کرے کہ ہاں میں نے یہی بات کہی ہے اور اگر اس بات کو دوسرا فریق نہ مانے تو یہ محض الزام ہے اس کے ساتھ التزام نہیں ایسے مواقع میں نزاع لفظی ہوتی ہے خود غرض لوگ اسے بڑھا چڑھا کر پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ اہل سنت اور شیعہ میں واقعی اختلافات ہیں۔ اہل سنت اور اہل حدیث (باصطلاحِ جدید) میں بھی واقعی اختلافات ہیں لیکن دیوبندیوں اور بریلویوں میں اختلافات اتنے نہیں جتنے الزامات ہیں۔ بدیشی حکمرانوں نے ہندی رعایا کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنے کے لیے ان میں ایسی باتیں چلائیں کہ بہت سے نادان لوگ ان کی باتوں میں آگئے اور آج آپ کو کئی لوگ ایسے ملیں گے جو واقعی ان دو کو دو مستقل فرقے سمجھتے ہیں۔

ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ اہل سنت محدثین جب کسی شیعہ راوی کی روایت قبول کرتے ہیں تو یہ وہی شیعہ تھے جو باہمی جنگوں میں حضرت علیؓ کے ساتھی ہوتے تھے نہ کہ وہ جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ایمان کے منکر ہوں یا قرآن کو مخلوق سمجھتے ہوں یا اسے محرف سمجھتے ہوں اور عقیدہ رجعت رکھتے ہوں کہ قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر اس دنیا میں آنا ہے۔ ان عقیدوں کے حامل راویوں کی روایت اہل سنت محدثین کے ہاں کبھی قبول نہیں کی گئی ـــــ اب شیعہ سے مراد شیعہ باصطلاحِ جدید ہیں جنہوں نے باقاعدہ ایک مذہبی شکل پائی اور ان کے مذہب کی ان کے اپنے علمی حلقوں میں باقاعدہ تشکیل ہوگئی ہے ان کے عقائد اور فروع کی کتابیں عام مسلمانوں سے مختلف لکھی گئیں۔ اثنا عشری لوگ بارہویں امام پر آکر رک گئے اور اسماعیلی شیعہ اپنے حاضر اماموں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہ اب چالیسویں حاضر امام کے زیرِ نگین ہیں۔

عبداللہ ابن سبا یہودی اثنا عشری شیعہ نہ تھا

یہ جو کہا جاتا ہے کہ شیعہ مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا تھا تو اس کی بنیاد اس کا یہ الحادی عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ خدا ہیں اور یہ کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت درست نہ تھی۔ حضرت علیؓ نے اس کو ان عقائد پر زندیق قرار دیا اور اسے زندہ جلا دیا ـــــ اس کا نام ان عقائد کے نقاش اول ہونے کی حیثیت سے بے شک لیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اس نے اثنا عشری عقائد کی باقاعدہ تشکیل کی تھی موجودہ شیعوں کی تاریخ بارہ سو سال سے پیچھے نہیں جاتی۔ عبداللہ بن سبا حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا موسس ضرور ہے لیکن وہ اثنا عشری عقائد کا بانی نہیں ہے۔

سیاسی اختلافات کس طرح مذہبی اختلافات میں ڈھلتے ہیں

شیعوں کی اس تاریخ سے ہم اپنے قارئین کو صرف یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جس طرح شیعہ پہلے مرحلہ میں محض ایک سیاسی گروہ تھے۔ مذہبی تشکیل انہوں نے بعد میں پائی۔ بریلوی بھی اپنی پہلی وضع میں ایک سیاسی گروہ تھے جو انگریزوں کی حمایت اور ترکی خلافت کے خلاف اُٹھے اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے ایک علیحدہ دین ومذہب کی صورت اختیار کرلی۔ مولانا احمد رضا خاں سے پہلے مولانا فضل رسول بدایونی نے اس عقیدے کی داغ بیل ڈال دی تھی لیکن وہ اسے ایک باقاعدہ دین ومذہب کی شکل نہ دے سکے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی وصیت میں اپنے آپ کو ایک خاص دین ومذہب کے بانی کے طور پر پیش کیا اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ ان کے دین ومذہب پر چلیں۔

سیاسی فضاؤں میں پیدا ہونے والے مذاہب

سیاسی فضاؤں میں پیدا ہونے والے مذاہب کبھی حقیقی فرقے نہیں بنتے انہیں کبھی کچھ کہنا پڑتا ہے اور کبھی کچھ ___ انہیں یک طرفہ سننے والے انہیں مستقل فرقہ سمجھ لیتے ہیں دونوں آوازوں کو سننے والے ان کے سیاسی مدوجزر کو بھانپ لیتے ہیں۔ شیعہ جو اپنی اصل میں صرف سیاسی اختلاف کے لوگ تھے انہوں نے اپنی دونوں آوازوں کے مابین تقیہ کا ایک ثقاف قائم کر لیا۔ ان سے یہ دونوں آوازیں آگے چلتی رہیں اور وہ اپنی ان دونوں باتوں میں تطبیق پیدا کرتے رہے تقیہ ان کا وہ سفینۂ نجات ہے جو انہیں بحر و بر میں بقا کا سہارا دیتا رہا ہے ___ بریلوی لوگ بھی ہر اختلافی موضوع پر دو طرح کی بولیاں بولتے رہے۔ ان کی ایک آواز اپنے آپ کو اہل سنت ثابت کرنے کے لیے علماء دیوبند کے موافق ہوتی رہی اور ایک مخالف ___ جب وہ کسی علمی سطح پر بات کرتے ہیں تو وہ علماء دیوبند کے قریب ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے عوام میں ہوتے ہیں تو اختلاف قائم رکھنے کی خاطر وہ اپنی تصویر کا دوسرا رُخ اختیار کرتے ہیں اور ان کے عوام سمجھتے ہیں کہ ان کا واقعی وہی عقیدہ ہے جس سے بریلوی عوام عام طور پر متعارف ہیں۔ بریلویوں کی مذہبی خودکشی کی طویل داستان آپ اس کتاب کی چوتھی جلد میں پڑھ آئے ہیں۔

قادیانی بھی اپنی پہلی کوشش میں ایک سیاسی گروہ تھا

انگریز حکومت کو اپنے سیاسی استحکام کے لیے مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کی سخت ضرورت تھی اس سیاسی ضرورت نے پھر اس مذہبی مسئلہ

کو سامنے لا کھڑا کیا کہ کس طرح اس دور کو وقت مسیح قرار دیا جائے جس میں کسی دینی جنگ کی ضرورت نہ رہے۔ پھر اس وقت کو دور مسیح ٹھہرانے کے لیے کسی شخص کو مسیح بنانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ وہ مسیح بن مریم نہ ہوگا اس لیے مثیل مسیح کا تصور پیدا کیا گیا اور اسی ضرورت نے ایک نئے فرقے کو جنم دیا۔

بریلوی حقیقۃً اہلسنّت سے کٹے ہیں یا یہ صرف ایک ظاہری ڈرامہ ہے

بریلوی عوام ایک بھیڑ ہیں ایک قوم نہیں۔ وہ چھینٹے ہیں مگر ایک دریا نہیں یہ لوگ عقل و شعور سے بہت کم کام لیتے ہیں اور وہ واقعی ان عقائد پر ہیں جو ان کے علماء اور واعظین دن رات انہیں تلقین کرتے رہتے ہیں اس صورت میں وہ واقعی اہل سنّت سے کٹ گئے ہیں۔ ان کے علماء ان کے اس جرم کے یقیناً ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کی ایک بھیڑ کی بھیڑ کو نہ صرف شرک و بدعت میں آلودہ کر رکھا ہے بلکہ انہیں اہل سنّت (علماء دیوبند) کے بالمقابل ایک علیحدہ فرقے کی شکل دے رکھی ہے اور ان عقائد پر جب کوئی ان کا پیروکار دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ ان گندے عقائد کو ساتھ لے کر مرتا ہے جن کی ان علماء نے اپنے عوامی جلسوں میں انہیں تلقین کی ہوتی ہے اور وہ بدقسمت اپنے عقیدوں کے اس رخ سے ناواقف ہوتا ہے جو بریلوی علماء بحث و تحقیق کے وقت علماء دیوبند کے سامنے اختیار کرتے ہیں کہ

1. ہم حضورؐ کی بشریت کا انکار نہیں کرتے اور
2. آپ کو بہ نفس نفیس ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں سمجھتے۔

ان حالات میں ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم کتب عقائد اہلسنّت کی روشنی میں بریلوی عوام کو ان عقائد کی تعلیم دیں جو ان کے مولوی ان سے چھپاتے

ہیں ـــ ہماری تمنّا ہے کہ کوئی بریلوی جہالت کے سائے میں نہ رہے اور نہ ان عقائد پہ مَرے جو بریلوی علماء اپنے سٹیج پہ بیان کرتے ہیں ـــ سو اس کتاب میں ہماری تحقیقات کا رُخ ان کے علماء کی طرف نہیں ان کے عوام کی طرف ہو گا۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم اپنے قارئین کو بریلویوں کی دوطرفہ آواز کی ایک جھلک بھی دکھادیں۔

بریلویوں کی دوطرفہ آواز کا افسوسناک منظر

انبیاء علیہم السلام سب نوعِ انسانی میں سے تھے اور حقیقت و ذات میں سب متحد ـــ سب حقیقۃً انسان تھے ـــ اس طرح کے انسان نہ تھے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بعض اوقات تجسدِ بشری میں ظاہر ہوتے تھے ـــ یا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا کبھی اژدہا کی صورت اختیار کرلیتا مگر وہ حقیقۃً لکڑی کا بنا عصا ہی تھا سانپ نہ تھا ـــ یہ عارضی طور پہ دوسری شکل میں آنا ایک وقتی بات ہوتی ہے۔ انسان مستقل طور پہ ایک انسان ہے اور فرشتہ مستقل طور پر فرشتہ ہی ہے انسان نہیں۔ عصا سانپ کے تجسد میں آنے کے باوجود اپنی اصل میں عصا ہے سانپ نہیں اور یہ ایک وقتی روپ ہے جو اسے خدا کی طرف سے ملا اسے تمثل کہتے ہیں۔

اب بریلوی علماء کی ایک آواز سنیئے اور اندازہ کیجیے کہ ان کے کتنے عوام اس عقیدے پر مَرے ہوں گے ؟ ذرا دل تھام کر ان کے اس عقیدہ کو پڑھیئے اور دیکھیئے کہ یہ کتاب و سنّت اور مذہب اہل سنّت کا کھُلا انکار نہیں تو اور کیا ہے مولانا محمد عمر اچھروی اپنے عوام کو یہ سبق زبانی یاد کراتے تھے :۔

(۱) مصطفٰے کی حقیقت بشری نہ تھی۔[1]

(۲) مصطفٰے کی حقیقتِ بشری کی نفی کی دوسری دلیل یہ ہے ...... الخ۔[2]

(۳) حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نورِ اللہ سے حاملہ ہوئیں۔[3]

اسلام میں یہ بات قطعیات میں سے ہے کہ حضرت آمنہ اپنے خاوند حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب سے حاملہ ہوئی تھیں اور وہ ایک انسان تھے اللہ کا نور کسی تجسد بشری میں ان پر ظاہر نہ ہوا تھا۔

اب مسئلہ بشریت پر بریلویوں کی دوسری آواز سن لیجئے :-

انبیاء جنس بشر میں سے آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔[4]

اب ذرا غور فرماویں جو بریلوی عوام اس عقیدے پر مرے جو مولانا محمد عمر اچھروی بیان کرتے رہے کیا وہ اہل سنت عقائد پر مرے ہوں گے؟ ہرگز نہیں ان کے علماء نے ان کو سچائی کے نور سے کس بے دردی سے بے نور کر کے دنیا سے رخصت کیا ہے۔ جب علمائے دیوبند انہیں کہتے ہیں کہ تم اپنے عوام کو کیوں محروم الایمان کر کے مارتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حق بات بھی تو کہہ رکھی ہے کہ انبیاء جنس بشر سے آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ عوام کو چاہیئے کہ ہماری ان باتوں کو بھی تو پڑھ لیا کریں صرف ہماری تقریروں پر نہ جائیں۔

غور کیجیے عقائد جیسے نازک معاملہ سے کھلا تمسخر کیا جا رہا ہے اور یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ان کے عوام اپنی وفات تک اسی عقیدہ پر ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز بشر نہ تھے اللہ کا نور تھے اور حضرت آمنہ کے پیٹ میں اللہ کا نور اترا تھا۔ یہ کوئی بشری جسد نہ تھا جس نے انسانوں کی طرح ولادت پائی ہو —— اب یہ فیصلہ آپ انہی علماء پر چھوڑیں کہ اس عقیدہ پر مرنے والا آگ میں

---

[1] مقیاس النور ص ۲۴ [2] ایضاً ص ۳۲ [3] ایضاً ص ۳۲ [4] جاء الحق ص ۱۷۳

جائے گا یا مغفرت پائے گا — عقائد میں جہالت کوئی عذر نہیں بنتی نہ یہ کوئی فقہ کا موضوع ہے کہ خطا کرنے والا بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرے۔

عقائد میں بریلوی کبھی کچھ کبھی کچھ

آپ نے بریلویوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننے کا عقیدہ بارہا ان کے عوام سے سُنا ہو گا۔ نہیں تو ان کو پوچھ کر دیکھ لیں۔ پھر آپ ان کے علماء سے یہ باتیں بھی سُنیں اور اور غور کریں کہ کیا ان کے علماء حضورؐ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے قائل ہیں؟ جو ان کے عوام میں آپ کو ضروریات دین کے درجہ میں نظر آ رہا ہے۔ ان کے مفتی احمد یار لکھتے ہیں :۔

> ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز ہوتے ہیں (یعنی اس سے پہلے ہم وہاں موجود نہیں ہوتے) مگر جب حقہ آ جاتا ہے تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔[1]

اس میں مفتی صاحب خود دبے لفظوں میں اقرار کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ رہا کبھی کبھی کا آنا جانا یہ اور بات ہے اس میں ہمہ وقتی حضور و نظور نہیں ہے۔

بریلویوں کے کفری عقائد کو علماء دیوبند نے ہمیشہ کُفر کہا ہے

انبیاء علیہم السلام کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا کُفر ہے اسے علماء دیوبند نے حضرت

---

[1] جاء الحق صد ۱۵۵

مولانا محمد قاسم نانوتوی سے لے کر حضرت مولانا مفتی نظام الدین تک سب نے کفر کہا ہے. بشریت النبی کے انکار کو بھی سب نے کفر کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے لیے علم غیب کا اقرار یہ بھی سب کے نزدیک کفر ہے. سو اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء دیوبند نے بریلویوں کے کفری عقائد کو ہمیشہ کفر کہا ہے. لیکن ان حضرات کا بریلوی جماعت پر کفر کا فتویٰ نہ دینا ان کی اسی دوطرفہ بولی کی وجہ سے ہے کہ کبھی کسی بات کا اقرار کرتے ہیں اور کبھی انکار. سو ان حالات میں ان پر قطعی کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا. لیکن چونکہ ان کو عام طور پر انہی عقاید پر پایا جاتا ہے اور انہی کی وہ دن رات تبلیغ کرتے ہیں تو اس پس منظر میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا. ان پر حکم کفر لگانے میں احتیاط اور چیز ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز قرار دینا اور بات ہے. اس میں احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور ان کے جو عقائد عوام میں معروف ہیں انہیں کھلے طور پر کفر مانا جائے۔

جہاں تک ہم نے اس صورت حال پر غور کیا ہے دونوں طبقوں میں دیوبندیوں اور بریلویوں میں علم اور جہالت کے سوا کوئی فرق نظر نہیں آتا بریلوی علماء لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں. اور علماء اہل سنت (علمائے دیوبند) ان پر فتوئے کفر دینے کے بجائے انہیں علم کے نور سے منور کرنے کی پالیسی اختیار کرتے ہیں یہ ان کی اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ بریلویت کا گراف بڑی تیزی سے گر رہا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں پڑھے لکھے لوگ (گو وہ دنیوی تعلیم ہی کیوں نہ ہو) کبھی بریلوی کہلوانا پسند نہیں کرتے۔

انبیاء و اولیاء کی محبت میں غلو اور اعتدال مابہ الفرق نہیں ہے

بعض لوگ دور سے اس اختلاف کا جائزہ لیتے ہیں اور ان دونوں میں (بریلویوں اور دیوبندیوں میں) غلو اور اعتدال کا فاصلہ بتاتے ہیں یہ درست نہیں ہے ——
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غلو کرنے والا حضور کا حق اپنے کسی مولوی یا پیر کو کبھی نہ دے گا. ہمیں شریعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے. سوچاہیے کہ ہم شریعت کو ایسا چشمہ صافی رکھیں کہ اس میں کسی بدعت کی آلائش نہ ہونے پائے یہ حضورؐ کی عزت کا تقاضا ہے —— یہ حق آپ کا ہی رہے. اس میں کسی دوسرے کو شریک ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے. مگر یہ بریلوی ہیں کہ انہوں نے سینکڑوں بدعات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل کر رکھا ہے اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ یہ تو حضورؐ کی تعلیم نہ تھی تو جھٹ کہہ دیتے ہیں اس میں حرج کیا ہے؟ بھلا حضورؐ کی محبت میں غلو کرنے والا کبھی آپ کی ایسی بے ادبی کر سکتا ہے کہ وہ شریعت کی تعیین جو حضورؐ کا حق تھا وہ اس میں دوسروں کو دخل دینے کا موقع دے. ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کی سینکڑوں بدعات حضورؐ کے دین میں داخل کر رکھی ہیں بھلا کوئی حضورؐ کی محبت میں غلو کرنے والا حضورؐ کی ایسی گستاخی کر سکتا ہے. یہ علماء دیوبند پر اتہام ہے کہ وہ مولوی احمد رضا خاں کو محبت رسول میں غالی سمجھتے تھے اس لیے وہ ان پر جرح نہ کرتے تھے. ایسا ہرگز نہیں علماء دیوبند نے کھل کر مولانا احمد رضا خاں کی امانت اور دیانت پر تنقید کی ہے. اس لیے آپ کو اس جلد میں ایک نہایت مفید بحث "بریلویت علماء دیوبند کی نظر میں" کے نام سے ملے گی.

علماء دیوبند اور بریلویوں میں ایک مشترک محترم شخصیت

ہندوستان میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کا احترام دونوں حلقوں میں پایا جاتا ہے۔ آپ سب اکابر دیوبند کے شیخ ہیں۔ اسی طرح آپ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ گولڑہ، مولانا عبدالسمیع رامپوری مؤلف انوارِ ساطعہ اور مولانا انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی کے بھی شیخ ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کا اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اصلاح اور انہیں اللہ رب العزت کی محبت میں کھینچنے کا عجیب طریق تھا۔ مشائخ جب اپنے مریدوں کو اللہ کے رنگ میں رنگین کرتے ہیں تو اسے اصطلاحاً ان کا علاج کرنا کہتے ہیں مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح کے لیے جو پیرائے اختیار کریں وہ انہیں علاج کا درجہ دیتے ہیں شریعت کا نہیں — شریعت میں کسی کو کمی بیشی کرنے کا اختیار نہیں ہوتا مگر علاج کے طور پر مختلف پیرائے اختیار کرنے کی اربابِ حال کو اجازت ہوتی ہے لیکن اس پیرایۂ علاج سے ان حضرات نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے جن کی شہرت زیادہ بطور ایک عالم یا فقیہ کے ہوئی — اور جن کا زیادہ تعارف بطور ایک شیخ کے ہوا۔ وہ اپنے طریق علاج سے اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اصلاح کرتے رہے ہیں —
حضرت حاجی صاحبؒ نے اس علاج میں کئی ایسے پیرائے بھی اختیار کیے جن کی آپ کے اجل خلفاء مثل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اجازت نہ دی کیونکہ یہ حضرات بطور مشائخ معروف ہونے کے مقابلہ میں عالم اور فقیہ ہونے کی شہرت زیادہ رکھتے تھے انہیں پتہ تھا کہ ان کی بات عام لوگوں میں شریعت سمجھی جائے گی گویہ ان کے استنباط اور استخراج پر مبنی ہو۔ تاہم لوگ انہیں اس طرح علاج نہ سمجھیں گے جس طرح وہ حضرت حاجی صاحب کے طریقوں کو بطور علاج اپناتے رہے ہیں۔

علماء دیوبند اور بریلویوں میں مسائل طریقت میں اختلاف نہیں

مولانا احمد رضا خاں کی علماء دیوبند سے لڑائی ان کے عقائد اور ان کی سیاسی نظریات کے باعث رہی۔ یہ لڑائی مشائخ طریقت کے پیرایہ ہائے علاج پر نہ تھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اگر حضرت حاجی صاحبؒ کے کسی پیرایہ علاج کو شریعت نہ بننے دیا اور خود شریعت کی پاسداری کے لیے ان اعمال پر نہ آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقائد کے باب میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ کا ان ارباب درس وفتوے سے کوئی اختلاف ہوا اور فریقین ایک دوسرے کے ساتھ نہ تھے اور یہ کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا کوئی فیصلہ ان دو کے لیے قابل قبول نہ تھا ایسا ہرگز نہیں۔

بعض جزئی اختلافات کے باوجود حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو زیب شریعت فرماتے تھے اب اس کے ہوتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں کے ان الزامات کا کیا وزن رہ جاتا ہے جو آپ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ پہ لگائے اور خواہ مخواہ انہیں عقائد کا اختلاف بنا ڈالا۔

> ہر کس کہ بایں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ ومولوی محمد قاسم صاحب سلمہ راکہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند۔ بجائے من راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمائند۔ اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من ومن بمقام اوشان شدم وصحبت اوشان را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زمان نایاب اند واز خدمت بابرکت ایشاں فیض یاب بودہ باشند طریق سلوک کہ دریں رسالہ (ضیاء القلوب) نوشتہ شد۔ در نظر شان تحصیل نمائند۔

گولڑہ شریف، سیال شریف، تونسہ شریف اور خواجگان چشت کی کسی گدی کے مریدین اور مسترشدین علماء دیوبند پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ مشرب کے اختلاف کے باوجود یہ سب سالکین ایک ہی گھاٹ پر اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔

اسلام کے اصولی عقائد جن میں فریقین میں اختلاف نہیں

اسلام کے بنیادی عقائد جنہیں ضروریاتِ دین۔ کہا جاتا ہے ان میں علماء دیوبند اور بریلوی ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔ بریلویوں کا یہ شور کہ دیوبندیوں کے کچھ اور ہیں۔ ان کی یہ بات کسی علمی درجے کی نہیں ان کے ذاتی مفادات انہیں ڈیڑھ اینٹ کی ایک مسجد بنانے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں اختلافات کی بجائے الزامات کی فہرست کے سوا کچھ نہیں تاہم بریلویوں کے مولانا ابوالحسنات محمد احمد خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، جسٹس پیر کرم شاہ بھیروی، مفتی مختار احمد گجراتی اور مولانا عبدالستار نیازی اور ان کے کئی دوسرے اکابر بارہا اس قسم کے بیانات دے چکے ہیں۔ کہ دونوں میں اسلام کے اصولی مسائل میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے ۱۹۴۶ء میں لاہور کے ایک جلسۂ عام میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اعلان کیا تھا کہ ہمارا آپس میں اساسی عقائد میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بریلوی علماء عوام میں انہیں اصولی بتاتے ہیں

ان تمام اعلانات اور وضاحتوں کے باوجود بریلوی علماء کی اپنے عوام میں زبان کچھ اور ہوتی ہے اور وہ اپنے عوام کے ایمان پر ذرا ترس نہیں کھاتے اور علماء دیوبند سے اختلاف باقی رکھنے کی خاطر اپنے عوام کو ان عقائد کی راہ بتاتے ہیں جو صریحًا اہل سنت کے عقائد نہیں اور ان عقائد پر مرنے والا کبھی نجات کا مستحق نہیں ہوتا۔ تطبیق کی وہ علمی توجیہ جو ان علماء کے اپنے ذہن میں ہوتی ہے وہ ان کے عوام کے ذہن میں نہیں ہوتی اور وہ انہیں کھلے طور پر کفر و شرک اور بدعات

کی بھاڑ میں پھینک دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ بریلوی عوام ہمدردی اور خیر خواہی کے مستحق ہیں ان کے علماء ان پر ظلم کرتے ہیں جو انہیں حق کی بات نہیں بتلاتے اور محض اپنے اختلافات کو قائم رکھنے کی خاطر وہ اپنے عوام کو صریح کفر و شرک کی تعلیم دیتے ہیں ان حالات میں ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم ان کے ایمان کو بچانے کے لیے ان پانچوں مسائل کو پوری وضاحت سے بیان کریں جنہیں بریلوی علماء نے فریقین میں حدِ فاصل بنا رکھا ہے۔

وہ پانچ موڑ جہاں بریلوی علماء اپنے عوام کو ایمان سے تہی دامن کرتے ہیں۔

① پکار فوق الاسباب کو جائز کرنے کے لیے اسلام کے عقیدہ توحید میں شرک کی تاریک راہیں بچھانا قبروں سے فریاد رسی کرنا اور اپنی دنیوی مشکلات اور مصائب میں انبیاء و اولیاء کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا۔

② بشریت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر وا کر اپنے عوام کو نص قرآن کے انکار پر لانا اور حضرت بی بی آمنہ کو اللہ کے نور سے حاملہ ہوئی بتلانا حالانکہ وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ اور انہی سے حاملہ ہوئی تھیں۔

③ انبیاء کے لیے علم غیب کا عقیدہ کہ خدا نے انہیں یہ طاقت دے رکھی تھی کہ غیب کی جو بات چاہیں جب چاہیں کسی کے بتلائے بغیر خود جان لیں۔

④ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذات خود ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے موصوف چلے آ رہے ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات جیسے کن کہہ کر جہاں بنا دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ رکھے ہیں اور آپ کائنات کے نظام کو چلانے میں مختار کل ہیں۔ بیماری اور شفا اور زندگی اور موت سب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ عقائد بتلا کر بریلوی علماء اپنے عوام کو شرک کی اس وادی میں لے جاتے ہیں جہاں سے کوئی شخص ایمان کی سلامتی کے ساتھ واپس آتا نہیں دیکھا گیا جو ان عقائد کو تسلیم نہ کرے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب

بتایا جاتا ہے۔

ہم اس وقت ان پانچ مسئلوں میں ان کے علمار کی اصلاح کے درپے نہیں۔ ہم صرف ان کے عوام کو واپس عقائد اہل سنت پر لانا چاہتے ہیں ہم یقین رکھتے ہیں کہ شاہراہِ اہل سنت پر آئے بغیر آخرت میں کسی کی نجات نہ ہو سکے گی۔ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ ہماری یہ خیر خواہانہ صدا انہیں پھر سے اہل السنۃ والجماعۃ میں لانے کی ایک مخلصانہ دعوت ہے۔

یہ بے چارے اپنے علمار کی خدمت بھی بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں اپنے خون پسینے کی کمائی ان پر نچھاور کرتے ہیں مگر ان کی قساوتِ قلبی دیکھیئے کہ انہیں ایمان سے تہی دامن کرنے اور انہیں بدعات کے اندھیروں میں لے جانے کے سوا ان کے پاس اپنے عوام سے حسنِ سلوک کی کوئی راہ نہیں۔ جونہی کوئی شخص فوت ہوا یہ بغیر تقسیم ترکہ کے اس کے مال سے ختم قل وصول کرتے ہیں اور انہیں یتیموں کے مال سے اپنے ظروف بھر کر گھر لے جانے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی اور نہ انہیں ان یتیموں اور مصیبت زدگان پر کچھ رحم آتا ہے:۔

الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیرا۔ (پ النسار ۱۰)

ترجمہ۔ جو لوگ بغیر حق کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ اُتار رہے ہیں اور عنقریب وہ آگ میں جائیں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت کے عقیدہ سے نکلی ان بھولی بھالی بھیڑوں کو پھر سے اہل السنۃ والجماعۃ میں داخلہ نصیب فرمائے۔

بریلوی علمار کے پاس گو دین کا علم نہیں لیکن ان کی نئی نسلوں کا وہ طبقہ جو کچھ دنیوی

تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ بہت جلد ان کے چنگل سے نکلنے والا ہے۔ ہم اللہ رب العزت کی عاجز نوازیوں سے مایوس نہیں۔ ہمارے پاس اس سچائی کی قوی شہادتیں موجود ہیں کہ بریلویت کا گراف بڑی تیزی سے گر رہا ہے۔

پڑھے لکھے لوگ بریلوی کہلانے میں عار محسوس کرتے ہیں

بریلوی عوام میں اگر کسی گھر کے بچے تعلیم میں آگے نکل جاتے ہیں تو وہ بریلوی بننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے نہ وہ کبھی قبروں پر اپنی مشکلات حل کرانے کے لیے حاضری دیتے ہیں۔ وہ بریلوی کہلانے میں ایک عار سی محسوس کرتے ہیں۔ گو ان کے باپ دادا ان بریلوی لنگروں کے پروردہ ہی کیوں نہ ہوں ـــــ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خاں تو جاہلوں کے پیشوا تھے

علمی حلقوں میں اب تک مولانا احمد رضا خاں کا صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو بڑی حد تک بالکل نابلد ہے چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا ایک پڑھے لکھے صاحب نے کہا کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیرو تو زیادہ تر جاہل ہیں گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے۔[1]

خیر آبادی سلسلہ کے مشہور بزرگ عارف باللہ حضرت علامہ معین الدین اجمیری کی رائے بھی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں کچھ اسی قسم کی رہی ہے۔

اب اگر پڑھے لکھے لوگ بریلوی کہلانے میں عار محسوس کرتے ہیں تو ان کے گھروں کے بڑوں کو انہیں زبردستی بریلویت پر نہ لانا چاہیئے۔ اب جوں جوں دنیوی تعلیم زیادہ ہو رہی ہے جہالت خود اپنی موت مر رہی ہے۔

ہم یہاں علماء دیوبند کے بارے میں مرشد عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی رائے گذارش کریں گے اس سے آپ کو مولانا احمد رضا خاں کے علم و دیانت کی آخری سطح نظر آجائے گی۔ اس کے ساتھ ہم اس پر بھی تبصرہ کریں گے کہ بریلویت

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص۵ مرکزی مجلس رضا

اکابر علماء دیوبند کی نظر میں کیا ہے. اس سے واضح ہو جائے گا کہ حضرات علماء دیوبند بریلویت کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں. وہ اپنی پوری علمی بصیرت سے بریلویوں کو راہِ حق سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اور ان کی تحقیقات میں اس بات کا کوئی موقعہ نہیں کہ وہ انہیں عشقِ رسول کے نشہ میں راہِ حق سے نکلا سمجھتے ہوں کُفر کُفر ہے وہ عداوت کی راہ سے آئے یا محبت کی راہ سے اس کے لیے کوئی بخشش نہیں ـــ یہ صرف ایک شرارت ہے جس نے اہل السنۃ والجماعۃ کو مستقل طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے تاکہ باطل قوتوں کے مقابلہ میں اہل سنت کبھی ایک پلیٹ فارم پہ جمع نہ ہو سکیں.

اختلاف کا حل اسکی کثرت سے پڑتال میں ہے اُسے دبا کر رکھنے میں نہیں

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ان اختلافات کو جتنا اُچھالیں یہ اختلافات اور بڑھیں گے. ہماری رائے اس کے برعکس ہے جب یہاں اختلافات زیادہ ہیں ہی نہیں الزامات ہی الزامات ہیں تو بات جُوں جوں کھُلے گی اختلافات کے بادل چھٹتے جائیں گے اور جوں جوں دبے گی اختلافات بڑھتے جائیں گے. ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اگر وحدتِ امت کے لیے ان مسائل اور الزامات کی تحقیقات میں اُترے اور پھر جو ان کا حاصل مطالعہ ہو اُسے کثرت سے پھیلایا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ بریلویت ایک سال کے اندر اندر اپنی آخری نیند سو جائے گی اور اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کی سب سے بڑی قوت ہوں گے.

اہلِ حق نے پہلے بھی بریلویوں کو پھر سے اہل سنت میں آنے کی دعوتیں دی ہیں اور ہماری یہ صدا بھی انہی نیک کوششوں کا ایک حصہ ہے. ہم اللہ رب العزت کی عاجز نوازیوں سے مایوس نہیں اہل السنۃ والجماعۃ ایک دن ضرور ایک ہو کر

رہیں گے ؎

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمتِ رات کی سیماب پا ہو جائے گی

ان شاء اللہ العزیز ہم اس جلد میں اسلام کے ان عقائد خمسہ پر تفصیل سے بحث کریں گے۔ اس میں ہمارے پیشِ نظر بریلویوں کے علماء نہیں ان کے عوام ہوں گے۔ اس میں بھی تفہیم پیشِ نظر ہے تردید نہیں۔ یہ ناچیز کوشش مطالعہ بریلویت ہے ردِ بریلویت نہیں۔

بریلوی علماء ہمارے حق میں لکھ کر دے چکے

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور — ہم یہ تو نہیں کہتے کہ بریلوی علماء بھی اس طرح دوہری چال چلتے ہیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کے بڑے بڑے لوگوں نے اِن عقائدِ خمسہ میں بہت کچھ ہمارے حق میں لکھ دیا ہے۔ نامناسب نہ ہو گا کہ ہم ان کی یہ تصویر آپ کے سامنے پیش کر دیں جسے وہ اپنے عوام سے چھپاتے ہیں اور جب وہ علماءِ حق کے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصولی عقائد میں تو ہم بھی وہی کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔ ہمارا اور آپ کا جھگڑا تو چند عبارات کے سوا کہیں نہیں۔

① پکار فوق الاسباب

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں بندوں کو ان کی مرادیں دینے والا صرف اللہ ہے لہذا اسی پہ بھروسہ کرو اور اسی کو پکارو — اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تُو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا   تجھی پر بھروسہ تجھی سے دُعا[1]

---

[1] حدائق بخشش حصہ اوّل ص۳۲

دُعا بلانے اور آواز دینے اور پکارنے کو ہی کہتے ہیں اگر اسی پر بھروسہ اور اسی کی پکار ہے تو پھر یہ قبروں سے مرادیں مانگنا کس لیے۔

خدا کسی کو وسیلہ نہیں بناتا وہ ہر وقت ہر ایک کی سنتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ کسی کو وسیلہ ٹھہرائے وہ اس حاجت سے پاک ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

> اللہ اکبر حاکم حقیقی عزّ جلالہ پاک ہے اس سے کہ کسی سے توسل کرے وہی اکیلا حاکم ہے — اکیلا خالق — اکیلا مدبّر ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ [۱]

مگر اپنے عوام کو یہ بتلاتے ہیں — کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبد القادر (حدائق)

> اللہ عزّ وجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا — ایک حرف نہیں سُن سکتا — پلک نہیں ہلا سکتا اور بے شک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے۔ [۲]

② بشریت النّبی

۱۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ نے ہدایت دینے کے لیے وحی بھیجی ہو۔ [۳]

۲۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد — نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ [۴]

۳۔ اجماع اہل سنّت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے سوا کوئی نبی نہیں۔ [۵]

۴۔ بہت بُرے ہیں وہ لوگ جو نبی کی بشریت کے منکر ہیں۔ خارج از اسلام ہیں۔ وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ [۶]

جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گو بریلوی نہ تھے تاہم عام بریلوی علماء ان کی کھُلی مخالفت

---

[۱] احکام شریعت حصہ ۳ صد ۳۵ [۲] ایضاً حصہ ۱ صد ۲ [۳] بہار شریعت جلد ۱ صد ۸ [۴] ایضاً ص ۵ [۵] دوام العیش صد ۲۷ [۶] ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر صد ۱۴۳

کی جرأت نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں :-

میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن کمال ہے۔[1]

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔[2]

۳ الحضور والنظور

مولانا عبدالسمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ پر بائیس علماء کے ساتھ مولانا احمد رضا خاں کی بھی تقریظ ہے اس میں لکھا ہے :-

کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تا تحت الثریٰ ہر مکان ہر زمان ہر آن میں اللہ کی طرح حاضر و ناظر ہو۔[3]

مرنے کے بعد مسلمان جہاں دفن کیے جاتے ہیں کیا حضورؐ ان کی قبروں میں بھی موجود ہوتے ہیں؟ اس پر مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی۔[4]

جب چاند سورج ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے ..... تو اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوے کرتے۔[5]

مفتی احمد یار گجراتی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں حضورؐ کے موزہ میں سانپ آگیا ایک عقاب اترا اور موزہ لے اڑا تاکہ اس سے سانپ گر پڑے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں حضورؐ

---

[1] فتاویٰ مہریہ ص۳ [2] ایضاً [3] انوار ساطعہ ص۲۳۴ [4] ملفوظات حصہ ۴ ص۸۸ [5] انوار ساطعہ ص۱۹۴

نے اس عقاب کو بلایا اور پوچھا ہماری بے اجازت ہمارا موزہ کیوں اٹھایا۔ اس نے کہا:۔

حضورؐ میں نے موزہ میں سانپ دیکھا چاہا کہ اس پر حضورؐ کو مطلع کر دوں تاکہ آپ بے توجہی میں اسے پہن نہ لیں اور سانپ سے ایذا نہ پائیں اس اطلاع کے لیے میں نے یہ تدبیر کی [1]

اس سے پتہ چلا کہ مفتی صاحب کے عقیدے میں آپ اپنے موزہ تک حاظر و ناظر نہ تھے ورنہ سانپ کیسے اس میں آجاتا اور پھر عقاب آپ کو مطلع کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا کیا اسے علم نہ تھا کہ حضورؐ ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہیں۔

جناب ارشد قادری صاحب لکھتے ہیں:۔

ہم اس بات کے مدعی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ [2]

مولانا دیدار علی شاہ الوری لکھتے ہیں:۔

لفظ حاضر ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظور باری تعالیٰ ہر وقت و لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے اہل اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل و اجہل کا بھی نہ ہوگا [3]

(۴) علم غیب

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع ـــ اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی منسوب کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے ہاں اس کا حساب [4]

---

[1] مواعظ نعیمیہ جلد ۲ صـ ۹۴ [2] زلزلہ صـ ۹۲ [3] رسول الکلام صـ ۱۰۵ [4] خالص الاعتقاد صـ ۲۳ طبع دہلی

۲۔ علم غیب کلی اور بالذات علی سبیل الاستمرار خاصہ خدائی ہے عز اسمہ ــــ اور علم غیب علی قدر الاعلام والعطاء آنحضرتؐ کو عطا ہوا ہے۔[1]

۳۔ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو کروڑوں سمندروں سے ہے۔[2]

۴۔ مفتی احمد یار گجراتی صاحب فرماتے ہیں:۔

ہم بھی بعض ہی مانتے ہیں کل ما کان و ما یکون کا علم بھی بعض علم غیب سے ہے۔[3]

⑤ مسئلہ مختارِ کُل

مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں:۔

خدا جو کچھ چاہے کرے کوئی اس سے سوال کرنے والا نہیں کہ تُو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ فاعل مختار ہے یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید اور بندے جو کچھ کریں ان سے سوال ہوگا۔[4]

وہ (اللہ تعالیٰ) ہر وقت اپنی قدرت کے آثار ظاہر فرماتا ہے کسی کو روزی دیتا ہے کسی کو مارتا ہے کسی کو جلاتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت کسی کو غنی کرتا ہے کسی کو محتاج۔ کسی کے گناہ بخشتا ہے کسی کی تکلیف رفع کرتا ہے۔[5]

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے، کہ

---

[1] مکتوبات طیبات صـ۱۸۵ فتاویٰ مہریہ صـ۶ [2] ملفوظات احمد رضا خاں حصہ اول صـ۴۵
[3] مواعظ نعیمیہ جلد ۲ صـ۲۷ [4] ملفوظات حصہ چہارم صـ۹۳ [5] حاشیہ کنز الایمان نعیم الدین مراد آبادی پ۲۷ الرحمٰن

جب نبی کو کلی اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو گا

بریلوی علماء کا اپنے عوام کے سامنے دوسرا رُخ

بریلوی علماء جب اپنے عوام کے سامنے آتے ہیں تو ان مسائل کو اس طرح پیش نہیں کرتے جس طرح لکھتے ہیں۔ اگر یہ اپنے عوام کو بھی اسی طرح سمجھاتے جیسا کہ یہ لکھ کر ہمیں دے چکے ہیں تو بریلوی عوام اپنے اور اہلسنت میں ہرگز کوئی فرق محسوس نہ کرتے اور سب اہل السنۃ والجماعۃ عملاً ایک بنیان مرصوص ہوتے۔ ہم نے دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی بہت کوشش کی ہے اور جہاں تک ہو سکا ہم نے ان کی صفائی پیش کرنے میں بھی کوئی کمی نہیں کی ۔

سر دار بھی پکارا لب بام بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

ہمیں افسوس ہے کہ بریلوی علماء نے ہماری اس محنت کی قدر نہیں کی اور وہ اپنے عوام کو اپنے مذکورہ بالا الفاظ میں اسلامی عقائد دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اگر وہ ان سے ذرا بھی ہمدردی کرتے تو انہیں دلدلات متشابہات میں لگا کر محروم الایمان نہ کرتے۔

ہم اس پر اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس تنگ و تاریک راہ کو کامیابی سے عبور کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

مولف عفا اللہ عنہ

بریلویت علمائے دیوبند کی نظر میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد :۔

بریلویت کا عام تعارف چند عقائد اور چند اعمال سے ہے جو اس ریلے میں آگیا وہ بریلوی سمجھا جاتا ہے۔ گو اس نے بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں کا نام بھی نہ سُنا ہو — بریلی سے اس راہ میں آنے والا بریلوی ہے اور ریلے کے طور پر اس بھیڑ میں شامل ہونے والا ریلوی — بریلوی ہوں یا ریلوی عام لوگوں میں اُن کا تعارف ان پانچ عقائد سے ہوتا ہے۔ اسی طرح چند اعمال ہیں جن سے یہ قوم عام لوگوں میں متعارف ہوتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب کے پانچ ارکان یہ ہیں :۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے خدائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو تفویض (عطا) کر رکھے ہیں۔ اب دُنیا کا یہ سارا نظام حضرت پیرانِ پیر ہی چلا رہے ہیں۔ بس اب اپنی ضروریات میں انہی کو پکارو اور حاجات میں انہی سے مدد مانگو۔

(۲) آنحضرتؐ حقیقت میں انسان نہ تھے صرف ظاہری شکل میں بشر تھے اندر سے نُور تھے اور خدا کے نُور میں سے نُور تھے نورٌ من نُور اللہ۔ قرآن شریف میں جو آپ کو بشر کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں۔

(۳) آنحضرت ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں کسی ایک جگہ پر نہیں۔ ہر آن ہر جگہ بالفعل موجود ہیں اور آپ ہر چیز کو خود دیکھ رہے ہیں کوئی چیز آپ سے مخفی نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو علم غیب کی چابی عطا کر رکھی ہے کہ غیب کی کوئی بات جب چاہیں بلا کسی کے بتلائے جان لیں۔ اسے یہ عطائی علم غیب کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ایک جزئیہ میں وہ موقع پر اعلامِ الٰہی کے محتاج ہوں۔

(۵) آنحضرتؐ مختارِ کُل ہیں، کائنات میں جب چاہیں اور جو چاہیں آپ کر سکتے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے پُورے اختیارات دے رکھے ہیں جس طرح چاہیں کائنات میں تصرف فرمائیں۔

عقائد میں بریلوی ان عقائدِ خمسہ سے پہچانے جاتے ہیں اور اعمال میں بدعاتِ عشرہ سے ان کا تعارف ہوتا ہے:۔

(۱) ان کی اذانوں میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۲) اذان سنتے یہ اپنے انگوٹھے چومتے ہیں آنحضرتؐ کا نام لیتے وقت۔

(۳) نمازِ جماعت کے لیے تکبیر کے جملہ قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۴) فرض نمازوں کے بعد یہ مل کر بآوازِ بلند کلمہ پڑھتے ہیں۔

(۵) آنحضرتؐ کے تصور میں کھڑے ہو کر تعظیمی قیام کرتے ہیں۔

(۶) ان کے ہاں مسجد میں گیارہویں کا ختم ہوتا ہے۔

(۷) ہر سال میلاد النبیؐ کا جلوس نکالتے ہیں۔

(۸) مزاراتِ اولیاء کرام پر سالانہ عرس کرتے ہیں اور بڑے بڑے چڑھاوے ساتھ لاتے ہیں۔

(۹) کھانا سامنے رکھ کر ختم کے لیے قرآن پڑھتے ہیں اور ڈکار لیتے ہیں۔

(۱۰) نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا مانگتے ہیں۔

بریلویت کا یہ عام تعارف ہے جس سے یہ عوام میں پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی بدعات کو ایک طرف رکھیئے جو اہم سوال یہاں اُبھرتا ہے وہ یہ کہ عقائد کے پہلو سے ان کا حکم کیا ہے؛۔ اس وقت یہ سوال سامنے ہے کہ بریلویت علماء دیوبند کی نظر میں کیا ہے؟

بریلویت تاریخی نقطۂ نظر سے

تاریخی طور پر بریلویت سے وہ دین و مذہب مراد ہے جو مولانا احمد رضا خاں نے چودہویں صدی ہجری میں اپنے پیروؤں کے لیے ترتیب دیا اور اپنے مبتوں کو اس پہ چلنے کی تعیین فرمائی

مولانا احمد رضا خاں سے پہلے بریلویت بطور ایک مذہبی فرقے کے کہیں نہ تھی۔ البتہ ان کے عقائد خمسہ بدعی حلقوں میں کہیں کہیں پائے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند مولانا احمد رضا خاں سے پہلے کی ایک علمی درسگاہ تھی جس کا اس وقت بریلویت سے نہ کسی طرح کا تقابل تھا نہ اس جہت سے دیوبندیت کوئی نیا فرقہ تھا۔ اساتذہ دیوبند اپنے کو کسی نئے مذہب یا فرقے کا بانی نہ کہتے تھے۔ عقائد اہلسنت کی یہ قدیمی درسگاہ اسی دین و مذہب کی داعی رہی جو چودہ سو سال سے اس اُمّت میں متوارث چلا آرہا ہے۔ علماء فتوے یہاں فقہ حنفی کے مطابق دیتے تھے۔ اور اب تک ایسا ہی چلا آرہا ہے

بریلویت علماء دیوبند کی نظر میں کیا ہے؟ اسے پہلے صرف عقائد خمسہ کی روشنی میں لیں جب تک بریلویت ایک فرقہ نہیں بنا تھا اس وقت تک علماء دیوبند کا ان عقائد خمسہ کے بارے میں کیا فتویٰ تھا؟ کیا یہ عقائد دائرہ اسلام میں سمجھے جاتے رہے یا ان میں اور اسلامی عقائد میں کفر و اسلام کا فاصلہ تصور کیا جاتا تھا۔ پھر جب بریلویت ایک گروہ کی شکل میں منظم ہوئی تو اس وقت ان کے ہاں مولانا احمد رضا خاں کس عقیدہ اور کس قماش اور کردار کے شخص سمجھے گئے ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

علماء دیوبند عام لوگوں میں علماء حق کے نام سے معروف ہیں۔ عام اطلاق میں جب علماء حق کا لفظ وارد ہو تو اس سے علماء دیوبند ہی مراد لیے جاتے ہیں اور لوگ علماء حق انہی کو کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ حق کی صدا ہمیشہ انہی کی پاک زبانوں سے اُٹھی ہے۔

آیئے یہاں ہم اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ بریلویت علماء دیوبند کی نظر میں کیا ہے؟

علماء حق نے اس باب میں ہمیشہ حق سے کام لیا ہے کبھی مداہنت نہیں کی۔ کُفر کو ہمیشہ کفر بتلایا اور اسلام کو اسلام کہا ـــــ اسلام اسی کو کہا جو کتاب و سنت کی راہ ہو اور ان کی صحیح مراد ہو اور وہ اسلاف کی شاہراہ ہو جس پر امت کا قافلہ چودہ سو سال سے چلا آرہا ہو۔ اس امت میں ایک تسلسل ہے اور یہ امت کی چودہ سو سالہ تاریخ ہے علماء دیوبند نے کبھی غیر اسلام کو

اسلام میں جگہ نہیں دی۔ نہ انہوں نے دین کے دائرہ میں کبھی کسی بدعت کو داخل ہونے دیا ہے۔ فشکر اللہ مساعیھم وانجز دواعیھم۔ برصغیر میں اسلام کا یہ جامع مانع حلقہ ہمیشہ ہی رہا ہے۔

آیئے پہلے بانی دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان عقائد کے بارے میں جو بریلوی عقائد سمجھے جاتے ہیں فیصلہ لیں مولانا احمد رضا خاں کا دوران سے بعد کا ہے۔ اس لیے ہم ان سے بریلویت کے نام پر کچھ سوال نہیں کر سکتے۔ صرف ان عقائد کے بارے میں ہی معلوم کر سکتے ہیں جن سے بریلویت آج لوگوں میں متعارف ہوتی ہے۔

عقیدہ حاضر و ناظر کہ آنحضرتؐ ہر وقت ہر جگہ حاضر بالوجود ہیں اور ہر ایک چیز اور عمل کو خود دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ اسلام کیا ہو گا کفر ہو گا۔[1]

ان کے ہاں جب یہ عقیدہ کفر ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جس کا یہ عقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہو گی۔ سو علی الاطلاق یہ کہنا کہ دیوبندیوں کی نماز بریلویوں کے پیچھے ہو جاتی ہے غلط ٹھہرتا ہے اس میں خاصی تحقیق کی ضرورت ہے۔ عام بات یہی رہے کہ نہیں ہوتی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

فخر عالم علیہ السلام کو مجلس مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اور اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں ہے ورنہ شرک ہے۔[2]

یہ حاضر بالعلم ہونے کی صورت میں ہے کہ باعلام الٰہی مانے۔ گو یہ ثابت نہیں مگر یہ شرک نہ ہو گا۔ حاضر بالوجود ماننا تقاضا کرتا ہے کہ آپ خود ہر چیز کو دیکھ رہے ہوں — یہاں اعلام الٰہی کی کوئی صورت نہیں۔ سو اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔ یہ کھلا کفر اور صریح شرک ہے۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

---

[1] فیوض قاسمیہ صفحہ ۴۸ [2] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۲

صاف ظاہر ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز علم غیب نہیں مگر جس قدر اطلاع دی جائے تو خلاف اس کے یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب غیب کو جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہووے گا۔[1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

معاذ اللہ۔ حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے عقیدہ فاسدہ سے نجات دیوے آمین۔ پس ایسا عقیدہ والا مشرک ہوا۔[2]

پھر یہ بھی لکھا ہے:۔

جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی جائز نہ ہو گا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دُور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں (بلکہ سمجھتا ہے کہ فرشتے پہنچاتے ہیں) تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے۔[3]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

یہ عقیدہ کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔[4]

اب ظاہر ہے کہ شرک جلی کے مرتکب اور انبیاء کے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز نہیں ہو سکتی۔ سو علی الاطلاق یہ کہنا کہ دیوبندیوں کی نماز بریلوی مولویوں کے پیچھے ہو جاتی ہے کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیوبند کے شیخین کریمین نے مذکورہ بالا بریلوی عقیدوں کو واضح طور پر کفر قرار دیا ہے یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بریلوی مذہب نہ بنا تھا نہ منضبط تھا۔ اس لیے یہ حضرات اس پر بطور فرقہ حکم کفر نہ دے سکے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بریلوی جو یہ عقیدے رکھتے ہیں۔ وہ کفر کی زد میں نہیں آتے اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (استغفر اللہ)

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ [illegible] [2] ایضاً ص ۲۲ [3] ایضاً ص ۲۲ [4] ایضاً ص ۹۲

حضرت گنگوہیؒ ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں :-

جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم جانے دگو ذاتی اور عطائی کا فرق کرتا ہو) وہ بے شک کافر ہے. اس کی امامت اور اس سے میل جول محبت و مودت سب حرام ہیں۔[1]

بریلویت حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کی عبارات میں تحریف کی اور ان پہ کفر کے فتوے دیئے حقیقت کھلی تو بات اور نکلی. حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے شیخ طریقت بھی ہیں انہوں نے مولانا احمد رضا خاں کی پوری جماعت کو شیطان کا لشکر قرار دیا ہے. آپ لکھتے ہیں :-

چونکہ ہمارے مشائخ احیائے سنت میں سعی کرنے والے اور بدعت کی آگ بجھانے میں مستعد رہتے تھے اس لیے شیطانی لشکر کو ان پر غصہ آیا اور ان کے کلام میں تحریف کر ڈالی اور ان پر بہتان باندھے طرح طرح کے پس مبتدعین جو اختراع بدعات میں منہمک اور شہوات کی جانب مائل ہیں انہوں نے خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے.[2]

اب آپ غور کریں کہ جو لوگ علماء دیوبند کے حلقوں میں کبھی یہ بات کہتے سنے جاتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے عشق رسالت کے جوش میں علماء دیوبند کے خلاف فتوے دیئے تھے بدنیتی سے نہیں کس قدر خلاف واقعہ ہے. اکابر علماء دیوبند تو انہیں شیطان کے لشکر کہیں اور یہ نادان

---

[1] فتاوی رشیدیہ صـ ۷۲ [2] المہند مترجم صـ ۲۱۶

انہیں عشق رسالت میں سرمست سمجھیں۔ ویبغونہا عوجا۔ بعید

حضرت مولانا خلیل احمدؒ کو کسی نے بات پہنچائی کہ مولانا دستگیر آپ کو کافر کہتے ہیں آپ نے فرمایا وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس نے کہا آپ انہیں کیا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہم انہیں مسلمان کہتے ہیں۔ سو جس نے بھی بریلویوں کو کبھی مسلمان کہا وہ اسی قبیل سے ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ آپ نے فرمایا:-

غلام دستگیر ار کافرم خواند — چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمان گفتمش اندر مکافات — دروغے را جزا باشد دروغے [۱]

حضرت محدث سہارنپوریؒ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ان کے بارے میں معلوم کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں:-

مبتدعین ... جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کو تحت قدرت باری تعالیٰ ممتنع بالغیر لکھنے والوں سے دست و گریباں ہوتے تھے اور اظہار قدرت قادر مطلق کو اعتقاد امکان کذب کے نام سے شہرت دے کر جاہلوں کو علماء دین سے بدظن کرتے پھرتے ہیں۔ حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی) علیہ الرحمۃ کی شان میں یہ عقیدہ اختراع کرتے ہیں کہ عیاذاً باللہ خدا نے ان کو مثل اپنے بلکہ اپنے سے بھی بڑھ کر بنا دیا جو یقیناً کفر صریح ہے۔ یہ سزا ان لوگوں کو ان بدزبانیوں کی وجہ سے ملی ہے جو انہوں نے بلا وجہ حضرت علماء دین کی جناب میں کر کے تمغائے سواد الوجہ فی الدارین (دونوں جہانوں میں روسیاہی کا تمغہ) حاصل کیا تھا [۲]

سواد الوجہ فی الدارین کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ علماء حق پر افتراء باندھنے والوں کا منہ دونوں دونوں جہانوں میں کالا ہے۔ دنیا میں اس لیے کہ حقیقت کھلنے پر ان کی باتیں غلط نکلیں اور آخرت میں اس لیے کہ انہیں اپنے اس گناہ سے توبہ نصیب نہ ہوئی۔

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۳ [۲] فتاویٰ امدادیہ جلد ۶ ص ۲۶

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :۔

علم عقائد و کلام کی رُو سے تو یہ امر قطعاً محقق ہو چکا ہے کہ ذات و صفات باری تعالیٰ اس قادر مطلق کے احاطۂ قدرت سے باہر ہیں اور اسی لیے خدا تعالیٰ کو اپنے مثل کی ایجاد پر قادر نہیں مانا جاتا۔ لہذا یہ دلیل ؎

بنا لیتا ہے سلطان آپ سا جس پر عنایت ہو
خدا سے کم نہیں عز و جلال اس دین کے سلطان کا

لغو قرار دیئے جانے کے بعد یہ مضمون رہ جاتا ہے کہ العیاذاً باللہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ خدا تعالیٰ کے ہمسر اور مثل ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے اور اس صورت میں اس شعر کا بنانے والا مشرک اور خارج از اسلام سمجھے جانے کے قابل ہے۔

دوسرے شعر میں لفظ مالک خدا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس صورت میں شعر کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہوا کہ حضرت الشیخ محبوب الٰہی ہیں اور محبوب و محب میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لہذا حضرت شیخ بھی العیاذ باللہ خدا ہوئے اور میں تو خواہ کچھ ہی ہو خدا ہی کہوں گا ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
کیونکہ محبوب و محب میں نہیں تیرا میرا

آپ اس اصرار علی الشرک کی وجہ سے بھی اس فتوے کے مستوجب ہیں جو شعر اول کے متعلق دیا جا چکا ہے اور کسی تاویل سے یہ حکم بدل نہیں سکتا۔[1]

وہ فتوی کیا ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے پہلے شعر پر دیا تھا وہ یہ کہ اس شعر کا کہنے والا مشرک اور خارج از اسلام ہے۔ آپ نے اب وہی فتویٰ اس دوسرے شعر کے قائل پر دیا ہے ـــ یہ دوسرا شعر کس کا ہے؟ مولانا احمد رضا خاں کا۔[2]

---

[1] فتاویٰ امدادیہ جلد ۴ صفحہ [illegible] [2] حدائق بخشش ص

اس پس منظر میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت تھانویؒ احمد رضا خاں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا تھے یا سمجھتے تھے کہ شاید احمد رضا خان عشق رسالت میں غلو کے باعث علمائے حق پر کفر کے فتوے لگا رہا ہو — واقعات کی روشنی میں علماء دیوبند کے ہاں اس خوش فہمی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ بدعات سے اس قدر متنفر تھے کہ وہ بدعتی کو درپردہ مدعیِ نبوت قرار دیتے تھے — آپ فرماتے ہیں :۔

جو شخص احداث فی الدین کرتا ہے وہ درپردہ مدعی نبوت کا ہے کہ مجھے بھی شریعت میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے۔ . . . . لوگ اس راز کو تو سمجھتے نہیں خواہ مخواہ علماء سے جھگڑتے ہیں کہ فاتحہ اور مولود خوانی میں کیا خرابی ہے؟[1]

اب آپ غور کریں کہ کیا مولانا تھانویؒ کے ہاں بریلویوں کے لیے کوئی نرم گوشہ تھا؟ مولانا احمد رضا خاں نے الامن والعلیٰ میں دعاء سیفی کی بہت تعریف کی۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا :۔

یہ حضرات پنجتن کے نام مبارک ہیں اگر کچھ تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے۔ . . . اور تاویل کی جائے تو . . . . . دعا کا ادب یہ ہے کہ نثر میں ہو۔[2]

مولانا احمد رضا خاں شیعت کی حمایت میں نادِ علیاً کے بہت قائل تھے اور مدد کے لیے حضرت علیؓ کو پکارتے تھے۔ یہ ان کے ہاں ایمان کی جان تھی۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا :۔

نادِ علیاً کا مضمون شرک ہے اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔[3]

بریلویت کی تاریخ کا ایک منظر

حضرت تھانویؒ کے بارے میں یہ سمجھنا کہ آپ بریلویت کی تاریخ سے واقف نہ تھے یا

---

[1] وعظ اجر النبیل صفحہ ۲۸   [2] فتاویٰ امدادیہ   [3] وعظ الصبر صفحہ ۹

احمد رضا خاں کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے ہرگز صحیح نہیں. آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ علماء حق کے خلاف یہ سیلاب پہلے بدایوں سے اور پھر بریلی سے اٹھا ہے مولانا فضل رسول بدایونی (۱۲۷۲ھ) پہلے عالم ہیں جو محدثین دہلی کے خلاف اٹھے اور حضرت شاہ محمد اسحق کی کتاب مائۃ مسائل کا جواب تصحیح المسائل لکھا پھر مولانا احمد رضا خاں (۱۳۴۰ھ) نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف الکوکبۃ الشہابیہ لکھی حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

> حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے فرقہ امامیہ کے خلاف ایک کتاب تحفہ اثنا عشریہ تالیف فرمائی تھی، جس سے اس فرقہ میں سخت ہلچل مچ گئی چونکہ اس زمانہ میں ملک اودھ میں اسی فرقہ امامیہ کی حکومت تھی اور علاقہ روہیلکھنڈ جس میں (بدایوں اور بریلی) واقع ہیں اودھ کی سلطنت میں شامل تھا لہذا باشندگان (بدایوں اور بریلی) لکھنؤ جاکر معاش پیدا کرنے کے لیے مجبور تھے .... تحفہ اثنا عشریہ کا جواب لکھانے کے لیے سلطنت اودھ کو قابل اشخاص کی ضرورت ہوئی تو انہیں ایک شخص (فضل رسول) نام کا باشندہ (بدایوں) ہاتھ آگیا جو اس وقت لکھنؤ میں ملازم تھا. اس شخص نے فرقہ امامیہ کے مجتہدین کو تحفہ اثنا عشریہ کا جواب لکھنے میں مدد دی اور حضرت مولانا موصوف (شاہ عبدالعزیز) اور ان کے خاندان کے مشہور علماء (شاہ محمد اسحقؒ اور شاہ اسماعیلؒ شہیدؒ) کے بیان کردہ مسائل پر بھی جھوٹے اعتراضات شائع کیئے اور جاہلوں کو اپنا جانبدار بنا کر اپنا ایک جداگانہ فرقہ بنالیا[1]

گو اس فرقے کو ایک باقاعدہ دین و مذہب کی شکل مولانا احمد رضا خاں نے[ع] دی لیکن اس سے

---

[1] فتاوی امدادیہ جلد ۶ ص۶۷ ع مولانا احمد رضا خاں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میرے دین و مذہب پر چلو. یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا فضل رسول کی تحریک کو ایک نئے باقاعدہ مذہب کی شکل مولانا احمد رضا خاں نے دی تھی.

اتنی بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ حضرت تھانویؒ بریلویت کی تاریخ سے ناواقف نہ تھے ہم یہ نہیں کہتے کہ پھر سب اہلِ بدعت اس نئے دین ومذہب میں آگئے تھے. تاہم یہ صحیح ہے کہ اسلامی عقائد میں تحریف اور بدعات پر اصرار انہی لوگوں کا نصیب بنا جو اہل حق کے خلاف کھڑے کیئے گئے تھے. عقائد خمسہ کے داعی اب یہی لوگ ہیں.

اہل بدعت دو قسم کے ہیں

ایک اہل بدعت تو وہ ہیں جو مولانا احمد رضا خاں کی پیروی میں عقائد خمسہ کے داعی اور بدعات عشرہ پر ضد کیے ہوئے ہیں اور دوسرے وہ جو دیکھا دیکھی بھیڑ چال میں بدعتیوں کا ریلہ بن گئے ہیں حضرت تھانویؒ دونوں کو حق سے ہٹا ہوا اور بدعت میں جکڑا ہوا سمجھتے تھے. آپ نے فرمایا:-

بدعات بھی لوگوں کے نزدیک تین چار رہ گئی ہیں. فاتحہ. نیاز. عرس جس طرح گناہ بھی دو چار ہیں. زنا. چوری. شراب خوری باقی سب جائز ہیں. اہل بدعت کی دو قسم ہیں بریلوی اور ریلوی [1]

بدعتی دوزخ کے مستحق ہیں

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :-

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بیعت کے وقت طالب سے یہ بدعتی لوگ یہ شرط کرتے ہیں کہ بہشتی زیور مت دیکھنا. فرمایا کہ یہ شرط ان کی حالت کے بالکل مناسب ہے وہ تو دوزخی زیور کے مستحق ہیں ان کو بہشتی زیور سے کیا تعلق.

پھر فرمایا کہ یہ لوگ ایسے بے عقل ہیں کہ بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں. حالانکہ اس میں درمختار. شامی وغیرہ ہی کے مسائل ہیں جن کو وہ مانتے ہیں [2]

---

[1] الکلام الحسن جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ [2] الافاضات حصہ ۴ صفحہ ۶

غور کیجئے حضرت تھانویؒ جن لوگوں کو دوزخی طوق کا مستحق سمجھتے تھے کیا ان کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت ان کو عشقِ رسالت میں سرشار سمجھتے ہوں گے اور ان کے بارے میں دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتے ہوں گے؟ ہرگز نہیں حضرت کو پورا پتہ تھا کہ یہ لوگ بدنیتی کی راہ سے علماء دیوبند کے خلاف اُٹھے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے عشقِ رسول کے جوش میں علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ حیدرآباد میں ان لوگوں نے آپ سے جو سلوک کیا آپ اسے خود ان کے اپنے الفاظ میں دیکھیں:۔

نظامِ حیدرآباد کی مصالحت کرانے کی کوشش

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ آپ سے نقل کرتے ہیں:۔
فرمایا حیدرآباد میں تین وعظ ہوئے جن سے وہاں کے مشائخ میں ہل چل مچ گئی کہ اگر یہ چند روز اور رہا تو لوگ خراب ہو جائیں گے چنانچہ وہاں کے مشائخ اور ان کے متبعین نے یہ تدبیر کی کہ کسی طرح نظام کو اس طرف سے بدظن کیا جائے اور تو ان کو کچھ نہ ملا مگر یہ کیا کہ ایک فتویٰ تیار کیا جس میں حفظ الایمان کی عبارت نکال کر کفر کا فتویٰ لگایا گیا — الحمد للہ کہ ان لوگوں کو حفظ الایمان میں صرف ایک جگہ ایسی ملی جس پہ اعتراض کر سکیں اور وہ بھی عبارت کا ایک ٹکڑا جس کو وہ زبردستی غلط سلط اپنے مطلب کے لیے استعمال کرتے ہیں — پھر وہ نظام کے پاس پیش کیا گیا اور درخواست کی کہ ریاست میں اس کا داخلہ حکومت کی طرف سے بند ہونا چاہیئے۔ نظام نے جواب دیا کہ جب تک طرفین کی بات نہ سنوں کچھ حکم نہیں لگاتا۔ یہ فتویٰ اس کے پاس بھیجو (مولانا اشرف علی کے پاس) وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ پھر وہ مجھ کو دکھلاؤ۔ یہ خبر مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادہ کو ملی وہ حفظ الایمان اور بسط البنان دونوں نظام کے پاس

لے گئے اور دکھلا کر اصل حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا در اصل یہ مفسد لوگ ہیں اس کی وجہ سے فتویٰ تیار کرنے والوں کو خطرہ پیدا ہوا۔ ایک دوسرے سے عذر کرنے لگے کہ میں نے اصل عبارت نہ دیکھی تھی۔ [1]

اس عبارت سے پتہ چلا کہ بریلوی لوگ حضرت تھانویؒ کی نظر میں مفسد۔ زبردستی کرنے والے دوسرے کے کلام میں غلط سلط کے مرتکب اور دوسروں کی عبارات کو اپنے فاسد مطالب میں ڈھالنے کے قومی سطح پر مجرم ہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت تھانویؒ ان کے سرغنہ کو کہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے شاید عشق رسالت کے جوش میں ہمیں کافر کہا ہو۔

احمد رضا خاں تکفیر علمائے دیوبند پر زیر وبال ہیں

حضرت تھانویؒ نے فرمایا :-

اہل حق اور اہلِ دین کہ وہ حدود سے تجاوز کر کے دشمنی بھی نہیں کر سکتے۔ دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ اپنی آخرت خراب ہونے کا ہر وقت خیال رہتا ہے وہ کیسے حدود سے تجاوز کر کے کسی کو ایذا پہنچا سکتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ ان کے لیے انتقام لیتے ہیں۔ دیکھیئے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا شہید صاحبؒ کیسی ہستیاں ہیں۔ پھر افسوس ہے کہ ایسی مقدس ہستیوں کو کافر کہا جائے۔ العیاذ باللہ۔ پھر کیوں نہ ان لوگوں پر وبال آوے۔ مگر یہ لوگ ایسے بدفہم ہیں کہ وبال کو کمال سمجھتے ہیں۔ [2]

احمد رضا خاں جہنم کے داروغہ ہیں

اس دور میں اور کون خان تھے جس کی پیروی لوگوں میں جاری ہوئی ہو اور وہ اس

---

[1] الکلام الحسن جلد ۲ ص ۱۸۵ [2] الافاضات جلد ۴ ص ۵۹

کی نسبت سے ایک فرقہ بناتے ہوئے ہوں آپ نام معلوم کر چکے۔ اب حضرت تھانویؒ سے سنیئے:

ایک خان صاحب نے خواب دیکھا کہ دوزخ کی کنجی میرے ہاتھ میں رکھی گئی ہے ان کے متبعین اور معتقدین نے اس سے یہ مطلب نکالا کہ اعلیحضرت جس کو چاہیں گے اپنے فتوے سے دوزخ میں داخل کر دیں گے۔ میں نے سُن کر کہا یہ تعبیر محض غلط ہے کسی کو جہنم میں داخل کرنا کسی کے اختیار میں ہے؟ بلکہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ لوگوں کے عقائد تباہ کر کے فاتح ہوئے ہیں ابواب نار کے (یہ حضرت جہنم کے دروازے کھولنے والے ہیں)۔[1]

مولانا احمد رضا خاں کو خواب کیا آیا تھا آپ نے اس کی تعبیر دونوں سے سن لی ہے اب آپ خود ہی فیصلہ کریں حضرت مولانا تھانویؒ مولانا احمد رضا خاں کو کیا سمجھتے ہوں گے؟ — اس تصریح کے بعد کیا اس کا کوئی ادنیٰ تصور بھی ہو سکتا ہے کہ شاید حضرت تھانویؒ خان صاحب کو عشقِ رسالت میں کفر کے فتوے لگانے میں معذور سمجھتے ہوں — خدارا انصاف کیجئے — یا قوم الیس منکم رجل رشید۔

بریلوی عقائد مزخرفات کے سوا کچھ نہیں

حضرت تھانویؒ نے فرمایا:-

بریلوی خاں صاحب کے ایک شاگرد نے ایک کتاب تقریظ کے لیے بھیجی۔ میں نے لکھ دیا کہ مفصل دیکھنے کی فرصت نہیں ...... اس میں سوائے مزخرفات کے اور کیا ہو گا — اس کا ایک ادنیٰ سا جزء دیکھ کر بھی رائے لکھی جا سکتی تھی — اس وجہ سے نہیں بھیجی دوسرے ان کو ایسی فرمائش کرتے شرم نہ آئی ساری عمر تو گالیاں دیں اب تقریظ لکھوانے بیٹھے ہیں۔[2]

---

[1] الافاضات حصہ ۴ صد ۵۹ [2] ایضاً حصہ ۶ صد ۲۳

مولانا احمد رضا خاں کے رسائل میں حق کی کوئی بات دیکھی نہ گئی

مولوی محمد یحییٰ صاحب سے حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی احمد رضا خاں کے رسائل لا یا کرتے ہیں کہیں سے سنائو تو کوئی حق کی بات اگر اس میں ہوگی تو مان لیں گے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا حضرت ان میں تو گالیاں ہی گالیاں ہیں۔ فرمایا کہ دور کی گالیاں لگا نہیں کرتیں۔[۱]

بریلویوں کی ایاک نعبد اور ایاک نستعین میں تفریق

حکیم الامت حضرت تھانوی نے فرمایا :-

بریلی میں بدعتیوں کا جلسہ ہوا۔ اس میں ایک صاحب نے ایاک نعبد وایاک نستعین کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے روز پیشی کے وقت خدا اور رسول مجتمع ہوں گے ہم خدا کی طرف منہ کر کے کہیں گے ایاک نعبد — اور حضورؐ کی طرف منہ کر کے کہیں گے ایاک نستعین — اس پر بڑی تحسین ہوئی کہ واہ واہ کیا نکتہ ہے۔[۲]

آپ دیکھیں بریلویوں کو حضرت تھانوی کن الفاظ میں ذکر کر رہے ہیں — اور ان کے عقائد کیا بتلا رہے ہیں — انہیں عاشقانِ رسول بتلا رہے ہیں یا بدعتی کہہ کر یاد کر رہے ہیں — اور کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ ان بریلویوں کو اپنے ساتھ شمار کر رہے ہیں یا انہیں مشرکین کی صف میں ذکر کر رہے ہیں۔ اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اکابر علماء دیوبند بریلویوں کو کیا سمجھتے تھے۔ یہ زعم گوشہ والی روایات یکسر خانہ ساز ہیں ہرگز حقیقت نہیں۔

حضرت تھانوی نے بریلویت کو یہاں شرک و بدعت میں گھرے ہوئے لوگوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اب یہ بات آپ خود سوچیں کہ اس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہو سکتی ہے یا

---

[۱] الافاضات جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ رمضان ۱۳۵۰ھ [۲] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۵۳

نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

حقیقی عزت صرف اللہ رب العزت کی ہے. فان العزۃ للہ جمیعًا. اس کے آگے جھکتے وقت کسی اور پر توجہ باندھنا کہ اب صرف اسی کا خیال رہے ہرگز جائز نہیں. بریلوی اپنے عقیدہ میں نماز میں حضورؐ پر توجہ باندھتے ہیں آپ پر صرف ہمت کرتے ہیں. مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے کہیں کہا تھا کہ اللہ رب العزت کے سوا کسی اور طرف توجہ باندھنا جائز نہیں اس پر بریلوی بہت کڑھتے ہیں. اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود یہ نماز میں حضورؐ کی طرف ضرور صرف ہمت (توجہ باندھا) کرتے ہوں گے. ورنہ اس مسئلہ فقہ پر وہ اس قدر چیں بہ چیں نہ ہوتے.

اب دیکھئے حضرت تھانویؒ ان پر کن الفاظ میں تنقید کرتے ہیں :-

عظمتِ الٰہی کے سامنے کسی کی عظمت باقی نہ رہے

بالذات اور بالعرض کا فرق ہے. بالذات کے درجہ میں سوائے حق تعالیٰ کے کسی کی بھی عظمت نہیں. انسان چاہے کتنا ہی بڑا عظیم ہو اس کی عظمت بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے جو کہ عظمتِ الٰہی کے سامنے سلب ہو جاتی ہے. یہی تو وہ بات ہے جس کو مولانا شہیدؒ نے بیان فرمایا تھا جس پر آج اعتراض ہو رہے ہیں انہوں نے بھی وہی کہا ہے جو فان العزۃ للہ جمیعا سے مفہوم ہو رہا ہے فرق اتنا ہے کہ حق تعالیٰ نے فان العزۃ للہ جمیعا عربی میں فرمایا ہے اور مولانا شہیدؒ نے اس مضمون کو اردو میں کہہ دیا ہے[1]

جس کے خلاف بدگمانی کی جائے اس کی اصل تحریر دیکھو

میرے متعلق بعض لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضورؐ پر ایمان لانے سے منع کرتا

---

[1] وعظ خیر الارشاد صفحہ ۳۱

ہے۔ یہ سن کر میں بڑا خوش ہوا کہ تہمت بھی لگائی تو ایسی جس کو کوئی قبول ہی نہیں کر سکتا کیونکہ میرے چند وعظ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ النور ۔ الظہور ۔ السرور ۔ الشذور۔ ان رسائل کو دیکھ کر کسی سمجھ دار اور فہیم شخص کو یہ شبہ ہی نہیں رہ سکتا کہ میں حضورؐ کی کوئی بے ادبی یا کسی قسم کی نعوذ باللہ تنقیص کر سکتا ہوں۔[۱]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

کسی کے کلام کی شرح کرنے کے لیے اس کی مراد سے واقفیت ضروری ہے۔[۲]

علماء دیوبند کی کہی باتیں کیا سلف میں نہیں ملتیں؟

اہل بدعت علماء دیوبند کی جن عبارات کو قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں سلف کی کتابوں میں وہ باتیں اسی طرح موجود ملتی ہیں۔ بریلویوں کو ان کے خلاف تو بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی علمائے دیوبند کو یونہی نشانہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

میں کہتا ہوں حفظ الایمان کی عبارت در بارۂ مسئلہ علم غیب پر جو اہل بدعت نے شور مچایا ہے اس کی بھی یہی اصل ہے۔ مضمون حفظ الایمان کا وہی ہے جو شرح مقاصد و شرح مواقف وغیرہ میں سلف نے بیان فرمایا ہے..... مگر سلف نے عربی میں کہا تھا اس لیے ان پر کچھ اعتراض نہ ہوا اور حفظ الایمان میں وہی مسئلہ اردو میں ظاہر کیا گیا تو شور و شغب ہونے لگا۔[۳]

اب آپ ہی غور فرمائیں۔ کیا حضرت تھانویؒ اس بات سے بے خبر ہوں گے کہ مولانا احمد رضا خاں ارادۃً اور نیتۃً علمائے دیوبند کی عبارات پہ اعتراض کر رہے ہیں اور ان کی اس تحریک کے پیچھے انگریز حکومت کا ہاتھ ہے یا وہ بریلویوں کو بدفہم سمجھ کر کسی درجے میں معذور سمجھتے تھے۔ یہ دوسری صورت ہرگز نہیں ہے۔

---

[۱] الافاضات حصہ اول صفحہ ۱۳۲ [۲] وعظ خیر الارشاد کا حاشیہ صفحہ ۳۶

حضرت مولانا تھانویؒ سے یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ بریلویوں کی جنگ صرف عقائد میں نہیں بریلوی علماء تہذیب و ثقافت میں قوم کو پھر سے ہندو بنا رہے ہیں مشرکین کا طرز زندگی انہیں پسند ہے اور وہ مسلمانوں کو پھر سے اس تہذیب میں پھینکنا چاہتے ہیں۔

کیا آپ نے مسلمانوں کو کبھی دیکھا کہ میت کو قبرستان لے جاتے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں بھی لے جا رہے ہوں۔ کیا بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے جنازہ کے ساتھ دودھ لے کر نہ گئے تھے؟ پھر اس دودھ کا کیا بنا۔ اس پہ اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اور بریلوی علماء یکسر خاموش ہیں۔

اس بات سے کون ناواقف ہوگا کہ مشرکین اپنے مُردوں کے جنازے میں ان کا مرغوب دلپسندیدہ کھانا لے کر جاتے تھے — چینی مُردے کے ہمراہ کھانوں کی ایک لمبی چوڑی قطار لگی ہوتی ہے — ہندوؤں کے ہاں بھی یہ طریقہ موجود ہے — مولانا احمد رضا خاں نے اپنے مرنے سے دو گھنٹے قبل جن کھانوں کی فہرست تیار کی تھی ان کے خلفاء اور مریدوں نے بڑی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کیا اور ان کے جنازے کے ہمراہ وہ کچھ چیزیں لے بھی گئے۔ البتہ دودھ کا نہ پتہ چل سکا تھا کہ وہ کدھر گیا۔

مولانا احمد رضا خان کے جنازہ کے ساتھ چرتھاول ضلع مظفر نگر کے کچھ لوگ بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو بڑے حیران ہوئے — کچھ عرصہ کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ یہاں وعظ کے لیے تشریف لائے تو ان لوگوں نے حضرت تھانویؒ سے درخواست کی کہ موت کے احکام و مسائل کے بارے میں وعظ فرمادیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے موت اور اس کے متعلق جتنی رسمیں موجود تھیں ان کی تردید فرمائی اور آخر میں بریلی کے جنازے پر ہونے والی اس نئی رسم کے بارے میں فرمایا کہ:۔

> ایک رسم یہ ہے کہ مُردے کے ساتھ اناج وغیرہ قبر پر لے جاتے ہیں اس میں اظہار نام و نمود کی نیت ہوتی ہے اگر کوئی اس نیت کا انکار کرے تو اس

سے پوچھا جائے کہ اگر صرف ایصالِ ثواب مقصود تھا تو قبر تک لے جانے کی کیا ضرورت تھی — ایسے طریقے اختیار کرنے چاہئیں تھے جس سے ثواب زیادہ ہوتا. صدقات میں سب جانتے ہیں کہ اخفا بہتر ہے. باوجود انکار کے منکرین کے دل اپنی نیتوں سے خوب واقف ہوں گے کہ یہ اناج مردے کے واسطے ہوتا ہے — یا برادری کے خوف اور ملامت سے بچنے کے لیے — اس طریقے کو چھوڑ دینا چاہیئے اور ہرگز کسی ملامت گو کی ملامت کا خوف نہ کرنا چاہیئے — اس کا انتظار نہ کرنا چاہیئے کہ پہلے کوئی دوسرا کرے..... برادری[ع] کے بُرا کہنے کا خوف ہے اللہ ورسول کی خفگی کا خیال نہیں. ہمت کرو ان رسوم کفار کو چھوڑ دو اس میں تمہارے دین و دُنیا کی سلامتی ہے[1]

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت تھانویؒ کی رائے میں مولانا احمد رضا خاں کسی عشقِ رسالت کے جذبہ سے علمائے دیوبند کے مقابل نہ کھڑے ہوتے تھے. بلکہ بریلویت کے پیچھے ہندوانہ رسوم کی نشأۃ جدیدہ کارفرما تھی علماء دیوبند بھی ان کے اس کردار سے ناواقف نہ تھے وہ انہیں اور ان کے پیروؤں کو ان رسوم کفار اور کھانے پینے کی شوقیہ محفلوں میں جانے سے سختی سے روکتے تھے. پس یہ بات کسی درجے میں باور کرنے کے لائق نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس تکفیری مہم کے پس پشت شاید ان کا جذبہ عشقِ رسالت کارفرما ہو

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر مشہور ہے کہ بریلوی تو علماء دیوبند کو اور تمام دیوبندیوں کو کافر کہتے ہیں لیکن

ع حضرت تھانویؒ نے جس برادری کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مراد ہندو برادری ہے. بریلی کے شہزادے اس سے خوب واقف ہوں گے اور اپنی اسی برادری کو راضی کرنے کے لیے وہ یہ ہندو بھیں مسلمانوں میں ...نے کے درپے ہوئے ۔

[1] اشرف المواعظ ص ۴۸

علمائے دیوبند انہیں کافر نہیں کہتے. اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ جب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے حسام الحرمین شائع کی اور علماء دیوبند کی عبارات کانٹ چھانٹ کر اُن پر کُفر کے فتوے لگاتے تو اس کے جواب میں علماء دیوبند نے احمد رضا خاں کو کافر نہ کہا — یہ اس لیے ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں نے جو عقائد علماء دیوبند کی طرف منسوب کیے تھے وہ مولانا احمد رضا خاں کا کذب وافترا تھا. وہ علماء دیوبند کے عقائد نہ تھے. اب سوال یہ بنا کہ کسی مسلمان پہ جھوٹ لگانا اور بہتان باندھنا گناہ ہے یا کفر فقہ کی رو سے یہ کفر نہیں ہے لہٰذا اس ارتکاب پر مولانا احمد رضا خاں پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا. علماء دیوبند مولانا احمد رضا خاں کے اس کھیل سے جو انہوں نے انگریزوں کے اشاروں پہ کھیلا سخت نالاں تھے مگر انہوں نے جواباً انہیں ان کے اس جرم پر کافر نہ کہا.

اس وقت مولانا احمد رضا خاں کے اپنے عقائد زیر بحث نہ تھے نہ انہیں کسی صاحب نے علماء دیوبند کے سامنے پیش کیا تھا نہ ان دنوں مولانا احمد رضا خاں کی اپنی کوئی اہمیت تھی کہ آپ کا تعارف ہر کسی کو ہو اور ہر کوئی آپ کے عقائد سے آگہی رکھتا ہو. خان صاحب کا بریلی کا مدرسہ بھی ان دنوں نہ بنا تھا نہ اس پہلو سے ملک میں مولانا احمد رضا خاں کی کوئی شہرت تھی. ہاں علماء دیوبند ان عقائد خمسہ پر شروع سے کفر کا فتویٰ دیتے آئے ہیں جو بعد میں بریلویت کے امتیازی عقائد بنے اب یہ فیصلہ آپ کریں کہ ان عقائد کا معتقد مسلمان ہے یا نہیں.

مولانا احمد رضا خاں نے بالآخر گھٹنے ٹیک دیئے

مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کے خلاف جتنے تیر چلائے سب ناکام گئے. یہاں تک کہ ایک مرتبہ بریلی ریلوے سٹیشن پہ حضرت مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد رضا خاں کا آمنا سامنا ہو گیا اور مولانا احمد رضا خاں نے حضرت تھانویؒ کو جھک کر سلام کیا. حضرت تھانویؒ نے فرمایا.

> ایک مرتبہ بریلی اسٹیشن پر ان خان صاحب سے مواجہہ ہو گیا معلوم نہیں ان کو کیا دھوکہ ہوا. انہوں نے مجھ کو دُور سے سلام کیا. اتفاق سے میں نے دیکھا بھی

> نہیں. اس لیے جواب بھی نہیں دیا. پھر ان کو کسی سے معلوم ہوا کہ یہ تو اشرف علی ہے. اس قدر غصہ آیا کہ پلیٹ فارم چھوڑ کر باہر گاڑی میں جا بیٹھے..... لوگوں نے کہا کہ آج تو ایسے مرعوب ہوئے کہ جھک کر سلام بھی کر لیا. ان کے معتقدین نے جواب دیا کہ پہچانا نہ تھا. لوگوں نے کہا کہ ایسے دودھ پیتے بچے تھے. کہ پہچانا نہ تھا.[1]

اس واقعہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وجاہت دی. کہ مولانا احمد رضا خاں بھی انہیں جھک کر سلام کرتے تھے اور یہ بات لوگوں نے تسلیم نہ کی تھی کہ انہوں نے حضرت کو پہچانا نہ تھا — رہی یہ بات کہ خود مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں حضرت تھانویؒ کی رائے کیا تھی؟ سو اس میں کچھ تفصیل درکار ہے — بعض لوگوں نے یہ بات بنا رکھی ہے کہ آپ مولانا احمد رضا خاں کو حب رسول کی افراط میں معذور سمجھتے تھے. بات اس طرح نہیں. مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے ان کی کتاب تحذیر الناس کے تین مختلف مقامات سے تین فقرے لے کر انہیں ایک عبارت بنا کر جو خیانت کی اس کا حضرت تھانویؒ کو کیا علم نہ تھا؟ کیا خاں صاحب کی یہ حرکت حب رسول کے تقاضا میں تھی؟ — حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے المہند علی المفند میں اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے الشہاب الثاقب میں تحذیر الناس کی ان عبارتوں پر جو بحث کی ہے کیا وہ حضرت تھانویؒ کی نظر میں نہ تھی؟ اس کھلی خیانت کے بعد کیا مولانا احمد رضا خاں کو کسی درجے میں معذور سمجھا جا سکتا ہے؟ حضرت گنگوہیؒ پر خان صاحب نے جو بہتان باندھا وہ کذب باری کے موضوع پر تھا. اس میں سرے سے حضورؐ کی ذات گرامی زیر بحث نہ تھی. اب یہ کس طرح باور کیا جائے کہ مولانا احمد رضا خاں کی یہ سب حرکات محض حب رسول کے جذبہ افراط سے ہوئی ہوں گی — ایسا ہرگز نہیں.

---

[1] الاضافات جلد ۲ ص ۲۵۳

نہایت افسوس ہے کہ بعض حضرات نے ان اکابر کے نام سے جو بزم اشرف کے چراغ تھے کچھ ایسی روایات بنا رکھی ہیں جو حضرت تھانویؒ کے اس موقف سے جو آپ نے مولانا احمد رضا خاں اور اس کے پیروؤں کے بارے میں اختیار فرمایا لگا نہیں کھاتیں. حضرت تھانویؒ کا عقیدہ اس باب میں وہی تھا جو حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا تھا. یہ حضرات کسی درجے میں مولانا احمد رضا خاں کو عنداللہ معذور نہ سمجھتے تھے.

جامع مسجد حنفیہ غوثیہ شاد باغ لاہور نے مولانا کوثر نیازی کا ایک مضمون مولانا احمد رضا خاں پہ شائع کیا ہے اس میں ادارہ کی طرف سے لکھا ہے ”جناب کوثر نیازی اہل سنت مکتب فکر سے نہیں ہیں“ ص۳

مولانا کوثر نیازی اس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف سے بیان کرتے ہیں:-

جب حضرۃ مولانا احمد رضا خاں کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اطلاع کی مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے. جب دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا. وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں. فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتوے نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے. ص۷

اب آپ غور فرمائیں مولانا کوثر نیازی کے اس بیان میں کیا ذرہ صداقت ہو سکتی ہے؟ مولانا تھانوی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم کی تحذیر الناس کے تین مختلف مقامات سے عبارات لے کر ایک کفریہ عبارت بنائی اور اس پہ کفر کے فتوے حاصل کیے. کیا یہ بددیانتی بھی مولانا احمد رضا خاں نے عشق رسول کے جذبہ میں کی تھی؟ —— پھر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے جب المہند میں بات کھول دی اور اس پر حضرت مولانا تھانوی نے بھی دستخط فرمائے تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ مولانا تھانوی کی مولانا احمد رضا خاں کے اس دجل و فریب پر نظر نہ تھی.

سو ایسی حکایات جو ان حضرات کے نام سے لوگوں نے بنا رکھی ہیں ہرگز لائق اعتبار نہیں جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے نام سے وضع کی گئی ہوں یا شیخ الحدیث و التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے نام سے، ان میں ذرا بھی صداقت نہیں ہے. مولانا احمد رضا خاں نے علمائے دیوبند کے بارے میں جو حرکت شنیعہ کی وہ بدنیتی پر مبنی تھی اور علمائے دیوبند بھی اس بارے میں کسی خوش فہمی میں نہ تھے.

مولانا احمد رضا خاں کے مُرید ان سے کیوں دُور ہوتے رہے

یہ صحیح ہے کہ بعض لوگ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیں سُن کر اس مغالطے کا شکار ہو جاتے رہے کہ شاید ان کے دل میں حضورؐ کی محبت موجزن ہو. لیکن آپ کے قریب ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے اسلام کے بنیادی عقائد چھٹے ہوئے ہیں. عقائد باطلہ میں گرفتار اور بدعات میں سرشار ہیں. اس پر وہ اس مغالطے سے نکل آتے اور بریلویت سے توبہ کر لیتے.

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :-

پچھلے دنوں ایک خط احمد رضا خاں صاحب کے مرید کا آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ میں پچیس سال سے مولوی احمد رضا خاں صاحب سے مرید تھا. اب ان عقائد باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت سے بیعت کی درخواست کرتا ہوں میں نے جواب میں لکھ دیا کہ تعجیل مناسب نہیں [1]

اس ارشاد میں حضرت تھانویؒ نے تسلیم فرمایا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے عقائد عقائد حقہ نہ تھے عقائد باطلہ تھے ورنہ آپ اس شخص کو لکھ بھیجتے کہ احمد رضا خاں عقائد باطلہ پر نہیں آپ کا اس پر نکیر نہ کرنا اسے حقیقت تسلیم کرنا ہے. باقی یہ جو کہا کہ تعجیل مناسب نہیں. یہ اس لیے تھا کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ حضرت کو مریدوں کی ہی طلب اور پیاس رہتی ہے. گویا آپ اسی انتظار میں بیٹھے ہیں. پہلے استقامت دکھاؤ تو پھر بیعت کرو.

بریلویوں کے دل مسخ ہو چکے ہیں

آپ نے ایک دفعہ فرمایا :-

ایک بدعتی مولوی تمام بڑے بڑے اکابر دین اور بزرگوں کی تکفیر کرتا ہے

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد ۷ صـ۱۳۱

— مگر ہم لوگوں کی یہ مشکل ہے کہ ہم اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے. ہمارے لیے جہاں اور مجاہدے ہیں ایک مجاہدہ یہ بھی ہے کہ وہ ہم کو کافر کہتا ہے ہم اس کو کافر نہیں کہتے — اور یہ بدعتی تو اکثر بد دین بھی ہوتے ہیں — خوف خدا ذرا بھی ان کے قلب میں نہیں ہوتا. قلوب مسخ ہو جاتے ہیں [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں اور ان کے پیرو جب علماء دیوبند کی تکفیر کرتے تو حضرت تھانویؒ کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ وسوسہ نہ گزرتا تھا کہ یہ شاید محبت رسول کے نشہ میں کافر کہہ رہے ہوں — حاشا — ایسا ہرگز نہیں. آپ کا یہ خیال نہ تھا. آپ شرح صدر سے یہ سمجھتے تھے کہ بریلویوں کے دل مسخ ہوئے ہوئے ہیں.

بدعت کی ظلمت علم کا رنگ چڑھنے نہیں دیتی

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا:-

یہ اہل بدعت اکثر بدفہم ہوتے ہیں بوجہ ظلمت بدعت کے — علوم وحقائق سے کورے ہوتے ہیں — ویسے ہی لغویات ہانکتے رہتے ہیں جس کے سر نہ پیر — مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب محیط ہے اور یہ کہ حضورؐ کا مماثل پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں — اس قسم کے ان کے عقائد ہیں اور اب تو اکثر بدعتی شریر بلکہ فاسق فاجر ہیں [2]

اس سے واضح ہوا کہ بریلوی ہرگز عشق رسول کے سائے میں علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کرتے وہ اپنی اغراض میں گھرے ہوئے ہیں. ان میں اکثریت فساق و فجار کی ہے. یہ حضورؐ کا علم محیط مانتے ہیں اللہ کی قدرت میں نقص پیدا کرتے ہیں مگر چونکہ یہ سب کچھ جہالت کے سائے میں ہوتا ہے اس لیے علماء حق ان کی تکفیر نہیں کرتے. ورنہ حضورؐ کے لیے علم غیب محیط کا اقرار اصلاً موجب کفر ہے —

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد ۷ صـ۱۳۱ [2] ایضاً صـ۲۳

بریلویوں میں صرف وہی کفر سے بچتا ہے جو ایسی باتیں بدوں ان باتوں کا معنی جانے کرے لیکن ان میں جو مولوی ہوں اور وہ جان بوجھ کر حضورؐ کے لیے علم غیب محیط کا عقیدہ رکھیں ان کے کفر میں حضرت تھانویؒ کو بھی کوئی تردد نہ تھا۔ اسے وہ پہلے کفر کہہ آئے ہیں۔

عقیدہ کی برائی کے بغیر اگر کوئی شریعت کے تقاضے سے بے پروائی برتتا ہے نفس کو خوش کرتا ہے وہ عمل کا غلط ہے گنہگار ہے بدعتی نہیں بدعتی تبھی ہے کہ اسے عقیدۃً اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی سمجھے۔ خواہشات کے پیرو اہل ہوا تو ہوتے ہیں اہل بدعت نہیں۔ بدعت کی برائی اغراض واہوا کی پیروی سے بھی بڑھ کر بری ہے۔ اعاذنا اللہ من کلیھما

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے بعد تاج الفقہا حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی رائے معلوم کریں۔ آپ بریلوی عقائد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> اگر ہر مجلس میں آپ کی روح مبارک کو حاضر مانا جائے تو اس میں شائبہ شرک بھی ہے کہ آن واحد میں مجالس متعددہ میں حاضر و ناظر ہونا آپ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خواص ذات احدیت میں سے ہے۔[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

> حنفیہ نے تو اس کی تصریح کر دی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ صریح نص قرآن قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے مخالف ہے اور اس کا انکار ہے اور نص قرآن کا انکار کفر ہے۔[2]

ایک اور جگہ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

> جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے اور حضورؐ سے اس عقیدے کی بنا پر استمداد کرے وہ ایک طرح شرک میں مبتلا ہے لیکن تکفیر میں احتیاط کی جائے۔[3]

---

[1] کفایۃ المفتی جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۲ [3] ایضاً صفحہ ۱۲۳، صفحہ ۱۲۴

ان دنوں بریلویوں نے عقیدہ حاضر و ناظر کی تشریح میں حاضر بالعلم ہونے کی تشریح کرنی شروع کر دی تھی۔ اس لیے آپ نے تکفیر میں احتیاط کا مشورہ دیا۔ ورنہ آپ کے لیے ہر جگہ حاضر بالوجود ہونے کا عقیدہ ایک متفق علیہ کفریہ عقیدہ ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عالم الغیب ہونے کے اعتقاد کو کفر قرار دیا ہے اور یہ بات حنفی مذہب کے فتاویٰ میں بتصریح موجود ہے۔[1]

مولانا احمد رضا خاں دشمن اسلام بنے رہے

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کا نظریہ مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں کیا تھا؟ اسے ان کے مندرجہ ذیل فتویٰ میں ملاحظہ کریں۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

مولانا اشرف علی صاحب ایک باخدا عالم اور حنفی مذہب کے بزرگ ہیں اُن کو کافر بتانے والا دشمنِ اسلام ہے کہ ایسے بزرگ عالم کو کافر کہا ہے جس کے فیض سے تمام ہندوستان کے مسلمان سیراب ہو رہے ہیں۔[2]

اب آپ ہی غور کریں حضرت مفتی صاحب کے ہاں مولانا احمد رضا خاں حبِ رسول کے جذبہ صادقہ میں افراط کا شکار تھے؟ یا اسلام دشمنی انہیں اس مقام پہ لے آئی تھی؛ حضرت مفتی صاحب نے بات کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی رائے بھی ملاحظہ کریں۔ آپ کے نزدیک مولانا احمد رضا خاں کس کردار کے آدمی تھے؟ کیا حبِ رسول اکرم کبھی بھی ان کے پاس بھٹکی ہو گی؟ کبھی نہیں — نہ انہوں نے علماء دیوبند کی تکفیر عشقِ رسالت میں مغلوب الحال ہو کر کی ہو گی — ان کی اس ساری کاروائی میں مکر و فریب کے سوا کچھ

---

[1] کفایۃ المفتی ج۹؛ [2] ایضاً ص ۱۷۸

نہ تھا. آپ لکھتے ہیں:۔

مولانا احمد رضا خاں کا مکر و فریب

عجیب و غریب جال مکر و فریب کے پھیلائے اور علماء حرمین شریفین کو انواع انواع کے حیل و مکر سے دھوکہ دیا. جو لوگ ناواقف سادہ دل تھے وہ بیشک ان کے دامن تزویر میں آ گئے.[1]

ایک بدگو کی گالیاں اور خرافات

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔
اس بدگو کی گالیاں اور خرافات کی وجہ سے طبیعت قابو سے نکلی جاتی ہے پس مجبور ہو جاتا ہوں مگر تاہم وہاں بھی حتی الامکان شرافت علم کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور پورا مقابلہ اس باب میں ان کا وہی کر سکتا ہے جو رذیل النسب و قبیح الاخلاق جاہل اور اُجڈھ ہو مگر یہ بھی نامۂ اعمال مجدد صاحب میں لکھا جائے گا.[2]

بریلوی روافض کے نقش پا پر

یہ کتنا بڑا مکر و فریب مجدد بریلوی کا ہے اور کس قدر چالبازیاں اس میں کی گئی ہیں واللہ مجازی والیہ المشتکی اور یہ طریقہ ان لوگوں کا ایسا ہے جیسا کہ روافض نے اہل سنت اور اکابر و شیخین کو عدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور طائفہ خارجیہ میں شمار کیا ہے.[3]

---

[1] الشہاب الثاقب صفحہ ۲۰۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۲ [3] ایضاً صفحہ ۲۴۷

یعنی جس طرح شیعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کا الزام لگاتے ہیں اور وہ الزام سراسر غلط ہے. حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہرگز حضورؐ اور آپ کی ذریتِ طاہرہ کے دشمن نہیں. اس طرح علماء دیوبند پر بھی گستاخیِ رسول کا الزام سراپا غلط ہے

علماء حرمین احمد رضا خاں کی باتوں میں کیسے آئے؟

حضرت مدنیؒ کی رائے یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کی مخالفت میں انسانیت اور شرافت کی سب حدیں پھاند رکھی تھیں. جب حیا ہی نہ رہے تو جو چاہے کہتے جاؤ. اذا لم تستحیی فاصنع ماشئت. حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:۔

> جب بے حیا مؤلف (مولانا احمد رضا خاں) نے یہ عقیدہ حضرت (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کا ظاہر کیا اور کمال شقاوت اور افتراء پردازی اور تہمت (الزام تراشی) کا اعلیٰ نمونہ دکھایا تو اہل حرمین نے کفر کا فتویٰ دیا.[1]

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی یہ سب مشق تکفیر کوئی حبِ رسول کے جذبہ سے نہ تھی بلکہ اپنی کمال بے حیائی کے سبب تھی اور اس وقت انہیں آخرت کی کوئی فکر نہ تھی نہ یوم جزا کی کسی باز پرس کا ڈر تھا. بلکہ آخرت کی شقاوت اور بدبختی ان سے یہ سب اخلاقی جرم کرا رہی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے اہل السنۃ والجماعۃ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے رکھ دو.

حضرت تھانویؒ کے خلفاء کا ردِ عمل

حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند کا نام اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کا نام کس نے نہیں سنا. مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف بیسؔ رسائل نہایت پُرزور

---

[1] الشہاب الثاقب ص۴۸

قلم سے تصنیف فرمائے اور انہیں بار بار مناظرہ کے لیے للکارا. مگر خاں صاحب نے ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کی. آپ مولانا چاند پوری کے رسائل کا نام ہی پڑھ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ مولانا احمد رضا خاں علماء دیوبند کی نظر میں کیا تھے — مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے مولانا ابوالبرکات سید احمد کو تلون کے مناظرہ میں عبرتناک شکست دی اس سے پتہ چلتا ہے کہ تھانوی اور ان کے خلفاء کی نظر میں بریلویت کس درجہ کا لائق تردید فتنہ سمجھا گیا ہے. حضرت تھانوی کے خلفاء میں سب سے زیادہ اعتدال حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب میں پایا جاتا تھا. آپ بریلویوں کے بارے میں اُن کی رائے بھی لے لیں.

حکیم الاسلام قاری محمد طیّب صاحب خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامّت

حضرت حکیم الاسلام اپنے علم و فضل حکمت و دانش راسخ نظر و فکر اور معتدل پیرایہ بیان میں چودہویں صدی ہجری کی معتدل شخصیت تھے. دیوبند میں آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے اشتراکِ عمل گزرا. آپ گویا حضرت تھانوی اور حضرت مدنی دونوں کے مابین ایک مرکزی نقطہ اجتماع رہے. بریلویت آپ کے تجربہ و مشاہدہ میں کیا رہی؟ اور اس کے بارے میں کیا یہ پہلو اختیار کیا جا سکتا ہے. کہ ممکن ہے مولانا احمد رضا خاں عشق رسالت کے غلبہ میں علماء دیوبند کی چند ظاہری تعبیرات پر برسے ہوں؟ آیئے اسے حضرت حکیم الاسلام کے لفظوں میں پڑھیں اور معلوم کریں کہ بریلویت آپ کی نظر میں کیا تھی؟

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ملک شمیم صاحب بی. ایس سی انجینئرنگ (علی گڑھ) کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:-

یہاں ہمارے ملک میں ایک مخصوص طبقہ ہے جس کی سربراہی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے حصہ میں آئی ہے. اس طبقہ کو خصوصی طور پر علماء دیوبند سے بغض و عناد

ہے۔ اس طبقہ میں چند گنے چنے مدعیانِ علم ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ملک کے تمام مسلمانوں پر بڑی بے دردی سے کفر کا فتویٰ لگایا اور کہنا چاہیئے اُنہوں نے کُفر سازی کی مشین بلکہ کارخانہ قائم کر دیا۔ ان کا دن رات کا مشغلہ اکابر و اسلاف اور علماء دیوبند کی شان میں گالیاں بکنا — ان پر کُفر کے فتوے لگانا — اور اُٹھتے بیٹھتے انہیں بُرا بھلا کہنا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس مخصوص طبقہ کے سربراہ مولانا بریلوی کی گالیوں سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ بھی محفوظ نہیں رہے — حالانکہ کوئی مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا اور نہ کوئی سنجیدہ و متین شریف الطبع اس لب ولہجہ اور انداز کو پسند کرتا ہے — اس طبقہ کے کسی عالم کی تقریر میں بیٹھ جایئے اوّل سے آخر تک علماء دیوبند کی شان میں بکواس کرتے سُنائی دیں گے۔[۱]

حضرت حکیم الامت ؒ نے جو لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی گالیوں سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ بھی محفوظ نہیں رہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا حکیم الاسلام ؒ اس کردار کے مولانا کو مسلمان سمجھتے ہوں گے؟ اگر آپ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا تھانوی ؒ سے ایک مرتبہ بھی سُنا ہوتا کہ ممکن ہے مولانا احمد رضا خاں نے عشقِ رسالت کے غلبہ میں علماء دیوبند کی کسی ظاہری تعبیر پر گرفت کی ہو تو کیا آپ اس شیخ و مرشد کے حلقۂ عقیدت میں رہ سکتے تھے۔

ہاں حضرت حکیم الاسلام ؒ کے اس بیان سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ بریلوی علماء کو علماء دیوبند کے جذبۂ مخالفت میں حواس باختہ سمجھتے تھے اور ان کی لا یعنی باتوں کو بکواس سے آگے کسی اور درجے میں نہ لیتے تھے لیکن مولانا احمد رضا خاں کو جو آپ نے اللہ رب العزت کی شان میں بدکلامی کا مرتکب بتلایا ہے اس سے شاید ان کے ہاں ان کے لیے صفِ اسلام میں کوئی جگہ نہ رہی ہو۔ اور کوئی باخدا عالم اللہ رب العزت کی شان میں بدکلامی کرنے والے کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا زبان استعمال کی ہے اسے ان کی اس عبارت میں ملاحظہ کریں جو ہم صفحہ ۹۴ پر دے رہے ہیں۔

---

[۱] ماہنامہ دار العلوم دیوبند اپریل ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۹

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری

(۱) اہل حق کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش اور ان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی ناجائز حرکت کوئی نئی چیز نہیں ہے. ہمیشہ سے اہل باطل اور نفس پرستوں کا طریقہ رہا ہے......[1]

(۲) رضاخانیوں کا پروپیگنڈہ غلط اور گمراہی میں ڈالنے والا ہے. علمائے دیوبندیہ رضاخانی جو بہتان تراشتے ہیں اس سے وہ حضرات بالکل بری اور پاک ہیں. وہ لوگ پکے مسلمان اور سچے اہل سنت والجماعت اور پکے حنفی ہیں. توحید خداوندی اور رسالت محمدی کے مبلغ سنت کے محافظ اور انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں..... قرآن وحدیث اور فقہ کی خدمت کے زندگیاں وقف کیے ہوئے ہیں. علوم دینیہ کی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ لاکھوں علماء وحفاظ وقراء ومفسرین محدثین صوفیاء مفتی اور مبلغین دنیا کے ہر ملک کے چپے چپے میں اسلام کی تبلیغ اور دین ومذہب کی اشاعت کر رہے ہیں..... خدا کے ایسے مقبول اور صالح بندوں اور دین کے سچے خادم اور نائبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر سمجھنا اور اسلام سے خارج تصور کرنا جہالت بے دینی اسلام دشمنی اور گمراہی کی دلیل ہے اور اپنی عاقبت خراب کرنا ہے...... (یہ لوگ) اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے بدخواہ اور ان کے دین کے ڈاکو ہیں.[2]

(۳) مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور نااتفاقی پیدا کرنے اور اپنی مطلب برآری کے لیے رضاخانیوں نے اہل حق کے مقابلے میں رضاخانی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ذہن میں نہیں آتا.[3]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ صـ۲ [2] دیکھیے فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ صـ۱۱ صـ۱۲ صـ۱۳ [3] ایضاً صـ۱۱۴

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر علماء دیوبند کی نظر میں بریلویت کیا ہے اور اس کا اہل حق کے مقابلہ میں طریق واردات کیا رہا ہے۔

اہل حق تو اپنی جگہ رہے خود حق تعالیٰ کے بارے میں احمد رضا خاں کی زبان ملاحظہ ہو۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اس پر مولانا احمد رضا خاں وہ چیزیں شمار کرتے ہیں جو قدرت میں ہونی چاہئیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ زبان بولتے کچھ حیا نہ آئی۔

> چاہئے تو جاہل رہے۔ ایسے کو جس کا بہکنا۔ بھولنا۔ سونا۔ اونگھنا۔ غافل رہنا، ظالم ہونا۔ حتیٰ کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے۔ کھانا۔ پینا۔ پیشاب کرنا۔ پاخانہ کرنا۔ ناچنا تھرکنا۔ نٹ کی طرح کلا کھیلنا۔ عورتوں سے جماع کرنا۔ لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتیٰ کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا۔ کوئی خباثت کوئی فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں وہ کھانے کا منہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی اور زنی کی علامتیں بالفعل رکھتا ہے ..... اور یہی نہیں اپنے آپ کو جلا بھی سکتا ہے ڈبو بھی سکتا ہے۔ زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر یا بندوق مار کر بھی خودکشی بھی کر سکتا ہے۔ [۱]

پھل اس وقت بھی امت چکھ رہی ہے۔ شیعوں کے ساتھ تو صحابہ کرامؓ پر نزاع تھی، بریلویوں نے خود حضور ختمی مرتبت کو ہی اہلسنت کے دونوں گروہوں میں ایک متنازع شخصیت بنا دیا۔
یقین کیجیے اکابر علماء دیوبند کی نظر میں بریلویت حب رسول کے کسی جذبہ افراط کے باعث نہیں اٹھی یہ اہلسنت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لیے انگریز حکومت کی پیدا کردہ ایک چال تھی۔

> ؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
> کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

---

[۱] فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صد ۷۹

علماء دیوبند حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی نظر میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد :-

آپ اس مضمون کو کہ بریلویت اکابر علماء دیوبند کی نظر میں کیا ہے بالاستیعاب مطالعہ فرما چکے. اب اس سے آگے صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خود علماء دیوبند ان بزرگوں کی نظر میں جن کے سامنے خود بریلوی علماء کی جبینِ عقیدت بھی خم رہی کیسے تھے ؟ مولانا عبد السمیع رامپوری مؤلف انوارِ ساطعہ کی بریلویت تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں. مولانا احمد رضا خاں صاحب انہیں اپنا بڑا بھائی لکھتے ہیں. حضرت حاجی صاحبؒ کے ہی حلقۂ ارادت میں سے تھے. جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ گو بریلوی نہ تھے. مگر یہ حقیقت ہے کہ ہزاروں بریلوی آج بھی گولڑہ میں ان کے آستانہ پر حاضری دیتے ہیں. یہ پیر مہر علی شاہؒ حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ دونوں کے مشترک خلیفہ تھے اور دونوں کے فیض کے مجمع البحرین.

جب آپ (حضرت حاجی صاحبؒ) پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے بھی شیخ ٹھہرے تو ظاہر ہے کہ ان کا نظریہ دربارۂ علماء دیوبند فرقہ بندی کی ہر آلائش سے پاک اور ہر سیاسی مد و جزر سے بے باک ہوگا. حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ. حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شیخ تھے اور ان تینوں بزرگوں نے خرقۂ خلافت انہی سے لیا تھا ——

عقیدت مندانِ دربار سیال شریف اور آستانہ گولڑہ کی زبان جہاں دیگر خواجگانِ چشت اہل بہشت کی مدح سے کبھی خشک نہیں پڑتی وہاں حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر بھی ان کے دلوں کی دھڑکن ہے آیئے اب ہم گذارش کریں کہ یہ اکابر علماء دیوبند حضرت حاجی صاحبؒ کی نظر میں کیا تھے ؟

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ کی نظر میں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی تحریر فرماتے ہیں :-

جو آدمی کہ اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو جامع ہیں بجائے میرے بلکہ مجھ سے بڑھ کر جانے۔ اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا۔ ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیئے ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔[1]

آپ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا :-

اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا تو مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو پیش کردوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں۔[2]

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی حضرت مولانا رومؒ سے تشبیہ

مولانا روم کی عبقری شخصیت سے کون واقف نہیں۔ آپ کی مثنوی میں قرآن کے اصول حکمت اس طریق سے سموئے گئے ہیں کہ کہنے والے پکار اٹھے ؎

مثنوی مولوی معنوی　　　ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا رومؒ کے مرید ہندی نے بھی آپ سے کہا اور پوچھا تھا ؎

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے　　　امتیں مرتی ہیں کس آزار سے

وہاں سے جواب ملا تھا ؎

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود　　　زانکہ بر جندل گمان بردند عود

---

[1] ضیاء القلوب صـ۲　[2] تذکرۃ الرشید جلد ۲ صـ۳۲

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو اپنی نسبت سے مولانا روم ٹھہرایا۔ اس میں یہ بات بھی چھپی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ آپ کے علوم سے بھی پورا مشرق جگمگا اُٹھے گا جس طرح کسی وقت مولانا روم سے مشرق کو زندگی ملی تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو علم کی زبان میں لسانی ولایت فرمایا ہے:۔

حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومیؒ عطا ہوئے تھے جنہوں نے شمس تبریزیؒ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا۔ اسی طرح مجھ کو مولانا محمد قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں[1]

جناب امیر شاہ خان صاحب کہتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا:۔

مولانا حق تعالیٰ کے اسم علیم کے ساتھ آپ کو خصوصی نسبت ہے اور اسی نسبت خصوصی کے یہ آثار ہیں جن کا یہ تجربہ اور مشاہدہ آپ کو کرایا جارہا ہے[2]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا نے علوم وحقائق میں ایک سطر بھی نہیں لکھی تھی۔ اس وقت کون سا ایسا ظاہراً قرینہ موجود تھا جس سے اندازہ کیا جاسکے کہ اس کی تعبیر یہ ہے اور ایسا ہونے والا ہے۔[3]

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان کیے جارہے تھے حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔

مولانا اسماعیل تو تھے ہی ــــ کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے۔[4]

یہ صرف حضرت حاجی صاحبؒ کی ہی شہادت نہیں بلکہ وقت کے مسلّم عندالکل قطب اور اس

---

[1] قصص الاکابر صـ۵۷ الاضافات جلد ۱ صـ۲۳۶ [2] سوانح قاسمی جلد ۱ صـ۲۵۹ [3] وعظ ارل الاعمال صـ۳۹ [4] ارواح ثلاثہ صـ۱۳

راہ کے مشہور راہی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے بھی اس کی شہادت دی ہے کہ :۔

مولانا محمد قاسم کو کمسنی ہی میں ولایت مل گئی[1]

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان حضرات علماء نے حضرت حاجی صاحبؒ پر کوئی عمل کر رکھا تھا کہ اتنا بڑا املی دوران ان کا اس درجے میں منعقد ہو رہا ہے۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی وفات کے بعد خود ان کی بھی یہ حالت تھی کہ یہ حضرات ان میں کھوئے گئے نظر آتے تھے۔ ورنہ وفات کے بعد تو عامل اور معمول بہ میں وہ بات نہیں رہتی —— حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تو حضرت حاجی صاحبؒ کی زندگی میں سفر آخرت پر جا چکے تھے۔ اب آپ کی وفات پر حضرت گنگوہیؒ کا حال ملاحظہ فرمائیں۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :۔

جس وقت حضرت گنگوہیؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کی خبر ملی کئی روز تک حضرت مولانا گنگوہی کو دست آتے رہے اس قدر رنج اور صدمہ ہوا تھا[2]

حضرت گنگوہیؒ اپنے شیخ کی نظر میں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے سلوک کی منزل ایک ہفتہ میں طے کی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو دعا دے کر فرمایا :۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہاتِ دارین سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب و درجاتِ عالیہ عطا فرماوے اور آپ کی ذات بابرکات کو ذریعہ ہدایتِ خلق فرمائے۔ آمین....

الحمدللہ آپ کی کیفیات باطنی اور حالاتِ مقدسہ سن کر کروڑ کروڑ شکر اللہ تعالیٰ کا بجالایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور قرب کو ترقی بالائے ترقی بخشے اور ہم بے بہروں کی نجات کا وسیلہ بنا دے الخ۔[3]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] کمالاتِ رحمانی ص ۱۶۷ [2] قصص الاکابر ص ۱۰۱ [3] مکاتیب رشیدیہ ص ۶

آپ کو صبر و شکر کی تعلیم کی حاجت نہیں کیونکہ آپ مجسمہ سرتاپا شکر ہیں. ہاں یہ دُعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو کمال اجر عطا فرمائے اور آپ کو تادیر اپنے بچوں کے سر پر زندہ رکھے اور آپ کے فیوض سے اہل اسلام کو مستفیض کرے. ایں دعا از ما و از روح الامین آمین باد.[1]

حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے نچلے درجے کے متوسلین کے لیے کچھ ایسے طریقے بطور علاج تجویز کر رکھے تھے جن سے حضرت گنگوہیؒ کو بہ پیرایہ فتویٰ اختلاف تھا. حضرت گنگوہیؒ صیانت شریعت کی خاطر ان کے فقہی جواز کے حق میں نہ تھے. اس پر بعض حاسدین نے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس کچھ باتیں کہیں. اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا :-

عزیزی جناب مولوی رشید احمد صاحبؒ کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں غنیمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحبؒ موصوف جامع کمالات ظاہری و باطنی کے ہیں اور ان کی تحقیقات محض للّٰہیت کی راہ سے ہیں ہرگز اس میں شائبہ نفسانیت نہیں.[2]

پھر آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ :-

جو صاحب اس فقیر سے محبت و عقیدت و ارادت رکھیں وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو کمالات علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں. میری جگہ بلکہ مدارج میں مجھ سے فوق سمجھیں. اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھیں کہ ان کے ایسے لوگ اس زمانے میں نایاب ہیں.[3]

افسوس کہ بریلوی علماء یہاں پھر غلط راہ اختیار کرتے ہیں کہ یہ حضرات علم میں بہت اُونچے تھے. حاجی صاحبؒ کو مغالطہ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا — بات یہ نہیں ہے. حضرت حاجی صاحبؒ

---

[1] مکاتیب رشیدیہ ص۷ [2] فیصلہ ہفت مسئلہ ص۱۳ [3] ضیاء القلوب ص۷۲

ایسے موقعوں پر جو بات کہتے تھے از روئے الہام کہتے تھے۔ آپ اپنے متوسلین کے لیے یہ اعلان فرماتے ہیں کہ :-

از فقیر امداد اللہ چشتی — بخدمت محبانِ عموماً — ان دنوں بعض خطوط ہندوستان سے اس فقیر کے پاس آئے۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے ساتھ بعض لوگ سوئے ظن رکھتے ہیں کہ ہم مولوی صاحب کو کیا سمجھیں ؛ لہٰذا فقیر کی جانب سے مشتہر کرادو اور طبع کرادو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی فاضل حقانی ہیں سلف صالحین کا نمونہ ہیں جامع بین الشریعۃ والطریقۃ ہیں۔ شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں۔ حدیث پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں۔ مولانا مولوی محمد اسحٰق صاحب کے بعد ہندوستان میں اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے جاری ہوا ہے۔[1]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

میں نے جو کچھ ضیاء القلوب میں لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے۔ میرا وہ الہام بدلا نہیں اور مجھ کو تم سے اللہ کے لیے محبت ہے اور جیسے اللہ کو بقا ہے ویسی ہی حب فی اللہ کو بھی بقا ہے تم بے فکر رہو مجھ پر ان شکایتوں کا کچھ اثر نہیں۔[2]

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کی فدائیت سب سے زیادہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ میں پائی جاتی ہے۔ آپ ایک وعظ میں فرماتے ہیں :-

واللہ رحمت تھی حق تعالیٰ کی اس زمانے میں ایسے حضرات پیدا فرمائے۔ حضرت (حاجی صاحبؒ) کی صحبت کے وقت سے زیادہ مجھ کو مثنوی شریف کی شرح لکھتے وقت حضرت کے علوم و معارف کی قدر معلوم ہوئی وہاں آنکھیں کھلیں حضرت ہی کے علوم ہی کی بدولت یہ دقیق کتاب سمجھ میں آئی ورنہ ناممکن تھا۔[3]

---

[1] ماخوذ از الشہاب الثاقب صفحہ ۲۹ [2] الاضافات جلد دوم صفحہ ۲۸۲ از حضرت تھانویؒ [3] وعظ روح ارواح صفحہ ۲

ایک مرتبہ فرمایا :-

ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ تو عالم بھی نہیں۔ پھر علماء ان کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ میں نے ایک مثال سے ان کو اس کی حقیقت سمجھائی میں نے کہا کہ ایک شخص تو ایسا ہے جس کو تمام مٹھائیوں کے نام یاد ہیں مگر کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اور ایک شخص ہے جس کو نام تو کسی ایک مٹھائی کا بھی یاد نہیں لیکن ہر قسم کی مٹھائی اس کو مل جاتی ہے اور وہ دونوں وقت خوب پیٹ بھر کر اور مزے لے لے کر کھاتا ہے گویا ایک تو محض صاحب الفاظ ہیں اور ایک گو صاحب الفاظ نہیں لیکن صاحب معانی ہیں۔ اب بتلاؤ وہ محتاج اس کا ہے یا یہ محتاج اس کا ہے ـــ انہوں نے کہا واقعی یہی صاحب صاحب الفاظ محتاج ہے صاحب معانی کا۔ میں نے کہا کہ بس اس طرح ہم لوگوں کو تو مٹھائیوں کے صرف نام یاد ہیں اور حاجی صاحب مٹھائیاں کھاتے ہیں تو علماء جو حاجی صاحبؒ کے پاس جاتے ہیں وہ مٹھائی کھانے کے لیے جاتے ہیں یہ سُن کر کہنے لگے کہ یہ حقیقت مجھ کو آج تک کسی نے نہیں سمجھائی، اب مجھ کو بالکل اطمینان ہو گیا۔ [1]

حضرت حاجی صاحبؒ مولانا تھانویؒ کی نظر میں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ کی حجت سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں :-

(۱) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ایک حجت پیدا کیا تھا۔ ان کو اگر حجۃ اللہ فی الارض کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔ [2]

---

[1] الافاضات جلد ۱۰ صـ۱۶ [2] ایضاً جلد ۱ صـ۱۲۶

(۲) حضرت حاجی صاحبؒ اپنے زمانہ میں حجۃ اللہ فی الارض تھے۔ جو علوم صدیوں سے مخفی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے ظاہر فرما دیئے۔ ان کی سب سے بڑی دولت طریق تربیت تھا۔ کوئی آدمی ایسا نہ دیکھا کہ جس نے حضرت سے اپنی حالت بیان کی اور اس کی پریشانی زائل نہ ہو گئی ہو۔[۱]

(۳) حضرت حاجی صاحبؒ اپنے فن کے امام تھے مجتہد تھے مجدد تھے محقق تھے حضرت کی ذات بابرکات سے عالم کو بڑا فیض ہوا۔ بے شمار گم کردہ راہوں کو راہ مل گئی۔ حضرت کی بدولت فن سلوک کی درس گاہیں کھل گئیں۔ آپ کی دعا کی برکت سے صدیوں کا مُردہ طریق زندہ ہو گیا اب صدیوں ضرورت نہیں۔[۲]

(۴) حضرت اپنے فن کے امام تھے مجتہد تھے حضرت کی بدولت مدتوں کے بعد یہ طریق زندہ ہوا۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ جس سے چاہے اپنا کام لے لے۔ بظاہر دیکھنے میں تھانہ بھون کے ایک شیخ زادہ معمولی حیثیت کے معلوم ہوتے تھے مگر باطن اللہ کے نور سے معمور تھا۔[۳]

حضرت تھانویؒ اپنے مرشدِ کامل کی نظر میں

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا اگر میں اب تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں؟
پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ اشرف علی کے یہاں ٹھہروں۔[۴]

اس میں اشارہ تھا کہ ہندوستان کے اب کے حالات میں میری رائے وہی ہو گی جو مولانا تھانویؒ کی ہو گی۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مع اپنی خالہ کے حضرت والا کے دوران قیام میں مکہ معظمہ

---

[۱] الاضافات جلد ۱ ص ۲ [۲] ایضاً جلد ۱ ص ۱۵۸ [۳] ایضاً ص ۱۴۱ [۴] وعظ اوج قنوج ص ۴۵

پہنچ گئی تھیں۔ خالہ صاحبہ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ ان کے لیے صاحب اولاد ہونے کی دعا کر دیجئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے باہر آ کر حضرت والا سے فرمایا کہ تمہاری خالہ صاحبہ مجھ سے دعا کے لیے کہتی تھیں کہ تمہارے اولاد ہو۔ سو دعا تو میں نے کر دی ہے لیکن بھائی میرا تو جی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم بھی رہو جو حالت میری ہے وہی حالت تمہاری بھی رہے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ جو حالت حضرت کو پسند ہے وہی حالت میں بھی اپنے لیے پسند کرتا ہوں یعنی بے اولاد رہنا۔ حضرت حاجی صاحب یہ سُن کر بہت مسرور ہوئے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کو حضرت والا سے کس درجہ خصوصیت تھی کہ ہر حالت کے اعتبار سے حضرت والا کی اپنے ساتھ مشابہت چاہتے تھے۔

ع تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری[1]

حضرت تھانویؒ یہ بھی فرماتے ہیں:-

(۱) میں حضرت حاجی صاحبؒ سے رُخصت ہو کر ہندوستان واپس آنے لگا تو فرمایا کہ وہاں بھی انشاء اللہ فیض پہنچتا رہے گا کیونکہ اصل فیض پہنچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور شیخ محض واسطہ اور ان کے اسم ہادی کا مظہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیض زمان و مکان کی قید نہیں رکھتے۔[2]

(۲) حضرت حاجی صاحب نے بشارت دی تھی کہ تجھ کو دو چیزوں سے اللہ تعالیٰ مناسبت عطا فرمائے گا تفسیر اور تصوف۔ اب خیال ہوتا ہے کہ حدیث اور فقہ کے لیے بھی اگر دعا کرا لیتا تو اس میں بھی معتد بہ مناسبت ہو جاتی۔ اب یہ جو کچھ ہے یہ سب حضرت ہی کی دعاؤں کی برکت ہے۔[3]

---

[1] اشرف السوانح جلد ۱ صـ۱۹۱ [2] الافاضات جلد ۲ صـ۲۴۵ [3] ارواح ثلثہ صـ۱۶۹

(۳) حضرت حاجی صاحبؒ جب کسی مسئلہ کی تقریر کو ختم فرما لیتے اور کوئی شخص دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے اس سے (یعنی حضرت تھانویؒ) سے دریافت کر لو یہ سمجھ گئے ہیں۔[۱]

(۴) حضرت حاجی صاحبؒ جن کی علمی شان یہ تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ چار مسئلوں میں مجھ کو شرح صدر حاصل ہے۔ تقدیر۔ روح۔ وحدۃ الوجود۔ مشاجرات صحابہ۔ جو مسائل عظیمہ ہیں۔ ایسی شان والے کو اس ناکارہ کی طرف ایسا متوجہ فرما دیا۔ کہ اکثر حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو اشرف علی سے سمجھ لینا۔[۲]

حضرت تھانویؒ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی نسبت اس عروج پر تھی کہ حضرت تھانویؒ کی بات کو آپ اپنی بات کہتے تھے۔ آپ کی کسی تحریر یا تقریر کو دیکھنے اور سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے:۔

جزاکم اللہ! تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی۔[۳]

مرشد مسترشد کی آپس میں مناسبت کا یہ حال تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ بیساختہ یہ فرماتے:۔

بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو۔[۴]

اب آپ کے خطوط کی بعض عبارات سُن لیں ان سے اندازہ ہو گا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت تھانویؒ سے کس درجہ تعلق تھا:۔

(۱) محبت اور خیال آپ کا بیان کرنا حاجت نہیں دل کو دل سے راہ ہے۔[۵]

(۲) آپ کے خط کا بہت انتظار تھا اور تعلق قلبی بھی زیادہ ہے۔[۶]

(۳) آپ کی خیریت و کیفیت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تعلق خاطر ہے اللہ تعالیٰ اپنی رضا و حفاظت میں رکھے۔[۶]

---

[۱] ارواح ثلاثہ ص ۱۶۹ [۲] الافاضات جلد ۲ ص ۲۶۸ [۳] اشرف السوانح جلد ۱ ص ۱۸۴ [۴] ایضاً جلد ۱ ص ۱۲۹
[۵] مکتوبات امدادیہ مکتوب نمبر ۳۹ [۶] ایضاً نمبر ۹

④ آپ کے محبت نامہ کا بہت دنوں سے انتظار تھا. الحمد للہ عین انتظار میں پہنچا دیکھ کر نہایت ہی خوش ہوا۔[1]

⑤ ہمیشہ خیال آپ کا رہتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو درجات علیا عطا فرما دے اور فیض آپ کا ہمیشہ جاری رہے۔[2]

یہ حضرت تھانویؒ کے بارے میں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے مرشد کی رائے ہے. اب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے خلیفہ سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کی رائے بھی پڑھ لیں.

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے پنجاب کے اہل علم حضرات سے حضرات علمائے دیوبند کے متعلق استفسار کیا تھا اور پھر ان کے جوابات آئینہ مذہب بریلویہ کے نام سے شائع کیے تھے یہ جوابات اب تک حضرت مولانا درخواستیؒ کے پاس خانپور میں محفوظ رکھے ہیں. حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی کا جواب یہ تھا :-

> میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب حضرات علمائے ربانیین اور اولیاء امتِ محمدیہ میں سے تھے. احقر کو بعض مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے مگر اعتقاد یہی ہے اور اس اعتقاد کے اختیار کرنے کا سبب ان کی تصانیف کا مطالعہ اور استفادہ اور ان کا قبول عام ہے بالخصوص مولانا اشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم کی خدمات طریقت پر نظر کر کے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ اس صدی کے مجدد ہیں.
>
> فقط ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

آج بھی آپ کو جاہل پیروں اور چند شر انگیز ملاؤں کے سوا علماء دیوبند کے خلاف کبھی کوئی بات سنائی نہ دے گی. اہل اللہ اور ذاکر و شاغل قسم کے بزرگوں کی آراء ہمیشہ علماء دیوبند کے ساتھ رہی ہیں

---

[1] مکتوباتِ امدادیہ مکتوب ۱۶ [2] ایضاً ۲۶

اور یہی علماء اسلام کا وہ متوسط طبقہ ہے جو تاریخ کے ہر دور میں افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچ کر چلا ہے۔ پنجاب میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا موقف اس میں مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب سے ہمیشہ مختلف رہا ہے۔

جناب پیر مہر علی شاہؒ کے خلیفہ ارشد مولانا غلام محمد گھوٹوی گڑھی کے مولوی محمد یار کو جس نے ہندوستان میں سب سے پہلے حضورؐ کی بشریت کا انکار کیا شیعہ لکھا ہے۔ شیعہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں اہلسنت ایک ہو کر رہیں قصور کے میونسپل کمشنر مولانا سید مبارک علی شاہ ہمدانیؒ نے اسی وقت گڑھی والے کے جواب میں رسالہ سید البشر لکھا۔ اس پر مولانا غلام محمد گھوٹویؒ نے جو تصدیق لکھی اسے ان کے اپنے سواد تحریر میں ملاحظہ فرمائیں :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد احقر نے اس رسالہ کو بالکل
پڑھا ہے یہ رسالہ اہل اسلام کے مذہب کا صحیح ترجمان ہے تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر گذرے ہیں اور اس وقت
ہیں تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر ہیں جس واعظ صاحب کی تردید اس رسالہ میں کی گئی ہے وہ دراصل شیعہ ہیں
اور شیعہ اور سنی میں بہت سے فرق ہیں ایک فرق حضرات ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو خدا العیاذ باللہ کہنا ہے
واعظ مذکور بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے۔ اور ایسا ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی اعتقاد
رکھتا ہے بعض ناواقف اگر ایسے صوفیہ کرام کے فقرہ بازی سے یہی تصور کرتے ہیں بالخصوص صوفیہ وجودیہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حاشا وکلا صوفیہ وجودیہ کے رئیس حضرت شیخ محی الدین ابن عربی
ہیں کتاب فتوحات میں بشریت کو خلافت الٰہیہ کا مرادف کہتے ہیں اور اسی منصب کو ...
منافی ... شیعہ ہیں الغرض رسالہ ہذا بہت صحیح ہے اور اس فتنہ عادیہ کا ... اللہ تعالیٰ
مصنف صاحب کو جزاء خیر عطا فرماوے اور انہیں اس اعلاء کلمۃ اللہ کا ... امید ہے
مصنف صاحب کی خدمت میں التجا گذارش ہے کہ اس واعظ کے تمام دلائل کو جمع کر کے رسالہ
میں ان سب کی تردید کر دیں تو بہت ہی موزوں ہوگا   غلام محمد گھوٹوی

پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے پیرو تو ایسے شخص کو شیعہ کہیں جو حضورؐ کی بشریت کا منکر ہو اور مولانا احمد رضا خاں کے پیرؒ مولانا احمد سعید کاظمی اس محمد یار گڑھی والے کے دیوان محمدی کا مقدمہ لکھیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ گولڑہ شریف کے لوگ کسی پیرایہ میں احمد رضا خاں کے معتقد ہو سکتے ہیں پنجاب کے کسی حصہ میں مولانا احمد رضا خاں کو جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ (۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) کی وفات پر جو تعزیتی خط لکھا وہ اصل مکتوب ہمیں مخدوم محترم حضرت مولانا سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم سے مل گیا ہے. ہم یہاں اس کا عکسی فوٹو ہدیۂ قارئین کیئے دیتے ہیں. تعارفی سطور حضرت شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

سوادِ تحریر شیخ العرب والعجم حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

مندرجہ بالا والانامہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۷ھ) کے خامۂ عنبر شمامہ کا سوادِ تحریر ہے. حضرت والا نے یہ مکتوب گرامی اُستاذ المحدثین حضرت مولانا احمد علی مُحدّث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات (۱۷ ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ) پر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کے نام تحریر فرمایا ہے اس میں قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی وفات مبارک (۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ) پر بھی غم واندوہ کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ ۱۲۰ سال پہلے کی غیر مطبوعہ تحریر ہے یہ مکتوبِ مبارک حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کی اولاد و احفاد کے پاس محفوظ رہا۔ اس خاندان کے ایک فرد ہمارے فاضل دوست جناب محمد سلیم الرحمٰن صاحب (ابن محمد عقیل الرحمن بن محمد خلیل الرحمٰن بن حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ) نے چند سال پیشتر راقم سطور سے اس والانامہ کا تذکرہ کیا۔ بعد میں انھوں نے بکمال مہربانی ازخود یہ نادر مکتوب ناچیز کو عنایت فرما دیا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

یہ متبرک امانت جناب سلیم الرحمٰن صاحب (مقیم لاہور) کے شکریے کے ساتھ عامۃ المسلمین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے یہ مکتوب مبارک پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہے۔

۱۵۔ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ — ناچیز نفیس الحسینی لاہور

۴۸۶

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ بخدمت بابرکت عزیزم مولوی خلیل الرحمن صاحب دام محبتہ
بعد سلام مسنون و دعاء خیر آنکہ مکتوب آنعزیز رسید و از حال پرملال انتقال مولانا احمد علی صاحب مرحوم
و لخت جگرم و پارہ دلم مولوی محمد قاسم صاحب رحمہم اللہ علیہم اطلاع داد سابق ہم خبر رسید انا للہ و انا الیہ راجعون
افسوس صد افسوس حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خمخانہ را کردند و رفتند
جو کہ نوری تھے گئے افلاک پر رہ گئے سایہ کے جوں ہم خاک پر جو کہ مرد باہمت ہوئے شر پر نثار
ہم سے دوں ہیں نفس کے ہاتوں میں خوار اب زندگی کا لطف فقیر کے نہیں رہا دعا کرو
حق تعالیٰ جلد خاتمہ بخیر کرکے اس دار الحزن سے اوٹھالے زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں فقط

از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ بخدمتِ بابرکت عزیزم مولوی خلیل الرحمن صاحب دام محبتہ اللہ

بعد سلامِ مسنون و دُعاءِ خیر آنکہ مکتوبِ آنعزیز رسید و از حالِ پُرملال انتقالِ مولانا احمد علی صاحب مرحوم و لختِ جگرم و پارۂ دلم مولوی مُحمّد قاسم صاحب رحمہم اللہ اطلاع داد ۔ سابق ہم خبر رسید ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن

افسوس صد افسوس ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　تہی خمخانہ را کردند و رفتند
جو کہ نُوری تھے گئے افلاک پر　　رہ گئے سایہ کے جُوں ہم خاک پر
مردِ باہمت ہُوئے شر پر نثار　　ہم سے دُوں ہَیں نفس کے ہاتوں میں خوار

اب زندگی کا لُطف فقیر کے نہیں رہا ۔ دُعا کرو کہ حق تعالیٰ جلد خاتمہ بخیر کرکے اِس دار الحزن سے اُٹھالے ۔ زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں ۔ فقط

خدا کا شکر ہے کہ پنجاب میں جتنا اثر و نفوذ حضرت خواجہ نظام الدین تونسہ شریف والوں کا یا حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیال شریف والوں کا یا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف والوں کا ہے مولانا احمد رضا خاں کا نہیں اور ان تینوں حضرات کے ہاں علماء دیوبند کی اس درجہ پذیرائی ہے کہ بریلویوں کے ہاں اس کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پنجاب میں صرف حزب الاحناف میں مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین کی آواز سنی جاتی رہی۔ اس ایک محدود حلقے کے سوا اس اہم صوبہ پاکستان میں اہل السنۃ والجماعۃ ہمیشہ سب مل کر چلے ہیں حزب الاحناف لاہور کی بھی تیغ تکفیر اب کند ہے اور یہاں جو احترام و اکرام حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا پایا جاتا ہے وہ مولانا احمد رضا خاں کا نہیں۔

عامہ اہل اسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ علماء دیوبند کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں ان کے بارے میں جب کوئی رائے قائم کریں تو پیر مہر علی شاہ صاحب اور حضرت حاجی صاحب کے بیانات کی روشنی میں کریں — سب غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ یہاں ہم نے علماء دیوبند — اور دیوبند کے بارے میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشادات ہدیۂ قارئین کر دیئے ہیں۔

جن نیک بختوں کے نصیب میں مسلمانوں کو جوڑنے کی سعادت لکھی ہو گی وہ اس تحریر سے آخرت کی بھی سعادت پائیں گے اور یہاں اس دنیا میں بھی اللہ کے فضل سے اہل السنۃ مسلمانوں میں محبت و اخوت کی فضا پھیلے گی اور مولانا احمد رضا خاں کی درمیان میں کھڑی کی ہوئی دیوار تکفیر دھڑام سے نیچے آگرے گی ؎

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

عقائدِ خمسہ

عقائدِ خمسہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

سلف میں جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے معروف تھے۔ ان میں اہل السنۃ کا اہل بدعت سے جلی اختلاف رہا ہے۔ معتزلہ وکرامیہ، مرجئہ وجہمیہ، روافض وخوارج، قدریہ وجبریہ اور ملاحدہ و باطنیہ یہ سب فرقے بدعت فی العقائد کے مجرم ہوئے اور انہوں نے اسلام سے عناد کی راہ سے نہیں الحاد کی راہ سے دوری اختیار کی۔

اللہ تعالیٰ سے کوئی مجرم مخفی نہیں رہ سکتا۔ وہ عناد کی راہ سے جرم کا ارتکاب کرے یا الحاد کی راہ سے ـــــ جرم جرم ہے اور آخرت میں اس کی سزا آگ ہے۔

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا أفمن یلقی فی النار خیر من یأتی اٰمناً یوم القیٰمۃ۔ (پ ۲۴، حم سجدہ آیت ۴۰)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ ہماری آیات میں کجی کی راہ چلتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے کیا جو آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے تم جو چاہو کرتے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ سے کسی فرد یا طبقے کا الحاد مخفی نہیں اور وہ اپنے بندوں سے کفر کے ارتکاب پر راضی نہیں تو وہ اپنے نیک بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ وہ اسلامی عقائد کی سرحدوں پہ پہرہ دیں اور حق و باطل کو کبھی مخلوط نہ ہونے دیں۔ اعتقادی فتنوں کا پہلا مرکز عراق تھا۔ یہیں سے شیطان نے سینگ نکالے تو اللہ رب العزت نے یہیں اہل حق کے امام حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے دل میں بات ڈالی کہ فقہ اصغر (مسائل کے استخراج) سے

پہلے فقہ اکبر (عقائد کے تحفظ) کی فکر کریں اور آپ نے عقائد اہل سنت پر ایک نہایت مختصر اور جامع پمفلٹ لکھا جس کی بڑے بڑے علماء شرحیں لکھتے تھک گئے۔ لیکن حق یہ ہے کہ حضرت امام کی یہ دوسری صدی کی مختصر تالیف آج بھی عقائد کے ہر فتنے کے خلاف اسلام کی بانگ درا ہے۔ پھر اس راہ پر امام جعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) نکلے اور آپ نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر عقائد اہل سنت کے گرد ایک اور حصار کھڑا کیا۔ اس کی بھی علمائے کبار نے شرحیں لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں سعودی حکومت کو یہ توفیق بخشی ہے کہ اس نے عقیدہ طحاویہ کو پورے عالم اسلام میں اس محنت اور ہمت سے پھیلایا ہے کہ اسلاف میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس زمانے کے بریلوی ابتداءً صرف بدعت فی الاعمال کے ملزم تھے۔ بدعت فی العقائد سے اہل السنۃ والجماعۃ سے نہ گئے تھے۔ لیکن تعصب بے جا ضروریاتِ دین میں تاویل اور امتداد زمانہ نے ان میں سے بہت کو اب بدعت فی العقائد کے محاذ پر لا کھڑا کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا عبدالسمیع رامپوری (ھ) نے اہل السنۃ والجماعۃ سے فاصلہ اختیار کرنے کے لیے انوارِ ساطعہ کے نام سے جو کتاب لکھی وہ صرف بدعت فی الاعمال کی راہیں ہموار کرنے کے لیے تھی۔ ہنوز بریلویوں نے بدعت فی العقائد کا محاذ نہ بنایا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے مدرسہ دیوبند سے فاصلہ اختیار کرنے کے لیے ان پر چند عبارات کے بے جا الزامات لگائے۔ تاہم اہل السنۃ والجماعۃ سے عقائد کے فاصلے وہ بھی قائم نہ کر سکے۔ علماء دیوبند سے کوئی ایسے اختلافات وہ سامنے نہ لا سکے جنہیں علماء دیوبند بھی تسلیم کر سکیں۔ اور وہ واقعی اختلافات ہوں محض الزامات نہ ہوں۔

تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء حق اہل السنۃ والجماعۃ سے مکمل علیحدگی کے لیے اپنے طریقے کو ایک نئے دین و مذہب کے طور پر پیش کیا اور ان کے معتقدوں اور شاگردوں نے ان کے بعد اپنے عقائد کے ایسے محاذ بنا لیے کہ بریلوی جماعت مستقل طور پر اہل السنۃ والجماعۃ سے کٹ گئی اور آج ان کا تبعہ اور اس کے حواشی مرکزِ اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں خلافِ

قانون قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اب بریلویوں کو اہل السنۃ والجماعۃ سے جن عقیدوں میں اختلاف ہے ان میں یہ پانچ عقیدے سرفہرست ہیں :-

۱. توحیدِ واجب ۲. عقیدۂ نُور ۳. عقیدۂ حضور ونظور ۴. عقیدۂ تفویض

۵. علم غیب ذاتی کی عطا۔

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں ہم ان پانچ عقیدوں کی باری باری تفصیل کریں گے تا معلوم ہو سکے کہ عہد حاضر کے بریلوی لوگ اہل السنۃ والجماعۃ سے کتنی دور جا کھڑے ہوتے ہیں۔ پہلے یہ لوگ بھی کسی نہ کسی درجے میں اہل سنت تھے۔ مگر بریلوی مولویوں نے جب عوام کو ان کے شرک و بدعت پہ ٹوکنے کی بجائے انہیں علمی استناد مہیا کرنا شروع کر دیا تو یہ تاویل کے گہرے پانی میں اتنے دور چلے گئے ہیں کہ اب اہل السنۃ والجماعۃ کے آئینہ میں ان کا چہرہ کہیں نظر نہیں آرہا — اور اس کا ظاہری نشان یہ ہے کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچ کر بھی وہاں کی باجماعت نمازوں سے محروم واپس لوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اصولی فاصلوں کو جاننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو لوگ اس دلدل میں جا گھسے ہیں انہیں توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے۔ مگر تجربہ شاہد ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) لکھتے ہیں :-

قیل ان توبۃ البدعی غیر مقبولۃ وفیئۃ الی الحق بعد الضلال لیست بمامولۃ۔[1]

اس تحریر سے ہمارا مقصد اپنے بچھڑے بھائیوں کی دلآزاری یا تردید نہیں انہیں پھر سے اہل السنۃ والجماعۃ کے پلیٹ فارم پر لانے کی ایک علمی اور فکری کوشش ہے۔ ہمارے بریلوی بھائی اگر ایک ہی بات سمجھ لیں کہ دین وہ ہے جو پہلوں سے آئے علماء کا کام مسئلے بتانا ہے مسئلے بنانا نہیں تو آج بھی یہ خلیج بڑی آسانی سے پاٹ سکتی ہے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

---

[1] تبیین کذب المفتری ص۴۳

پُکار ما فوق الاسباب

پُکار فوق الاسباب

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

جہاں کا کاروبار اسباب سے وابستہ ہے

اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کا سارا سلسلہ اسباب سے وابستہ فرمایا ہے۔ بچہ ماں کی گود میں ہو اور اسے کوئی تکلیف پیش آئے تو وہ ماں کی طرف دوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کو اس کی ضروریات پورا کرنے کے لیے سبب بنایا ہے اور ماں کی یہ مدد تحت الاسباب شمار کی جائے گی۔ پھر جو تکالیف ماں سے بھی دور نہ ہوں تو وہ اپنے باپ کی طرف رجوع کرے گا اور جہاں باپ بھی اس کے درد کا درماں نہ ہو سکے وہ حاکم کی طرف رجوع کرے گا اور جہاں حکام بھی اس کے کام نہ آسکیں اور جملہ اسباب اس کی ضروریات پوری نہ کریں تو پھر اس کی روح اندر سے جاگ پڑتی ہے اور ایک ذات ہے جسے وہ فوق الاسباب پکارتا ہے اور اس ایک کے سوا کوئی نہیں جسے فوق الاسباب پکارا جائے۔ پکار فوق الاسباب یہ صرف اللہ کے لیے ہے۔ وہی ہے جو دور و نزدیک سے ہر ایک کی سنتا ہے اور جو چاہے کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ پکار اس کے عقیدۂ توحید کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ جو شخص اللہ رب العزت کو وحدہ لاشریک یقین کرے گا وہ اس ایک ذات کے سوا کسی کو فوق الاسباب نہ پکارے گا۔ اگر کوئی کسی اور کو فوق الاسباب پکارے تو یہ اس نے اللہ رب العزت کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا۔

کسی دوسرے کو فوق الاسباب پکارنا شرک ہے

یہ پکار فوق الاسباب ہی وہ نقطۂ اختلاف ہے جس پر مشرکین توحید کے قائلین سے جُدا ہوتے ہیں۔ دو خدا کے عنوان سے کوئی کبھی موحدین سے جُدا نہیں ہوا۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اب تک کوئی مشرک دو برابر کے خداؤں کا قائل نہیں گزرا۔ جو بھی شرک کی تاریک وادی میں گرا بڑے خدا کے ایک ہونے کے اقرار کے ساتھ ـــــ اور یہ اس طرح کہ اس نے تصوّر کرلیا کہ یہ اس کے چھوٹے معبود بڑے خدا کی عطائی قوتوں سے اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں وہ اپنے نفع و نقصان کی اُمیدیں ان سے لگائے رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کوئی شرک نہیں کر رہا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کو مصیبت زدگان کی مدد کے لیے پہنچنے کی طاقت خدا نے دے رکھی ہے اور ان کی پاک روحیں اس طرح فوق الاسباب مصیبت زدہ کی مدد کے لیے پہنچتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

اسلام میں جس طرح عبادت کے لائق ہونا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے فوق الاسباب کسی کی مدد کو پہنچنا یہ بھی بس اسی کا کام ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم ہے کہ ہم عبادت بھی اسی ایک کی کریں اور فوق الاسباب مدد بھی صرف اسی ایک سے مانگیں۔

ایّاک نعبد و ایّاک نستعین۔

ہم تجھی ایک کی عبادت کریں اور تجھ سے ہی (فوق الاسباب) مدد مانگیں۔

بریلوی لوگ عبادت میں تو اقرار کرتے ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں لیکن قبروں سے مدد مانگنے اور اپنے نفع و نقصان کی امیدیں باندھنے

میں وہ باقی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں اور یہ شرک کی وہ گہری دلدل ہے جس میں یہ دھنستے چلے جا رہے ہیں اور جو بھی انہیں اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرے اسے کہتے ہیں کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتا ان قبروں والوں کا بے ادب ہے اور گستاخ ہے۔

عزیزانِ من! بات اس طرح نہیں یہ جن بزرگوں کے مزارات ہیں یہ سب انہی عقیدوں پہ تھے جنہیں آج تم دیوبندی عقائد کہتے ہو یہ حضرات شرک سے کوسوں دور تھے آپ کو یقین نہ آئے تو ان حضرات کی لکھی کتابیں پڑھیں۔ یہ اس وقت بھی ان تمام کاموں سے بیزار ہیں جو ان کی قبروں پہ یہ بریلوی کر رہے ہیں اور ان کے نام کی دہائی دے رہے ہیں۔

ہم ملتان حضرت شاہ بہاؤ الحق کے دربار پہ جائیں تو آپ کو دور سے ہی آوازیں سنائی دیں گی۔ شاہ بہاؤ الحق میرا بیڑا دھک۔ قصور حضرت بلھے شاہ کے مزار پہ حاضری دیں تو وہاں بھی حاجت مند اپنی حاجتیں لیے مزار کے سامنے کھڑے نظر آئیں گے۔ لاہور آئیں تو حضرت علی ہجویری کے مزار پہ آپ کو یہی نقشہ ملے گا۔ پاکپتن جائیں تو مزار سے باہر بیٹھے ملنگ آپ کو دکھائی دیتے ہی حضرت باوا فریدالدین سے فریادیں کرتے سنائی دیں گے —— ہر علاقے ہر شہر اور ہر بستی میں یہ بزرگوں کی قبریں ہیں جہاں پکار فوق الاسباب کی صدائیں لگی ہیں اور پھر وہاں ان قسمیں کھانیوالوں کی بھی کوئی کمی نہیں جو اپنے ہر بول پہ یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہماری دین و دنیا کی حاجتیں تو انہی قبروں نے پوری کی ہیں۔

پکار فوق الاسباب صرف خدا کے لیے ہے

قرآن کریم میں پکار فوق الاسباب بندے کی اپنے معبود سے وابستگی بتائی گئی

ہے۔ جب اس لئے کسی کو فوق الاسباب پکارا تو گویا اس نے اسے الٰہ (معبود) مان لیا۔ قرآن کریم کہتا ہے :-

(۱) قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً۔ (پ۲۹ الجن ۲۰)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں تو اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۲) ومن یدع مع اللہ الٰھاً اٰخر لا برھان لہ بہ فانما حسابہ عند ربہ۔ (پ۱۸ المومنون ۱۱۷)

ترجمہ۔ اور جو کوئی خدا کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارے اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے پروردگار کے ہاں ہوگا۔

(۳) والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً اٰخر۔ (پ۱۹ الفرقان ۶۸)

ترجمہ۔ اور جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔

(۴) فلا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر فتکون من المعذّبین۔

(پ۱۹ الشعراء ۲۱۳)

ترجمہ۔ اور آپ اللہ کے سوا کسی اور کو مت پکاریئے ورنہ آپ بھی پکڑ میں آجائیں گے۔

(۵) قل اندعوا من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرّنا۔ (پ۷ الانعام ۷۱)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں کیا ہم مسلمان اللہ کے سوا کسی ایسے کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی نفع دے سکے نہ نقصان ؟

اس سے صاف پتہ چلا کہ پکارا جانے کے لائق وہی ہے جو ہمارے نفع و نقصان کا مالک ہو۔

(۶) والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون (پ۱۴)

ترجمہ۔ اور جن کو یہ (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود پیدا شدہ ہیں۔

معلوم ہوا کہ پکارنے کے لائق صرف وہی ایک ذات ہے جس میں دوسروں کے پیدا کرنے کی طاقت ہو۔ پھر اسی سورت میں آگے فرمایا:۔

(۷) ویعبدون من دون اللہ ما لا یملک لھم رزقًا فی السموٰت و والارض شیئًا۔ (پ۱۴ النحل ۸۶)

ترجمہ۔ اور وہ ایک اللہ کے بعد ان کی بھی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں کسی رزق کے مالک نہیں۔

یہاں پکارنے کا لفظ نہیں عبادت کرنے کا لفظ ہے۔ اس سورت کی آیت ۲۰ میں اسی کو یدعون من دون اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ پکار فوق الاسباب ایک عبادت ہے اور بندہ جب اسے فوق الاسباب پکارتا ہے تو گویا وہ اپنے کو عاجز کر رہا ہے اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔

(۸) اینما کنتم تدعون من دون اللہ۔ (پ۸ الاعراف ۳۷)

ترجمہ۔ اور فرشتے کہیں گے کہاں گئے وہ تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے؟

(۹) قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضرّ عنکم ولا تحویلًا۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۵۶)

ترجمہ۔ آپ کہیں اللہ کے سوا تم جن کو معبود بنائے بیٹھے ہو ان کو پکار دیکھو وہ تم سے ہرگز کسی تکلیف کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ اسے کچھ

بدل سکیں گے۔

معلوم ہوا پکارنے کے لائق وہی ہے جس کے ہاتھ میں حالات بدلنے کی قوت ہو اور وہ انسان کے نفع و نقصان کا مالک ہو جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں وہ تو انسانوں کی موت و حیات یا نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

(۱۰) امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء ..... ء الٰہ مع اللہ ۔ (پ ۲۰ النمل ۶۱)

ترجمہ۔ کون ہے جو کسی بے قرار کی سنے جب وہ اسے پکارے اور وہ اس کے دکھ کو دور کرے ...... کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

قرآن کریم کی یہ دس آیتیں پکار کر کہہ رہی ہیں کہ پکار فوق الاسباب کے لائق صرف ایک اللہ ہے وہی ہے جو پکارنے والے کے دکھ کو دور کرسکتا ہے اور وہی الٰہ (معبود) ہے جسے فوق الاسباب پکارا جائے اور وہ کسی دکھی اور غمزدہ کی پکار سن سکے۔

نہایت تعجب کی بات ہے کہ بریلوی خدا کے ایک ہونے کے دعوے میں تو ہمارے ساتھ ہیں لیکن جب پکار فوق الاسباب کی بات آجاتے تو ان کی نظریں اچانک ان قبروں کی طرف پھر جاتی ہیں جو ان کے تصور میں اپنے اپنے علاقے میں ایک بڑے خدا کی نگرانی میں بریلویوں کی حاجت روائی کررہی ہیں ——

اس اختلاف پر اس جہت سے نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے ابھی تک اسلام کے عقیدہ توحید کو نہیں سمجھا۔ ورنہ وہ اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور اسی ایک کے فوق الاسباب پکارا جانے کے لائق ہونے میں کوئی تغائر محسوس نہ کرتے اور برملا کہتے کہ جو فوق الاسباب پکارا جانے کے لائق ہے وہ

وہی ایک ہے جو ہم سب کا خدا ہے اور وہی ایک ہے جو عبادت کے لائق ہے اور وہی ایک ہے جسے ہم فوق الاسباب پکار سکتے ہیں اور وہ ہم بے کسوں کی سنتا ہے اور ہمارے دُکھ دور کر سکتا ہے۔

جب کوئی سبب اور ذریعہ دکھائی نہ دے

سلسلہ اسباب ٹوٹنے کی کامل ترین صورت وہ ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کو پیش آئی رات کی تاریکی ذرائع کو آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لیے کافی تھی پھر زمین کے اُوپر انسان کو کوئی سبب سجائی دے سکتا ہے لیکن دریا کی تاریکی میں نظر کہاں جائے اور وہاں بھی کسی طور پر نہیں آپ مچھلی کے پیٹ میں تھے اسباب اور ذرائع کے ٹوٹ جانے کا اس سے زیادہ واضح منظر کیا ہوگا ؟ کوئی ذریعہ اور سبب نہ ہونے کے اس حال میں اور ان تہ در تہ اندھیروں میں حضرت یونس علیہ السلام مدد کے لیے کس کو پکارتے ہیں ؟ پکار فوق الاسباب کی اس سے زیادہ دلآویز تصویر اور کیا ہوگی. قرآن کریم میں ہے :-

وذا النون اذ ذهب مغاضبًا فظن ان لن نقدر عليه فنادىٰ في الظلمٰت ان لآ اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين ٥ فاستجبناله ونجيناه من الغم وكذٰلك ننجي المؤمنين ٥ وزكريا اذ نادىٰ ربه رب لا تذرني فردًا وانت خير الوارثين ٥ فاستجبنا له ووهبنا له يحيٰى واصلحناله زوجه انهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبًا ورهبًا وكانوا لنا خاشعين ٥ (پ الانبیاء)

نوح علیہ السلام نے فوق الاسباب کس کو پکارا تھا ؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے فوق الاسباب کس کو پکارا یہ اس آیت سے پہلے بیان ہو چکا اب اس مچھلی والے کی پکار فوق الاسباب بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ آیاتِ مذکورہ کا ترجمہ پڑھیئے :-

ترجمہ۔ اور یاد کیجیے اس مچھلی والے کو۔ جب وہ غصہ میں نکلا۔ اس نے سمجھا کہ ہم (اس بستی کے باہر) اس پر کوئی دارو گیر نہ کریں گے۔ پھر اندھیروں میں اس نے آواز دی کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے ہر کمزوری سے میں قصوروار تھا۔ پھر سُن لی ہم نے (اس کی پکار) اور اسے اس غم سے نکالا اور اسی طرح (فوق الاسباب) ہم مومنین کو بچاتے ہیں۔ اور زکریا کو بھی یاد کیجیے جب اس نے پکارا اپنے رب کو اور بخشا ہم نے اس کو یحییٰ اور اچھا کر دیا اس کے لیے اس کی زوجہ کو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں پہل کرتے تھے اور پکارتے تھے ہم کو اُمید اور خوف میں گھرے ہوئے ہمارے آگے وہ (اپنی) عاجزی ظاہر کرتے رہے۔

پکار فوق الاسباب کی مثال دریا کے پیٹ اور پھر مچھلی کے پیٹ سے آواز دینے سے بڑھ کر اور کیا ہو گی ــــ حضرت زکریا کی بیوی اگر بانجھ نہ ہوتی تو بیٹے کی پیدائش اسباب عادیہ میں سے تھی اور اب جبکہ آپ پر بڑھاپا غالب ہے ہڈیاں کمزور پڑ چکیں سر سفیدی کے شعلے مار رہا ہے بیوی بانجھ ہو چکی ان حالات میں آپ کی اللہ رب العزت کے حضور بیٹے کی پکار واقعی پکار فوق الاسباب ہے۔ یہ صرف ایک دو نبیوں کی بات نہیں اس سورت کا نام ہی سورۃ الانبیاء ہے۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ تمام انبیاء کرام فوق الاسباب صرف اسی ایک کو پکار رہے ہیں اور حضرت یونس نے اس فوق الاسباب پکار میں اللہ رب العزت کو معبود کہہ کر ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات کھلے طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ پکار فوق الاسباب واقعی ایک عبادت ہے اور جو شخص اپنی کسی مصیبت میں اسباب عادیہ سے بالا کسی ولی یا نبی کو پکارتا ہے وہ اسے خدا کے ساتھ شریک کر رہا ہے کہ اس کا جو معاملہ صرف ایک رب سے ہونا چاہیئے تھا اس نے وہ ان ولیوں اور نبیوں سے قائم کر رکھا ہے حضرت زکریا نے بھی جب فوق الاسباب اپنے رب کو پکارا تو اسے رب کہہ کر پکارا کہ شانِ اُلوہیت

اور شانِ ربوبیت صرف ایک ذات ہے، اور یہ اس کا حق ہے کہ اسے فوق الاسباب پکارا جائے۔

مشرکین پر شرک کا حکم کیسے لگا

مشرکین پر شرک کا حکم صرف اس پیرایہ میں نہیں لگا کہ وہ بتوں درختوں پتھروں یا آگ اور پانی کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی فوق الاسباب پکار کو بھی ایک پیرایہ عبادت قرار دیا ہے اور مشرکین کے اس عمل کو شرک کہا ہے۔

دیکھیئے پ الانعام ع ، پ۱۷ الحج ع ۱۰، پ۲۲ سبا ع ۳، پ۲۴ الزمر ع ۴، پ۲۶ الاحقاف ع ۱ قرآن کریم میں بیسیوں مقامات میں مشرکین کا شرک یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنی مشکلات اور مصائب میں اور اپنے نفع و نقصان میں اپنے بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اللہ رب العزت نے ان کی اس فوق الاسباب پکار کو شرک قرار دیا ہے:

ذلکم اللہ ربکم لہ الملک والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیٰمۃ یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر۔ (پ۲۲ الفاطر ع ۲)

ترجمہ: یہ اللہ ہے رب تمہارا۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اور جن کو تم اس کے سوا اپنے نفع و نقصان (فوق الاسباب) پکارتے ہو وہ گٹھلی کے ایک چھلکے کے (پیدا کرنے کے) بھی مالک نہیں بنائے گئے۔ اگر تم ان کو پکارو وہ تمہاری پکار نہ سن سکیں گے اور سن بھی لیں تو تمہاری بات کو نہ پہنچ سکیں گے اور قیامت کے دن وہ تمہارے اس شرک سے لاتعلق ظاہر کریں گے اور تجھے کوئی یہ نہ بتا سکے جیسا کہ اللہ خبیر تمہیں بتلا رہا ہے۔

اس آیت میں ان مشرکین کے اپنی تکالیف اور مصیبتوں میں اس فوق الاسباب پکارنے کو صریح طور پر شرک کہا ہے۔

پکار فوق الاسباب عقیدۂ توحید کا جُزو ہے

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس پکار فوق الاسباب کے مسئلے کو واضح کرنے کے لیے اسلام کے عقیدہ توحید کو کچھ بیان کردیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح انسان عبادت کے لائق صرف ایک خدا کو جانتا ہے وہ فوق الاسباب مدد کے لیے بھی صرف اسی ایک کو پکارے اور وہی ایک ہے جو ہر ایک کی فریاد فوق الاسباب دور اور قریب سے برابر سنتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔

بریلویوں کی تاویل کہ بڑا خدا تو واقعی ایک ہے لیکن اس کی عطائی قوتوں سے ہر علاقے میں کچھ قبریں ہیں جو انسانوں کے نفع ونقصان موت وحیات اور تندرستی اور بیماری کی مالک ہیں اور وہ بڑے خدا کی عطا سے بریلویوں کی مدد کو پہنچتے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں۔

عالمی حیثیت میں بریلویوں کا یہی تعارف ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے:-

> اور چونکہ آپ حاضر و ناظر، عالم الغیب اور نور ہیں اس لیے بریلوی حضرات کے نزدیک آپ سے مدد مانگنا، آپ کو پکارنا اور یارسول اللہ کا نعرہ لگانا جائز ہے آپ کو مدد کے لیے جو پکارتا ہے اس کی آپ سنتے ہیں اور مدد کو پہنچتے ہیں۔[1]

اب ہم اسلام کے عقیدہ توحید کو کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ اس روشنی میں شاید ہی بریلوی آپ کو کہیں نظر آئیں — تاہم اس سے ہمارے

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص۴۸۵

قارئین بآسانی سمجھ پائیں گے کہ بریلویوں کے عقیدۂ توحید میں اور مشرکین مکہ کے عقیدہ توحید میں شاید ہی کوئی فرق ہو۔ البتہ یہ امتیازی شان جو قرآن میں ذکر کی گئی ہے، آپ کو ان میں تو ملے گی لیکن ان کو آپ اس حال میں بھی کسی نہ کسی بزرگ سے اپنا بیڑا پار کراتے پائیں گے۔ قرآن کریم میں ان کے اخلاص کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:-

فاذا رکبوا الفلك دعوا اللّٰه مخلصين له الدّين۔

(پ۲۱ العنکبوت، ۶۵)

ترجمہ۔ سو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو ایک اللہ کو ہی پورے اخلاص سے پکارتے ہیں۔

مگر ان کی کشتی جب کہیں گھر جائے تو یہ اس وقت بھی اہلِ مزار کو پکارتے ہیں خدا کو نہیں ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی　　مدد کن یا معین الدین چشتی

ترجمہ۔ میری کشتی بلاؤں کے بھنور میں گھر چکی ہے اے خواجہ معین الدین میری مدد فرمائیں۔

وھا انا اشرع فی البیان وھو المستعان وعلیه التکلان۔

اسلام کا عقیدۂ توحید

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

الباب الاوّل — اہلسنّت کا عقیدۂ توحید

اسلام کا سب سے اہم اور ممتاز عقیدہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان ہے اور یہی فطرت کی وہ صدا ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام قوتوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اسلام کے اس عقیدے نے ہندوستان کی قدیم اقوام کو وہ اجرام فلکی پوجنے والے ہوں یا آگ اور پانی کے پوجنے والے — چینی ہوں یا بدھ — ہندو ہوں یا اور کوئی مشرک قوم، تاریخ کے ایک مختصر دور میں اپنی علاقائی اصل سے دور اور اسلام کے عقیدۂ توحید سے پُرنور کر دیا تھا اور پھر جدھر بھی وہ مسلمان اپنی اس فطری صدا کو لے کر گئے مقبولیتِ عامہ نے ان کے قدم چومے اور دیکھتے دیکھتے اسلام ہندوستان کا ایک عظیم مذہب بن گیا اس کا طرۂ امتیاز یہی عقیدۂ توحید تھا جس نے ہندوؤں کو مجبور کیا کہ وہ سناتن دھرم میں ترمیم کریں ہندوستان میں آریہ سماج نے جنم لیا یہ وہ دور ہے کہ ابھی اسلام اور دوسرے جاہلی مذاہب کے اختلاط سے مسلمانوں میں نئے نئے فرقے نہ بنے تھے۔ بوصحیح پیرو اسلام بننے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے عقیدۂ توحید کو اس کے اصول و فروع اور احکام و رموز سے پہچانیں اور علم و عمل کا کوئی ایسا پیرایہ اختیار نہ کریں جس سے اسلام کا یہ چشمہ گدلا ہونے کے خطرہ میں ہو۔

اس وقت ان مباحث میں ہمارا رُخ غیر مسلم قوموں کی طرف نہیں ہے—

ہمارے پیش نظر زیادہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں. اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے مدعی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر مانتے ہیں اور تاریخ کا اپنا امتیازی نام اہل السنۃ والجماعۃ دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس پر ناز کرتے ہیں — لیکن زمانے کی بوقلمونی اور مغربی سیاست کے سائے انہیں کہاں سے کہاں لے آئے ہیں یہ بات آپ پر آگے کھلے گی.

② اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا بیان

اللہ تعالیٰ ایک ذات ہے اور اس کی کئی صفات ہیں وہ ذات واجب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ ممکن الوجود ہے کہ نہ اس کا ہونا ضروری ہے اور نہ نہ ہونا ضروری ہے لیکن ذاتِ واجب کے بارے میں ایسے تصور کو کوئی راہ نہیں. واجب الوجود صرف اسی کی ذات ہے اور باقی ہر چیز کے وجود میں صرف اسی کا ہاتھ ہے. ہم سب اپنے وجود اور بقا میں اس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے اسے کسی کا احتیاج نہیں — بادشاہ اپنی حکومت چلانے میں وزیروں اور اپنے عملے کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بھی تو ایک انسان ہے. لیکن اللہ تعالیٰ اپنا نظام چلانے میں کسی کا محتاج نہیں یہ اس کی حکمتیں ہیں کہ اس نے فرشتوں اور انسانوں کو اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے. کائنات کا نظام چلنے میں اس کی صفات کا ظہور ہے اور اس کے اسماء حسنیٰ کی مطابقت سے یہ کائنات کے کارخانے چل رہے ہیں. قرآن کریم کی رُو سے غنی صرف اسی کی ذات ہے. ہم سب فقراء ہیں اور اس کے محتاج اور سراپا احتیاج.

وحکمۃ وصف الذات للحکم اجرت　　　علی حسب الاسماء تجری امورھم

یہ صفات اس کی ذات کا غیر نہیں اور یہ کائنات ان کا ظہور ہے۔ یہ بتلا رہا ہے
کہ وہ ایک ہے جس کے بے شریک ہاتھوں میں کائنات کی تدبیر ہے۔ یدبر الارض
من السماء الی الارض اس کی شان ہے۔ اس کی ذات ایک ہے اور ایک بطور ایک ہے
بطور ایک یونٹ کے نہیں۔ عیسائی خدا کو ایک یونٹ کے طور پر ایک مانتے ہیں جس میں
سا تین اقنوم ہیں اس لیے ان کا عقیدہ توحید کہلاتا ہے
لیکن اسلام کی رو سے اللہ رب العزت ایک ذات ہے اور ہم سب اس کی
میں یقین کرتے ہیں۔ رہیں اس کی صفات تو وہ متعدد ہیں۔
لیکن وہ سب ایک پیرائے میں ہیں اس کا غیر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس
کی صفات میں اور اس کے افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

۳ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کی ضرورت ہے

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اسباب سے بسایا ہے۔ انسانوں کی عام ضرورتیں
اسباب پوری ہوتی ہیں اور انسان ان اسباب کو صحیح طور پر ترتیب دینے اور
ان کے ذریعہ اپنی ضرورات کو پورا کرنے میں دن رات کام کر رہے ہیں لیکن بارہا نہیں
ایسے حالات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اسباب سب رہ جاتے ہیں اور وہ سراپا
محتاج ایک بے بس قالب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں انسان ایک ایسی ہستی
کی طرف دیکھتا ہے جسے وہ فوق الاسباب آواز دے سکے وہ سامنے نہ بھی نظر
آئے تو وہ اسے پکارے کوئی سننے والا نہ ہو تو بھی وہ اسے آواز دے ایمان ہے جو
اس بے سہارا کو سہارا دے رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ کوئی سننے والا ہے اور اسے
دیکھنے والا ہے۔ یہ فوق الاسباب استمداد اس ایک ذات سے ہی متعلق ہو سکتی
ہے جس کا کوئی شریک نہ ہو۔ انسان تمام دنیوی اسباب کو اس کے ماتحت سمجھے

اور وہ خود کسی سبب اور واسطے کے ماتحت نہ ہو۔

جو انسان کسی ایسی ہستی پر اعتقاد نہ رکھتا ہو جسے وہ اسباب سے بالا ہو کر کبھی پکار سکے تو وہ زندگی کے مایوس لمحوں میں سراپا موت ہو گا اسے اس زندگی میں زندہ نہ سمجھا جا سکے گا۔ یہ صرف امید کی ایک کرن ہے جو اُس کا رخ اللہ رب العزت کی طرف پھیرتی ہے اور وہ اس میں جی کر جیتا ہے اور اسے چھوڑ کر مرتا ہے۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کو واقعی ایک ہستی کی طرف راہ چاہیئے جسے وہ اسباب سے بالا رہ کر بھی آواز دے سکیں اور وہ ان سب کی سنتا ہو۔ انسان کی یہ فریادرسی صرف ایک الٰہ سے پوری ہوتی ہے اور یہ والہانہ نیازمندی صرف ایک ذات سے ہی متعلق ہو سکتی ہے یہ فوق الاسباب نیازمندی اور صدائے استمداد خود ایک عبادت ہے اور اسے ایاك نعبد وایاك نستعین میں عبادت کے ساتھ ہی رکھا گیا ہے۔ جو شخص ضرورت کے وقت کسی مخلوق کو ما فوق الاسباب پکارتا ہے اور اسے اپنا فریادرس اور حاجت روا جانتا ہے وہ یقیناً اسے اللہ رب العزت کے ساتھ شریک کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ مقام صرف ایک الٰہ کا ہے کہ بندے اسے ما فوق الاسباب اپنی مدد کے لیے پکاریں۔

یہاں بریلوی عوام عقیدہ اہلسنت سے یکسر ہٹ جاتے ہیں جب ان کے علماء انہیں یہ راہ دکھلاتے ہیں کہ وہ فوق الاسباب ان لوگوں کو بھی آواز دے سکتے ہیں جو خود آج قبروں میں آرام فرما ہیں اور وہ دور سے ان کی فریاد فوق الاسباب سُنتے ہیں۔

یہی وہ تاریک راہ ہے جو ان علماء نے اپنے عوام کو سجھائی ہے۔ یہ علماء تو کوئی باریک سی تاویل کر کے خود اس کی تاریکی سے نکل جاتے ہیں لیکن عوام تو ان باریک تاویلات کے متحمل نہیں ہوتے اور یہ لوگ انہیں اپنے اسی ورطے میں

چھوڑتے ہیں جس میں آج سینکڑوں افراد محروم الایمان ہو کر قبروں میں جارہے ہیں اوران کے علماء کو ان پر کوئی رحم نہیں آتا۔ یہ ان کے جنازے بھی پڑھلتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے ان کے کندھوں پر کفر و شرک کا کتنا بوجھ لاد کر انہیں اس دنیا سے رخصت کیا ہے بے رحمی کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ

اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات ایسی ہیں کہ ان کی ضد اس میں نہیں پائی جاسکتی وہ اس کی صفاتِ ذات ہیں جیسے اس کی صفت علم، حیات، قدرت، ارادہ، کلام، اور سمع و بصر ہے اب ان کی اضداد جیسے جہل، عدم حیات، عجز وغیرہ ان کا اس کے بارے میں اقرار نہیں کیا جاسکتا اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کی ضد بھی اس میں موجود ہے۔ احیاء اس کی صفت ہے تو اماتت بھی اس کی صفت۔ وہ زندہ کرتا ہے تو مارتا بھی ہے۔ شفا دیتا ہے تو مریض بھی کرتا ہے یہ اس کی صفاتِ فعلیہ ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا کوئی کسی صفت میں اس کا شریک نہیں۔ تو لازم ہے کہ ہم بیمار کرنے والا اور شفا دینے والا اور زندگی دینے والا اور موت دینے والا، اولاد دینے والا اور نہ دینے والا اسی ایک کو سمجھیں جسے ہم خدا کہتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ سمجھیں کہ اس نے عطائی طور پر اپنی یہ صفتیں اپنے پیارے بندوں کو بھی دے رکھی ہیں تو پھر کھلے طور پر اس عقیدے کا اعلان کر دینا چاہیئے کہ انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ میں اس کے شریک ہیں اور اس نے خود ہی ان کو یہ طاقتیں بخش رکھی ہیں۔ وہ عطائی طور پر اس کی ان صفات میں اس کے شریک ہیں۔

استغفراللہ من جمیع محال الشرک وا داتہ۔

⑤ کائنات کو بنانا اور چلانا دونوں صرف خدا کی قدرت میں

کائنات کو پیدا کرنا (جو اس کی صفت خلق کا ظہور ہے) اور پھر اس میں اپنا تصرف کرنا اس میں امر (حکم و اذن) نافذ کرنا یہ دونوں کام ایک اللہ رب العزت کے ہاتھوں ہی میں ہیں۔ جن امور کو اس نے اسباب سے وابستہ فرمایا ہے ان میں بیشک اسباب عمل میں آتے ہیں مگر ان میں بھی اللہ تاثیر فرماتا ہے تو یہ سلسلہ چلتا ہے۔ ورنہ اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تاثیر اللہ نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھی ہے بندے عمل کرتے ہیں اور وہ ان کے عملوں کو تخلیق بخشتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

خلقکم وما تعملون۔ (پ ۲۳ الصافات ۹۶)

ماتعملون کا عطف کم کی ضمیر مفعول پر ہے۔ ہمارے کام اچھے ہوں یا برے گو ان کا کسب کرنے والے ہم ہیں مگر ان سب کا خالق اللہ ہے اور وہی ایک ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے:۔ اللہ خالق کل شیء۔ (پ ۲۴ الزمر ۶۲)

بریلویوں کا یہ عقیدہ کہ کائنات کو پیدا تو خدا نے کیا ہے لیکن اب اسے قبریں چلا رہی ہیں اور ہر علاقے میں بڑے درویش زیر زمین یہ سارا کاروبار کر رہے ہیں اور انہی کے تصرف سے دنیا چل رہی ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بالکل غلط ہے اور صریح شرک ہے۔

خلق اور امر دونوں اس کے ہاتھ میں ہیں

قرآن کریم میں ہے:۔

الا له الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین۔ (پ ۸ الاعراف ۵۴)

ترجمہ. سُن لو اسی کا کام پیدا کرنا ہے اور اسی کا کام حکم کرنا ہے بڑی برکت والا ہے اللہ جو سب جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے۔

اس سے پہلے زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر عرش الٰہی کا ذکر ہے پھر رات اور دن کے آگے پیچھے آنے کا بیان ہے اور سورج چاند اور ستاروں کی تسخیر کا بیان ہے پھر اعلان ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں. اب یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کائنات کی پیدائش تو صرف اس کے ہاتھوں ہوئی اور اب اس کو صرف قبروں والے چلا رہے ہیں اور خدا (معاذ اللہ) ایک طرف چھٹی کیے بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ اب بندوں کے لینے دینے سے فارغ ہو چکے ہیں (استغفر اللہ)

غلت ایدیھم بل یداہ مبسوطان۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بھی لکھ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو چلانے کا کام ہرگز کسی کے تفویض نہیں کیا. وہی اسے بنانے والا ہے اور وہی اسے چلانے والا ہے؛ پہلے ہم یہاں حضرت الشیخ عبد القادر جیلانیؒ کا بیان قلمبند کرتے ہیں اور پھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ـــــ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں اور بریلویوں کے عقیدہ میں کتنا بڑا فرق ہے۔

حضرت الشیخ عبد القادر جیلانی (۵۶۱ھ) شیعوں کے فرقہ مفوضہ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

واما المفوضۃ فھم القائلون ان اللہ تعالیٰ فوض تدبیر الخلق الی الائمۃ وان اللہ تعالیٰ قد اقدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی علی خلق العالم وتدبیر الخلق وان کان ما خلق اللہ من ذلک شیاءً وکذلک قالوا فی حق علی[1]

---

[1] غنیۃ الطالبین جلد ا صـ

ترجمہ: شیعوں کے فرقہ مفوضہ کے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر کائنات اماموں کے سپرد کر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تخلیق جہاں اور تدبیر کائنات پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری قدرت دے رکھی ہے گو اس میں کچھ چیزیں اس نے بھی پیدا کر رکھی ہیں اور وہ حضرت علیؓ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس بحث میں کہ خلق وامر کا نظام کیا اس اکیلے کے ہاتھ میں ہے:-

لفظ امر قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا ہے اور اس کے معنی کی تعیین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے۔ آیت الا له الخلق والامر میں خلق کو امر کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک خلق اور دوسرا امر دونوں میں کیا فرق ہے اس کو ہم سیاق آیت سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے فرمایا۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام (اعراف رکوع ۷) یہ تو خلق ہوا اور درمیان میں استواء علی العرش کا ذکر کر کے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے۔ فرمایا یغشی اللیل النہار یطلبه حثیثاً والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره (الاعراف رکوع ۷) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین و محکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصرف کہہ سکتے ہیں یہ امر ہوا۔ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن (طلاق رکوع ۲) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف

قسم کی مشینیں لگی ہوں کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے کسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیرہ ذالک. ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے اور لگاتے جاتے ہیں. پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے. جب تمام مشین فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے. آن واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں. یہ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت کے مطابق گھماتی ہے. حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیئات اور رنگ اختیار کر لیتی ہے.

اس مثال میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اس کے کل پرزوں کو ٹھیک اندازہ پر رکھنا پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لیے ایک دوسری چیز (بجلی یا سٹیم) اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام زمینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے تقدیر کہتے ہیں. قدرہ تقدیرا سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے تصویر کہتے ہیں. خلقناکم ثم صورناکم (الاعراف رکوع ۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے. اب ضرورت

تھی کہ جس مشین کو جس کام پر لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کے لیے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے۔ الخالق البارئ المصوّر (الحشر رکوع ۳) وفی الحدیث خلق الحبّة وبرأ النسمة وفی سورة الحدید من قبل ان نبرأها ای النفوس کما هو مروی عن ابن عباس وقتادة والحسن غرض ادھر سے حکم ہوا چل فوراً چلنے لگی۔ اسی امر الٰہی کو فرمایا۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون (یٰسین رکوع ۵) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر کن کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوا اشارہ ہوا خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون (آل عمران رکوع ۶) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں کن فیکون کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گزرتا ہے کہ کلمہ کن کا خطاب خلق کے بعد تدبیر و تصرف کے لیے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم

بہرحال میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں امر کے معنی حکم کے ہیں اور وہ حکم یہ ہی ہے جسے لفظ کن سے تعبیر کیا اور کن جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جس طرح ہم اس کی تمام صفات (مثلاً حیات سمع وبصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہ ہی مسلک رکھنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی ص ـــ)

اکابر اہل سنت حضرت شیخ جیلانی اور حضرت علامہ عثمانی کی ان تشریحات سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے خلق و امر پر اسی کا قبضہ ہے اسی نے جہان کو بنایا ہے اور وہی اکیلا اسے چلا رہا ہے۔ اس کے پیدا کردہ اسباب سب اس کے ماتحت ہیں اس نے جہان کی تدبیر کرنے اور چلانے کی چابیاں کسی کے سپرد نہیں کیں ـــ سو بریلویوں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ اس جہان کو اب قبروں والے ہی چلا رہے ہیں۔

⑥ اللہ کی ذات میں کوئی کسی کو شریک نہیں کرتا

بریلوی علماء اپنے عوام کو توحید کا بس یہی عقیدہ بتاتے ہیں کہ بڑا خدا اس ایک خدا کے سوا کوئی نہیں اور پھر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو عطائی کی اوٹ میں جھٹ اس کی صفات میں شریک کر دیتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ ذاتی طاقت سے کسی کو اولاد دیتے ہیں اور یہ پیر و فقیر خدا کی عطائی قوت سے اپنے حلقے میں آنے والوں کو اولاد مرحمت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر کسی کو بیماری اور شفا دیتے ہیں اور یہ پیر و فقیر عطائی طور پر لوگوں کو بیمار کرتے ہیں اور شفا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ علم ذاتی سے غیب کی ہر بات کو جانتے ہیں اور انبیاء و اولیاء علم عطائی سے ہر غیب کو معلوم کر لیتے ہیں۔

افسوس! یہ لوگ کبھی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ذاتی طور پر تو کوئی فرقہ بھی خدا کی خدائی میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جن مشرکین نے شرک کی راہیں اختیار کیں وہ بڑے خدا کی ماتحتی میں ہی چھوٹے خداؤں کو لے کر چلے ہیں۔

ہم یہاں دو عقیدوں کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں:۔

① عیسائیوں کے عقیدے کا اور

② مشرکین عرب کے عقیدے کا۔

کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت ود اور حضرت سواع اور حضرت یغوث اور حضرت یعوق رحمۃ اللہ علیہم کو ذاتی طور پر خدا کے ساتھ شریک کرتے تھے یا اس کے ماتحت رکھ کر انہیں اس کی خدائی میں شریک کرتے تھے۔ امام رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

اعلم انه ليس فى العالم احد اثبت لله شريكا يساويه فى الوجود والقدرة والعلم والحكمة وهذا مما لا يوجد الى الأن۔

ترجمہ۔ جان لو کہ دنیا میں اب تک کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوا جو کسی کو

خدا کے ساتھ برابر کا شریک کرے اسے وجود میں قدرت میں علم میں اور حکمت میں اس کے برابر مانے ایسا مشرک اب تک کہیں نہیں پایا گیا۔[۱] سو جو مشرکین بھی اب تک ہوئے وہ عیسائی ہوں یا مشرکین عرب سب ایک کو بڑا خدا مان کر دوسروں کو اس کی عطا سے خدائی رنگ دیتے تھے۔ اب یہاں عیسائیوں اور مشرکین عرب کا کردار ملاحظہ فرمادیں اور پھر سوچیں کہ کیا بریلوی ان سے کچھ چند اینچ بھی پیچھے ہیں؟ آپ سوچتے سوچتے تھک جائیں گے اور ان میں سے ایک بھی آپ کو اس شرک سے باہر نظر نہ آئے گا۔

عیسائیوں کا عقیدۂ توحید بائبل کے الفاظ میں

(۱) اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں ٥ جو کام تو نے مجھے کرنے کو دیا تھا اس کو تمام کر کے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا۔[۲]

(۲) میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں۔ اگر میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں۔[۳]

عطائی قوت کی تاویل سے شرک کی آبیاری

اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی عزت کرتے ہیں۔[۴]

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ [۲] انجیل یوحنا باب ۱۷ ورس ۳، ۴ [۳] یوحنا باب ۵ ورس ۳۰
[۴] یوحنا باب ۵ ورس ۲۲، ۲۳

مشرکین عرب کا عقیدہ توحید اُن کے اپنے الفاظ میں

(۱) ولئن سالتھم من خلق السمٰوات والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم۔ (پ۲۵ الزخرف ۹)

ترجمہ۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ضرور کہیں گے بے شک انہیں اس ایک ذات نے پیدا کیا جو طاقت والا بھی ہے اور علم والا بھی۔

(۲) قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون سیقولون للہ۔ (پ۱۸ المؤمنون ۸۴)

ترجمہ۔ آپ ان سے پوچھیں اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ یہ زمین اور اس میں جو بھی ہیں ان کا مالک کون ہے یہ بول اٹھیں گے یہ سب اللہ کی ملکیت ہیں۔

(۳) قل من یرزقکم من السماء والارض أمن یملك السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۱)

ترجمہ۔ آپ ان سے پوچھیں کون ہے جو آسمان وزمین سے تمہیں رزق دیتا ہے اور کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور کون ہے جو مردوں کو زندوں سے پیدا کرتا ہے اور مردوں کو زندوں سے نکالتا ہے اور کون ہے جو کائنات کی تدبیر کرتا ہے؟ یہ سب کہیں گے ایک اللہ۔

(۴) ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی۔ (پ۲۳ الزمر ۳)

ترجمہ. ہم ان جھوٹے خداؤں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب لے جائیں.

مشرکین کے اس عقیدے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذیؒ نے حضرت حصین سے نقل کیا ہے. آپ ایک دفعہ اپنے دور جاہلیت میں آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے پوچھا تم کتنے معبودوں کی روزانہ عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا سات کی. ایک آسمان پر ہے اور چھ زمین پر ہیں — آپ نے ان سے پوچھا کہ جب تم امید اور ڈر میں لٹکے ہو تو اس اضطراب میں تم کسے کام بنانے والا سمجھتے ہو. حصین نے کہا آسمان والے کو معلوم ہوا کہ وہ بھی اس ایک کو ہی اپنا بڑا الٰہ سمجھتے تھے اور باقی سب اس کی عطا سے اس کا کاروبار چلاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصین سے پوچھا تھا :-

فبایھم تعدّ لرغبتك و رھبتك قال الذی فی السماء[1]

آپ نے فرمایا اگر مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں ایسے موقعہ کے لیے دو کلمے سکھا دوں — آپ جب مسلمان ہوتے تو حضورؐ نے انہیں وہ دو کلمے بتا دیے — اسے امام احمد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے.

حج کے موقعہ پر مشرکین یہ تلبیہ پکارتے تھے :-

لبیك لا شریك لك الا شریکا ھو لك تملکه وما ملك[2]

ترجمہ. ہم حاضر ہیں تیرے پاس ہیں اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہی کہ تو ان کا بھی مالک ہے اور ان کے تمام املاک کا بھی.

---

[1] ترمذی جلد ۲ صد ۱۸۶

الباب الثانی

① الفاظ کے لغوی معنی سے اصطلاحات میں تشکیک پیدا کرنا

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات سات یا آٹھ ہیں. آٹھویں صفت تکوین ہے. اشاعرہ اس کو ارادہ کے ساتھ شامل کرتے ہیں. بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں ہیں جو اس نے کسی مخلوق کو نہیں دیں مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں :-

چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے۔ ۱. وجوب. ۲. قدم. ۳. خلق. ۴. نہ مرنا. دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہو سکتی ہے۔[۱]

پھر مولانا محمد عمر اچھروی آئے تو انہوں نے ان چار میں سے دو اور کم کر دیں. آپ لکھتے ہیں :-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں دونوں صفات موجود ہیں. ۱. صفت خلق بھی اور. ۲. اور صفتِ حیات بھی۔[۲]

مولانا محمد عمر کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے. حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا :-

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرًا باذن اللہ۔ (پ۳ آل عمران ۴۹)

ترجمہ. میں بناتا ہوں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت پھر اس میں پھونک لگاتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔

---

[۱] جاء الحق صد ۱۲۲ [۲] مقیاس حنفیت صد ۵۷

ظاہر ہے کہ یہاں لفظ اخلق پیدا کرنے کے معنی میں نہیں بنانے کے معنی میں ہے. حضرت عیسیٰ مٹی سے صرف مورت بناتے تھے پرندے پیدا نہیں کرتے تھے. وہ مورتیں اگر پرندے بنتیں تو اللہ کے حکم سے اور ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ایک خدا ہی ہو سکتا ہے. پیدا کرنے کی قوت اور کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا یہ صرف اللہ کی صفت ہے. حضرت عیسیٰ ان چیزوں کو پیدا کرنے والے تھے.

ہم بریلوی عوام کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں وہ دیکھیں اور سوچیں کہ ان کے مولوی انہیں کس طرح محروم الایمان کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوتے ہیں. وہ خود تو سمجھتے ہوں گے کہ یہاں لفظ اخلق (میں پیدا کرتا ہوں) اپنے اصلی معنی میں نہیں صرف مورت بنانے کے معنی میں ہے لیکن وہ اپنے عوام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو خدا نے اپنی صفت خلق بھی اپنے پیاروں کو دے رکھی ہے. اب ان کے جو کم تعلیم یافتہ لوگ ان کتابوں کو پڑھتے ہوں گے ان کے ایمان پر کیا گزرتی ہو گی اسے ان کے یہ بے رحم علماء شاید کبھی سوچتے بھی نہ ہوں. پھر اس آیت میں ان مورتوں کے پرندہ بننے کے لیے صریح طور پر باذن اللہ کا لفظ موجود ہے. اسے یہ بریلوی علماء بے دردی سے حذف کر جاتے ہیں ان کے مولانا نعیم الدین مراد آبادی حضرت عیسیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

> لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ایک چمگادڑ پیدا کریں. آپ نے مٹی سے چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی [1]

دیکھئے آپ نے کس بے رحمی سے یہاں لفظ باذن اللہ کے معنی چھوڑ دیئے

---

[1] حاشیہ کنز الایمان صد ۹۲

ہیں تاکہ بریلوی عوام یہ سمجھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی چیزوں کو پیدا کرنے کے مدعی تھے اور یہ کہ وہ خدا کا نام لیے بغیر ایسا کر دکھاتے تھے۔ غور کیجیے ایک عامی بریلوی اس سے کیا سمجھے گا؟ یہی ناکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شانِ خالقیت رکھتے تھے اور جب کوئی اس پر ثبوت مانگے تو وہ کہے کہ آپ اس طرح ان اشیاء کو پیدا کر دیتے تھے۔ اب آپ انصاف کریں کہ بریلوی عوام کا ان عقائد پر ہونا کیا اسلام پر مرنا سمجھا جا سکتا ہے؟ ان کے ایمان کے ضائع جانے کا سبب کون ہوئے؟ یہی ان کے بے رحم علماء جو انہیں محروم الایمان کیے بغیر ان کا جنازہ تک پڑھنے کے لیے تیار نہیں۔

(۲) بزرگوں میں عطاء الٰہی سے خدائی طاقتیں

بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ بزرگوں میں عطائی طور صفاتِ خداوندی کی جھلک پائی جاتی ہے۔

مفتی احمد یار صاحب تفسیر روح البیان کے حوالے سے بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کرتے ہیں:۔

> شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ مجھ کو قدرت نے طاقت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرا دوں اور اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے۔[۲]

پھر آگے جا کر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

> انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانونِ اسلامی اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔[۳]

---

[۱] رواہ مسلم عن ابن عباس جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ [۲] جاء الحق صفحہ ۱۸۷ [۳] ایضاً صفحہ ۱۹۷

مفتی صاحب بزرگوں سے مافوق الاسباب مدد مانگنے کو کسی خاص حال یا کیفیت سے وابستہ نہیں کرتے۔ وہ دنیا میں اپنے کام بنانے کے لیے ایسے قانونِ اسلامی ٹھہراتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ براہِ راست کسی کو کچھ دیتا ہی نہیں جس کو بھی کوئی دولت ملتی ہے ان قبروں سے ہی ملتی ہے اور منشاء الٰہی بھی یہی ہے کہ لوگ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو ان قبروں سے مانگیں۔ استغفر اللہ العظیم

مفتی صاحب تو شاید اس میں بھی کچھ تاویل کرلیں لیکن ان عوام کا کیا بنے گا جو اپنے علماء سے یہ قانونِ اسلامی لے کر جارہے ہیں۔ کیا یہ عوام اسی عقیدے کے باعث دنیا سے محروم الایمان ہو کر نہیں جارہے اور جو باقی ہیں وہ بھی کیا اسی کفر پر نہ جائیں گے؟ مفتی صاحب نے یہ ان سے کیا نیکی کی کہ بڑے بڑے جم غفیر عطائی کی اوٹ میں جہنم کو بک کرا دیئے۔

④ عطائے الٰہی سے بندوں کو کونی اختیارات کا مالک سمجھنا

بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اب کونی اختیارات حضرت پیر صاحب کے ہاتھ میں ہیں۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[1]

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے عقیدے میں اب تکوین کی ساری کرو ٹیں اور کن فیکون کے سارے اختیارات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا اپنی خدائی میں ان کے حق میں دستبردار ہو چکا ہے اور مصطفیٰ اپنی مصطفائی کی چادر انہیں اوڑھا چکے۔ اب کائنات کا سارا کاروبار آپ ہی چلا

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص۸

رہے ہیں. سورج بھی آپ کو سلام کہہ کر نکلتا ہے اور چاند کی جملہ منازل بھی آپ کے حکم کن سے بدلتی ہیں. بنی نوع انسان کی جملہ نبضیں آپ کے ہاتھ ہیں اور ان کی موت وحیات پر بس آپ کا ہی قبضہ ہے. (استغفر اللہ العظیم)

(۴) کیا یہ وہی عقیدہ تو نہیں جو مشرکین عرب کا تھا وہ بھی تو عطائی کی اوٹ میں یہ سارا شرک کا کاروبار کرتے تھے. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

ان اللہ ھو السید وھو المدبر لکنہ یخلع علیٰ بعض عبیدہ لباس الشرف والتالہ ویجعلہ متصرفا فی بعض الامور الخاصہ ویقبل شفاعتہ فی عبادہ بمنزلۃ ملک الملکوت یبعث علیٰ کل قطر ویقلدہ تدبیر المملکۃ فیما عدی امور عظام [1]

ترجمہ بیشک اللہ ہی سب کا بڑا ہے اور وہی ہے جو تدبیر کائنات کرتا ہے وہ اپنے خاص بندوں کو بزرگی اور معبود ہونے کی خلعت پہنا دیتا ہے اور اسے خاص خاص کاموں میں تصرف کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کرتا ہے ہر قطر پر ملک الموت کا تقرر ہوتا ہے اور وہ اسے بڑے بڑے کاموں کے درے تدبیر مملکت کی ذمہ داری دیتا ہے۔

مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ جہاں کا مدبر بے شک ایک خدا ہی ہے لیکن وہ اپنے خاص بندوں کو دنیا کے کئی حصوں پہ تصرف اور تاثیر کے اختیارات بھی دیتا ہے [2]

پھر آگے جاکر یہ بھی لکھتے ہیں :-

والغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا [3]

ترجمہ. آنحضرت کے دین میں آگھسنے والے منافق بھی آج اسی عقیدہ پر ملیں گے.

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۱ ج۱ [2] بدور بازغہ ص۱۲۳ [3] ایضاً ص۱۲۴

بریلویوں کے ایک اعتراض کا جواب

یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تفرد ہے ان کے خاندان کے دوسرے محدثین کا یہ عقیدہ نہ تھا. شاہ مخصوص اللہ محدث دہلوی اس عقیدے کے نہ تھے (وہ اپنی ساری حاجتیں قبروں سے پوری کر لیتے تھے)

الجواب — حضرت شاہ مخصوص اللہ کے والد حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) بھی یہی بات لکھتے ہیں اور اسے شرک صریح لکھتے ہیں. سو اسے حضرت شاہ صاحب کا تفرد کہنا محدثین دہلی کے اس پورے سلسلے کے خلاف ہے. یہ سب حضرات ایک ہی عقیدے کے تھے. حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

> وتصرف در کائنات جزئیہ مانند کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و دفع وتسخیر ارواح و مانند آں بکارمے آرند ایں خود شرک صریح است و دریں مقام عذرے نیست[1]
>
> ترجمہ. کائنات میں جزئی امور میں تصرف کرنا جیسے کسی پہ رزق کے دروازے کھول دینا اور کسی کو اولاد دینا اس کی مصیبتوں کو دور کرنا روحوں کو ماتحت کرنا اور ان جیسے دوسرے کئی کام کرتے ہیں یہ شرک صریح ہے اور یہاں معذرت کی کوئی صورت نہیں.

پورے عالم میں تصرف صرف اللہ تعالیٰ فرمائے اور کہیں کہیں اولیاء اللہ یہ خدمات سرانجام دیں. لوگوں کو اولاد دینا یا رزق دینا خدا نے انہی کے سپرد کر رکھا ہو یہ عقیدہ بھی شرک صریح ہے اور اس میں کوئی تاویل لائق سماعت نہیں ہے. شرک شرک ہے خواہ وہ کسی پیمانے میں ہو۔

---

[1] فتاوے شاہ رفیع الدین ص۷

⑤ عطا سے بھی یہ قبروں والے مستقل بالذات داتا ہیں

ایک لکڑی سے دوسری لکڑی جلی اور اس میں آگ آئی یہ لکڑی آگ لینے میں تو پہلی لکڑی سے مستنیر ہے لیکن اب وہ آگ ہونے میں اور جلانے میں مستقل بالذات آگ ہے اب وہ پہلی لکڑی کی محتاج نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بریلوی جب اپنے پیروں فقیروں کو خدا کی عطا سے مستقل بالذات خدائی طاقتیں رکھنے والا سمجھتے ہیں — اثبات قدرت میں تو وہ خدا کے محتاج ہیں لیکن اپنے عمل و تصرف میں وہ مستقل بالذات ہیں۔ اب ہر مرحلے پر وہ خدا کے اذن اور اس کی مدد کے محتاج نہیں ہیں۔ مشرکین عرب بھی بڑے خدا کو ایک خدا کہتے تھے مگر وہ اپنے معبودوں کو نفع و نقصان پہنچانے میں مستقل بالذات تصرف کا مالک جانتے تھے۔ یہاں عطائی کا معنی صرف یہ ہے کہ یہ طاقت ان کی خانہ زاد نہیں عطائی ہے۔ تاہم اب وہ اس کے استعمال میں کسی کے محتاج نہیں۔ کائنات میں تصرف و تدبیر کرنے میں وہ مستقل بالذات ہیں ہی اختیار سے اب یہ قبروں والے اس دنیا کو چلا رہے ہیں۔

اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ بریلویوں کے اس شرک میں اور مشرکین عرب کے اس شرک میں آپ کو کچھ ما بہ الفرق نظر آ رہا ہے۔ یہ لاکھ کہیں کہ ہم شرک سے کلیتہً بیزار ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے واقعات ان کے اس دعویٰ کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان کے مولوی کوئی تاویل کر کے اس بھنور سے نکل جائیں لیکن ان لاکھوں بریلوی عوام کا کیا بنے گا جنہیں ان کے بے رحم علماء نے بُری طرح کفر و شرک کے جالوں میں اور لنگروں کے مالوں میں جکڑ رکھا ہے۔

ع فسوف تری اذا انکشف الغبار
أفرس تحت رجلك ام الحمار

بریلویوں کے شرک اور مشرکین عرب کے شرک میں کیا کوئی فرق ہے؟

(۱) دونوں خدا کو ایک ماننے کے مدعی ہیں اور آخر میں توحید کا اقرار کر لیتے ہیں۔

(۲) دونوں جب ضرورت کے وقت اللہ کے سوا اوروں کو اپنی حاجات اور تکلیفات میں مافوق الاسباب پکارتے ہیں تو انہیں اسی عقیدے سے پکارتے ہیں کہ یہ اللہ کی عطا کردہ قوتوں سے ہی ہماری حاجت روائی کرتے ہیں۔

(۳) یہ بزرگ اب ہماری حاجات پوری کرنے میں خدا کے محتاج نہیں انہیں اب قدم قدم پر خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں خدا کے دینے سے اب یہ ہمارے مستقل بالذات داتا ہیں۔

(۴) بریلوی ایسی ضرورتوں کے وقت قبروں کا رُخ کرتے ہیں اور مشرکین عرب بتوں کا رُخ کرتے تھے جو انہوں نے اپنے بزرگوں کی نسبت سے بنا رکھے ہوئے تھے دونوں اپنے بزرگوں سے ہی اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

(۵) دونوں بشریت اور رسالت میں تنافی کے قائل ہیں۔ مشرکین عرب کہتے تھے بشر کبھی رسول نہیں ہو سکتا۔ اسی عقیدے پر وہ رسولوں کو ماننے سے انکار کرتے رہے أبشر یھدوننا (پ۲۸ التغابن) بریلوی کہتے ہیں رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ رسول کوئی اور مخلوق ہونا چاہیئے یا اسے خدا سے نکلا ہوا ماننا چاہیئے۔ (نور من نور اللہ)

ان دونوں کے مقابل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں نہ برابر کا اور نہ کوئی اس کی عطا سے کائنات میں خدائی تصرفات کا مالک ہے۔ یہ عقیدہ ہرگز صحیح نہیں

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

⑥ بریلوی عوام کے بچ نکلنے کی ایک راہ

جو بریلوی عوام اندھادھند اپنے ان مولویوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کو اچھی آخرت نصیب ہو اس کی کوئی راہ نہیں اس کے لیے ان کا اپنا جرم "اندھادھند ایک گروہ کے پیچھے چلے جانا" کوئی کم جرم نہیں ہے لیکن جو بریلوی عوام اپنے ان علماء کو ان کے قریب سے بھی دیکھ چکے ہیں اور پھر بھی وہ صرف ان کے لنگروں میں شریک ہونے کے لیے ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ وہ سوچیں کہ بریلوی عقیدہ کے بانی مولانا احمد رضا خاں کے پیدا ہونے سے پہلے کیا ہندوستان میں اسلام نہ آیا تھا۔ اس وقت کیا یہاں اہل السنۃ والجماعۃ موجود نہ تھے۔ کیا ان بزرگوں کی کتابیں دنیا سے ناپید ہو چکی تھیں؟ کیا ان کے تراجم قرآن امت کی راہنمائی کے لیے واضح نہ تھے؟ کیا بریلویت کوئی ایسا ہی نوخیز پودا اور ایک نیا دین و مذہب ہے جس پر چلنا ہر فرض سے بڑا فرض ہو گیا ہے؟ اگر وہ اس جہت سے سوچیں اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۲ھ) حضرت مولانا رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۸۹ھ) کی تحریرات کی روشنی میں خود مولانا احمد رضا خاں اور اپنے ان بریلوی مولویوں کا جائزہ لیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ پھر سے اہل سنت کی شاہراہ پر آجائیں اور اپنے عقیدۂ توحید کو ان آلائشوں سے آلودہ نہ کریں جن کا رکھنے والا کبھی جنت کی ہوا نہ پا سکے گا۔

الباب الثالث

① خدا کا شریک نہ ہونے میں چھوٹی اور بڑی مخلوق سب برابر ہے

جس طرح ادنیٰ مخلوق جیسے پانی آگ مٹی اور پتھر خدا کی خدائی میں شریک نہیں، اعلیٰ مخلوق جیسے انبیاء و اولیاء اور فرشتے بھی اس کی خدائی میں ذرہ بھر شریک نہیں ہے بریلوی سمجھتے ہیں کہ مٹی اور پتھر تو بے شک خدا کی خدائی میں شریک نہیں لیکن یہ اونچی قبروں والے اس کی عطاء سے بے شک اس کے بعض کاموں میں شریک ہیں اب لوگوں کو رزق دینا یا اولاد دینا یا صحت دینا اب بس انہی مزارات کے سپرد ہوا ہوا ہے۔ اب یہ قبروں والے ہی ہیں جوان حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ نے خدا کے ساتھ شریک نہ ہونے میں انبیاء و اولیاء کو عام مخلوق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آنحضرتؐ کے ساتھ گھوڑے پر ردیف کے طور پر بیٹھے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا:۔

> جان لو کہ سب لوگ بھی جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نفع و نقصان دیں نہ دے سکیں گے مگر وہی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تیرے نام لکھ دیا ہے تقدیر کے قلم اٹھ چکے اور تحریریں خشک ہو چکیں[1]

اس حدیث میں یہ جو لفظ ہے سب لوگ اس کے اصل عربی الفاظ جمیع الامۃ ہیں اس میں سب عام و خاص شامل ہیں یہ نہیں کہ بڑے حضرات عطائی قوتوں سے دوسروں کو نفع و نقصان دینے والے ہوں اور چھوٹے لوگ ان حضرات کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے مدد لینے والے ہوں ـــ ایسا ہرگز نہیں۔ امت کے نفع و نقصان کا مالک

---

[1] رواہ احمد والترمذی مشکوٰۃ صـ۴۵۳

نہ ہونے میں یہ سب چھوٹے بڑے برابر ہیں۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ عطائی طور پر یہ قبروں والے ہی لوگوں کے فریادرس ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کرتے ہیں مگر اہلسنت اس صف میں ساری مخلوقات کو لاتے ہیں۔ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے ہر ایک کا نقصان اور نفع بس ایک خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اہل سنت کے عظیم بزرگ دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث پر جمیع الامۃ کی شرح پر لکھتے ہیں:-

ای جمیع الخلق من الخاصۃ والعامۃ والانبیاء والاولیاء وسائر الامۃ۔[1]

ترجمہ یعنی سب لوگ وہ خاص درجے کے ہوں یا عام درجے کے انبیاء و اولیاء ہوں یا امت کے سب افراد

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

سب اولادِ آدم کے دل اللہ کے قبضے میں ہیں۔[2]

یعنی کوئی اس کی قدرت اور تصرف سے باہر نہیں۔ اس میں عربی الفاظ ان قلوب بنی آدم کلہا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ہیں۔ ان پر بھی امام ملا علی قاری لکھتے ہیں:-

یشمل الانبیاء والاولیاء والفجرۃ والکفرۃ من الاشقیاء۔[3]

ترجمہ۔ یہ حکم شامل ہے تمام انبیاء و اولیاء کو اور فاجروں اور بدبخت کافروں کو۔

انہیں تو کسی بدعتی نے یہ نہ کہا کہ دیکھو انبیاء اور اولیاء کو خدا نہ ہونے میں کافروں فاجروں کے ساتھ شریک کر دیا — اس وقت تک ان لوگوں کے پاس کوئی اعلیحضرت نہ تھے جو ان کی اس قسم کی خرافات کو علمی استناد مہیا کرتے۔

اس سے پچھلی صدی میں چلیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۴۴ھ) بھی

---

[1] مرقات جلد ۱۰ صفحہ ۵۴ [2] رواہ مسلم [3] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۲۰

اپنے ایک مکتوب میں ان سب کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں. آپ لقد خلقنا الانسان فی کبد کی شرح میں لکھتے ہیں :-

ایں جا اولیاء و انبیاء خواص و عوام برابر اند الدنیا دار محنة و ودار بلاء بیان ایں مقام است.[1]

دنیا کی راحتیں مومن و کافر کے لیے برابر ہیں. گرمی و سردی سب کو ایک طرح لگتی ہے. اگر آپ نے ضرورت مند اور خدا کا محتاج ہونے میں سب کو ایک جگہ ذکر کر دیا ہے تو اس میں آپ نے ہرگز کسی بزرگ کی بے ادبی نہیں کی. حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی بھی ان سب کو ایک جگہ ایک صف میں ذکر کرتے ہیں :-

نعمت ہائے عامہ اند کہ غنی و فقیر و وضیع و شریف و عالم و جاہل و مومن و کافر و صالح و فاسق دراں یکساں و برابر اند.[2]

اہل سنت کے اس عقیدہ کے مقابلہ میں بریلویوں کا یہ عقیدہ کہ بڑے لوگ انبیاء اور اولیاء عطائی طور پر چھوٹے لوگوں کے فریاد رس اور حاجت روا ہیں اور اس اعتبار سے سب چھوٹے بڑے ایک صف میں نہیں بالکل غلط ہے. کیا اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے احبار و رہبان کو خدا نہ ہونے میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ایک صف میں کھڑا نہیں کیا ؟[3]

○ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کے مختلف قرآنی پیرائے

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات میں اس کی صفت الٰہ کو توحید کا مرکزی نقطہ بنایا ہے اور جس طرح یہ کہا ہے کہ اس ایک کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں. اسی پیرائے میں کہا ہے کہ اس ایک کے سوا کسی دوسرے کو (فوق الاسباب درجے میں) نہ پکارو.

---

[1] مکتوبات ص۲۷۸ مکتوب ۱۳۳ [2] تفسیر فتح العزیز ص۱۶۷ [3] دیکھئے پ۱۰ التوبہ آیت ۳۱

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس طرح جس کو پکارا جائے اسے اس طرح پکارنا اسے الٰہ ماننا ہی ہے۔

(۱) ایک خدا کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔

قرآن کریم میں چار پیغمبروں کی شہادت حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام سورۂ اعراف سورۂ ہود اور سورۂ مومنون میں موجود ہے ان سب نے اپنی اپنی بار اپنی قوم سے کہا:۔

ما لکم من الٰہ غیرہ۔

اس ایک سوا تمہارا کوئی اور الٰہ نہیں۔

یعنی نہ بڑی مخلوق میں نہ چھوٹی مخلوق میں اس ایک اللہ کا کوئی حصہ دار نہیں نہ کوئی پیغمبر اور نہ کوئی فرشتہ — ان سورتوں میں نو مقامات پر ان حضرات کی یہ شہادت مذکور ہے۔

(۲) اگر تم نے کسی اور کی شانِ ربوبیت مان لی تو گویا اسے الٰہ بھی مان لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ناممکن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے لیے کوئی اور الٰہ تلاش کروں یہ میرے لیے ناممکن ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات لفظ رب سے کہی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کسی کو ربوبیت کرنے والا مان لینا اسے الٰہ ماننا ہی ہے اِلّا یہ کہ یہ ربوبیت تحت الاسباب ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان:۔

أغیر اللہ ابغیکم الٰہ وھو فضلکم علی العالمین۔

(پ ۹ الاعراف ۱۴۰)

حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان:۔

أغیر اللہ ابغی ربًا وھو رب کل شیء۔ (پ ۸ الانعام ۱۶۵)

(۳) جو تمہیں کان اور آنکھیں دینے والا ہے وہی اللہ ہے۔

قل ارءیتم ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم ۔ ۔ ۔ ۔ من الٰہ غیر اللہ یأتیکم بہ۔ (پ الانعام ۴۶)

قل ارءیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمداً ۔ ۔ ۔ ۔ من الٰہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء۔ (پ۲۰ القصص ۷۱)

ان آیات نے یہ بھی بتلا دیا کہ دن اور رات کو باری باری لانا جس کے ہاتھ میں ہو وہ اللہ ہے تم سمجھ پا نہ — دن رات کی گردش قبروں والوں کے ہاتھ میں دینا یہ کوئی دانائی نہیں حماقت کی انتہا ہے۔

(۴) بارشیں برسانا اور سبزے اگانا صرف ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماءً فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ءالٰہ مع اللہ۔ (پ۲۰ النمل ۶۱)

ترجمہ۔ بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ بڑی بڑی رونقوں والے تمہارے بس میں نہ تھا انہیں اگانا کوئی اور بھی ہے الٰہ خدا کے ساتھ؟

(۵) بے کس و پریشان حالوں کا فریاد رس اور ان کی تکلیفیں دور کرنے والا کون ہے؟ وہی تو اللہ ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ۔ ۔ ۔ ۔ ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۲)

ترجمہ۔ بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب وہ اسے پکارے اور دور کرتا ہے اس سے سختی کیا اور بھی ہے الٰہ اس کے ساتھ۔۔ بھلا کون ہے جو راہ دکھاتا ہے تم کو جنگل اور سمندر کے اندھیروں میں اور کون چلاتا ہے خوشخبری لانے والی ہوائیں اپنی رحمت سے پہلے۔ کیا اور بھی کوئی الٰہ اس کے ساتھ۔

(۶) بحر و بر کی تاریکیوں میں تمہیں رستہ دکھانے والا کون ہے؟ وہ اللہ ہی تو ہے۔

یہ قبروں والے نہیں ہیں۔

أمن یبدء الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰه

مع الله۔ (پ۲۰ النمل ۶۴)

ترجمہ بھلا کون ہے جو بناتا ہے مخلوق کو سرے سے پھر اس کو دُہرا کر لاتا ہے اور کون

تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے۔ کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ۔

یہاں آسمان اور زمین کے اسباب ذکر کر کے اس پر بھی متنبہ کر دیا کہ ان

اسباب کے پیچھے بھی اسی کا امر کام کرتا ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے، جب

تک اس کا اذن نہ ہو پتہ نہیں ہل سکتا۔

⑧ فوق الاسباب پکار کے لائق وہی ہے جس کو پکارو وہی تو الٰہ ہے گو تم

اسے الٰہ نہ کہو۔ جب آپ نے اسے فوق الاسباب پکارا تو گویا اسے الٰہ مان لیا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:۔

قل انما ادعوا ربی ولا اشرك به احدًا۔ (پ۲۹ الجن ۲۰)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں صرف اپنے رب کو ہی (فوق الاسباب)

پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ اللہ کے سوا جس کو بھی فوق الاسباب

پکارا جائے یہ اسے خدا کی خدائی میں شریک کرنا ہے۔

⑨ خدا کے ساتھ کسی بھی شریک نہ کرنا وہ بڑا مخلوق ہو یا چھوٹا۔

واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا۔ (پ۵ النساء ۳۶)

الا تشرکوا به شیئا۔ (پ۸ الانعام ۱۵۲)

ما کان لنا ان نشرك بالله من شیء۔ (پ۱۲ یوسف ۳۸)

ولا نشرك به شیئا۔ (پ۳ آل عمران ۶۴)

یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا۔ (پ ۱۸ النور ۵۵)

واذ بوأنا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا۔ (پ ۱۷ الحج ۲۶)

ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیء۔ (پ ۱۲ یوسف ۳۹)

ان لا یشرکن باللہ شیئا۔ (پ ۲۸ الممتحنہ ۱۲)

اسلام میں یہ کہیں نہیں کہ اونچے درجے کی مخلوق جیسے فرشتے اور انبیاء و مرسلین انہیں تو خدائی صفات میں شریک کر لو اور چھوٹے درجے کی مخلوق جیسے مٹی اور پتھر انہیں اس کے ساتھ شریک نہ کرو — بلکہ فرمایا کہ کسی بھی مخلوق کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

(۱۰) من دون اللہ کی رو سے کوئی خدائی میں شریک نہیں۔

اللہ کے سوا جو کچھ ہے ان میں کوئی نہیں جس کو خدا کی خدائی میں جگہ دی جا سکے یہ سب خدا کے عاجز بندے ہیں اور مخلوق ہیں۔

یہ دون اللہ خود مخلوق ہیں وہ کسی چیز کو کیا پیدا کر سکیں گے۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون۔ (پ ۱۴ النحل ۲۰)

ان دون اللہ کے قبضے میں کسی کو رزق دینا نہیں وہ کسی بھی درجے کے ہوں۔

ویعبدون من دون اللہ ما لا یملک لھم رزقا فی السموات والارض شیئا۔ (پ ۱۴ النحل ۷۳)

ان دون اللہ کے ہاتھ میں کسی کا کوئی نفع و نقصان نہیں۔

قل أندعوا من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا۔ (پ ۷ الانعام ۷۱)

ان دون اللہ کو پکارنے والوں سے فرشتے سوال کریں گے۔

اینما کنتم تدعون من دون اللہ۔ (پ ۸ الاعراف ۳۷)

اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنے والوں پر بھی دون اللہ کا لفظ کہ وہ بھی خدا کے سوا ہیں یہاں وارد ہے۔

قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا ۝ اولئك الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة ایھم اقرب یرجون رحمته ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۵۶)

ترجمہ آپ کہہ دیں پکارو ان کو جنہیں تم سمجھ بیٹھے ہو اس کے ماسوا (خدا) سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف تم سے اور نہ وہ بدل سکتے ہیں۔ وہ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ خود اس میں لگے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون سا بندہ اس کے زیادہ قریب ہو سکے اور امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی۔

ویوم یحشرھم وما یعبدون من دون اللہ فیقول أ انتم اضللتم عبادی ھؤلاء ام ھم ضلوا السبیل قالوا سبحانك ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء۔ (پ۱۹ الفرقان ۱۷)

ترجمہ۔ اور جس دن جمع کرے گا ان کو اور ان کو جن کو وہ پوجتے تھے خدا کے سوا اور پوچھے گا کیا تم نے بہکایا میرے بندوں کو یا وہ پہلے سے بہکے ہوئے تھے وہ کہیں گے تو پاک ہے ہم سے تو بن نہ آتا تھا کہ تیرے سوا کسی کو اپنا مددگار ٹھہرائیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا من دون اللہ میں شمار۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ (پ۱۰ التوبہ ۳۱)

ترجمہ۔ انہوں نے ٹھہرایا اپنے عالموں کو اور اپنے درویشوں کو رب ایک اللہ کے سوا۔ اور مسیح بن مریم کو بھی اور حکم ان کو یہی تھا کہ ایک اللہ کی بندگی کریں۔

واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم أ انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔ (پ۷ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ ۔ اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تو نے کہا تھا لوگوں کو کہ بنالو مجھ کو اور میری ماں کو دو اور معبود اللہ کے سوا ۔

تمام پیغمبر اپنی ذات میں اللہ کے ماسوا ہیں ان میں کوئی خدا نہیں سب من دون کے ذیل میں ہیں ۔

ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین ۔ (پ۳ آل عمران ۷۹)

ترجمہ کسی بشر کا کام نہیں کہ خدا تو اسے دے کتاب اور حکم اور نبوت اور وہ لوگوں کو کہنے لگے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کے سوا (اسے چھوڑ کر) وہ تو یہی کہے گا کہ تم سب ہو جاؤ رب والے ۔

مندرجہ بالا آیت میں تمام انبیائے کرام کو بشریت کے ذیل میں لایا گیا ہے ۔ اور سب کا وجود من دون اللہ میں شمار کیا گیا ہے اور حق بھی یہ ہے کہ جو پیغمبر ہوئے وہ ہرگز خدا نہ تھے وہ خدا کے ماسوا تھے ۔

اب دیکھیے کہ تمام ما من دون اللہ سے خدا ہونے کی نفی کی گئی ۔ کوئی مخلوق کتنی بڑی کیوں نہ ہو اور اس کی شان اپنی جگہ کتنی کیوں نہ ہو خدا کی خدائی میں کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ان میں سے خدا کا عین ہے خدا خدا ہے اور بندہ بندہ ۔ گو وہ کتنی بڑی شان کیوں نہ رکھتا ہو ۔

خدائی کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں

قرآن کریم نے متعدد پیرایوں میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ خدا کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ۔ بریلوی اپنے پیروں فقیروں میں جن صفات (کونی تصرفات) کا دعوے کرتے ہیں قرآن کی رو سے وہ سب اللہ (خدا) کی شانیں ہیں اور قرآن بار بار

ان کی ماسوی اللہ سے نفی کرتا ہے

پیدا کرنا کان اور آنکھیں دینا ربوبیت فرمانا (تدریجاً پالنا) دن اور رات کا آگے پیچھے لیے آنا روشنی اور تاریکی پر قبضہ بارشیں برسانا طرح طرح کے پھل اور پھول اگانا سبزیاں پیدا کرنا بے کسوں کی فریاد رسی تکلیفوں کو دور کرنا بر و بحر کے اندھیروں میں ہوائیں چلانا اور رستے بتانا اور لوگوں کی موت و حیات اور بیماری اور شفا پر قبضہ صرف اسی ایک ذات کا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جس کو (ما فوق الاسباب) ان اندھیروں میں پکارا جائے۔

قرآن کریم کا عقیدۂ توحید ہم نے ان دس پیرایوں میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اب آپ ہی غور فرمائیں کہ قرآن کریم کی یہ آیات جو ہم نے پیش کی ہیں اور ان کی دلالت اپنے موضوع پر بڑی واضح ہے۔ ان کے سامنے بریلویوں کے ان قصوں و کہانیوں اور مغالطوں کی کیا حیثیت ہے جن سے وہ اپنے عوام کی متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور جب تک وہ محروم الایمان نہ ہو جائیں یہ انہیں چھوڑتے ہی نہیں۔

○ بریلویوں کی اسلام کے عقیدہ توحید پر واردات

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں بریلویوں کے کچھ وہ دلائل بھی ذکر دیں جن کے ذریعہ یہ اپنے عوام کو عقیدہ توحید سے محروم کرتے ہیں اور اہل علم کے ہاں ان سے کچھ ثابت نہیں ہو پاتا۔ یہ ایک لفظی کھیل ہے جس میں بریلویوں کے علماء اپنے عوام کو محروم الایمان کرتے ہیں۔

① بریلویوں کے اختلافات کا عمومی جائزہ

بریلویوں سے اہل سنت کا اختلاف تین طرح کا ہے :-

① عقائد پر ② بدعات پر اور ③ عبارات پر

یہ تیسرا اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ عبارات زیر اختلاف ہیں تو دونوں طرف سے ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کی عبارت پر کچھ نہ کچھ اعتراض ضرور ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کاروبار کی بہار صرف الزامات سے ہے۔ کوئی فریق دوسروں کے الزامات کو اپنے اختلافات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ سو اصل اختلاف صرف عقائد اور فروعی اعمال میں ہے۔ بدعات میں بھی زیادہ نیت کی بحث چلتی ہے کہ اس نئے کام کو دین سمجھ کر کیا جا رہا ہے یا نہ؟ سو بریلویوں میں اور اہل سنت میں اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ عقاید پر ہے اور دونوں فریق مانتے ہیں کہ عقاید اہل سنت کی کتابیں دونوں کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور ان میں اہل سنت کے عقائد نہایت منقح کرکے لکھ دیئے گئے ہیں۔

① بریلویوں کا نئے سرے سے اپنے عقائد بنانا

چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر دو فریق ان اختلافات میں اپنی کتب عقائد جیسے عقیدہ طحاویہ۔ عقیدہ نسفیہ۔ مسایرہ شرح فقہ اکبر۔ شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہا کی طرف رجوع کرتے اور نہایت سادہ الفاظ میں عقائد اہل سنت سامنے لاتے۔ بریلویوں نے نئے سرے سے عقائد اہل سنت قائم کیے اور نئے سرے سے انہیں قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی مہمات شروع کیں۔ حالانکہ عقیدہ اہل سنت قدیم سے طے شدہ ہے اور کتابوں میں بار بار لکھا ہوا ہے۔

② کتاب و سنت سے براہ راست استدلال مجتہدین کا حصہ تھا

مجتہدین کتاب و سنت سے استنباط کریں اور اسے عوام کے سامنے لائیں

تو یہ کوشش بے شک ان کو زیبا دیتی ہے لیکن مقلدین جن کا حق نہیں کہ براہ راست
کوئی عقیدہ قرآن وحدیث سے کشید کریں۔ وہ جب قرآن وحدیث سے براہ راست
استدلال کرنے لگیں گے تو کیا ان کے پورے مذہب کا کباڑہ نہ ہو جائے گا۔
یہ وہ نازک موڑ ہے کہ اگر بریلوی عوام سمجھ جائیں تو کبھی اپنے بے رحم علماء کو نئے
نئے اجتہادات نہ کرنے دیں۔

③ بریلوی عوام اپنے علماء پر اپنی قدامت کا دباؤ ڈالیں

بریلوی عوام کو چاہیے کہ اپنے علماء کو کھلے بندوں کہیں کہ ہمارا مذہب کوئی آج
نئے سرے سے طے نہیں ہوگا۔ عقیدہ اہل سنت پہلے سے قائم چلا آرہا ہے اس میں کہیں
نہ آؤ کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا سارا کاروبار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سپرد کر رکھا
ہے اور اب ساری کائنات میں وہی تصرف فرما رہے ہیں۔ آگے کچھ ان کے نائب ہیں
و مختلف ملکوں کے مختلف شہروں میں اپنے اپنے مزارات میں اس کاروبار کو ہاتھ
میں لیے ہوئے ہیں۔ قانونِ اسلامی کا سیکرٹریٹ بس انہی بزرگوں کی قبریں ہیں عوام
ادھر رجوع کرنے کے بغیر اپنا کاروبار چلانے کی اور کوئی راہ نہیں بریلوی عوام کی
اس استدعا پر شاید ہی بریلوی مولوی عقائد اہل سنت کی کتابوں سے اپنے یہ عقائد دکھا
سکیں۔ اس صورت میں وہ اپنے عوام سے اتنا وعدہ تو ضرور کریں کہ آئندہ وہ سر محفل
مولانا احمد رضا خاں کا یہ شعر پڑھنا چھوڑ دیں گے ؎

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث [1]

---

[1] حدائق بخشش جلد ۲ ص ۸

④ بریلویوں پر عطائی چادر کی لمبی تان

بریلوی علماء نے ایسی مشکلات پر قابو پانے کے لیے اپنے اوپر ایک عطائی کی ایسی لمبی چادر تان رکھی ہے کہ عام شخص اس کا کنارہ تلاش کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور اسے اس چادر کا! اگر کہیں تاریخی سراغ ملتا ہے تو ان مشرکین عرب کے ہاں جو ایک خدا کو ماننے کا اقرار کر کے اس کی عطائی طاقتوں سے اپنے بیسیوں معبود اور بنائے بیٹھے تھے اور قرآن کریم نے ان کے اس عقیدے کو شرک کہا ہے۔

الباب الرابع

بریلویوں کا متشابہات سے تمسک

① بریلوی علماء کے قطعی الدلالۃ دلائل کی ایک جھلک

اسلام میں عقائد ثابت کرنے کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی بے شک ایک ایک آیت قطعی الثبوت ہے لیکن بریلوی مولوی اپنے عقائد کے ثبوت میں جو آیتیں پڑھتے ہیں وہ ہرگز اپنے موضوع پر قطعی الدلالۃ نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر لیجئے:۔

① مفتی احمد یار صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے کے لیے (اپنے علم کے مطابق) یہ قطعی الدلالۃ آیت پیش کرتے ہیں:۔

وعلم آدم الاسماء کلها۔

(اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کل اسماء سکھا دیئے)

مفتی صاحب! آپ کی شان افتاء کو نظر نہ لگے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جو اسماء سکھائے ان کا نام علم غیب کیسے ہو گیا؟ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے یا تابعین کبار میں سے کسی نے یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے حضرت آدم کی ان معلومات کو جو انہیں دیے گئے علم غیب کہا ہے؟ پھر یہ کہ حضرت آدم سے یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ بات بھی کیا کسی صحابی یا امام نے کہی ہے؟ اگر نہیں تو یہ آیت حضور کے علم غیب کے لیے کیسے قطعی الدلالۃ ہو گئی؟ پھر اگر اس آیت سے حضرت آدم کے لیے علم غیب ثابت ہوتا ہے تو جب فرشتے اشیاء کے نام بتانے سے عاجز آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں نہ کہا کہ آدم غیب جانتے ہیں تم نہیں جانتے بلکہ یہ کہا:۔

الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون۔ (پ البقرہ ۳۳)

کہ غیب صرف میں ہی جانتا ہوں جس کو بتلا دوں بس اسے ہی غیب کی خبر ہوتی ہے۔ علم غیب اس کے بھی ہاتھ میں نہیں۔

مفتی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ عقائد اپنے خیالات اور آرار سے ثابت نہیں ہوتے۔ ان کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ برہان چاہیئے۔

اس وقت ہم مسئلہ غیب سے بحث نہیں کر رہے۔ ہم اپنے قارئین کو یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ بریلوی علماء کے پیرایہ استدلال کو سمجھیں۔ ان کا پورا گھر آپ کو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور نظر آئے گا۔ اس قسم کے دلائل سے بھلا عقائد ثابت ہوتے ہیں ــــ کبھی نہیں۔

آگے دیکھیئے مفتی صاحب کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر عمر میں تلادی تھی اور یہ غیب بھی آپ سے نہ چھپایا تھا ــــ دیکھیئے اس پر مفتی صاحب قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل کہاں سے لاتے ہیں؟ صاوی شریف سے ــــ ہمارے قارئین کرام ہم سے پوچھتے ہوں گے کیا صاوی شریف اللہ کی کتاب ہے؟ (جواب) نہیں۔ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدینؓ کی بتلائی بات ہے اور آپ سے یہ متواتر طور پر مروی ہے؟ ــــ (جواب) نہیں ــــ تو کیا یہ امام ابوحنیفہؒ یا ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کا ثابت فرمایا عقیدہ ہے؟ (جواب) نہیں ــــ کیا یہ بات شرح عقیدہ طحاویہ یا شرح عقائد نسفی یا شرح فقہ اکبر میں بتائی گئی ہے؟ (جواب) نہیں ــــ تو اب مفتی صاحب سے پوچھیں کہ یہ بات اب ہمارے عقیدہ کا جزو کیسے بن گئی؟ صاوی شریف سے؟ ــــ پہلے بتایئے کہ یہ صاوی شریف کس صدی ہجری میں لکھی گئی؟

اب ہم یہ فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ بریلویوں کے اپنے عقائد پر اس قسم کے دلائل کیا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کی شرط پوری کرتے ہیں؟ اسی طرح بریلویوں کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے عطائی طور پر اپنے خدائی اختیارات قبروں والوں کو دے رکھے ہیں اور اب جہاں کا سارا کاروبار یہی حضرات چلا رہے ہیں. کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل سے ثابت نہیں. یہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا اور بریلویوں نے اسے وہیں سے چوری کیا ہوا ہے

قرآن کی محکمات کو ایک طرف رکھ کر متشابہات سے عقیدے بنانا

قرآن کریم میں جو آیات اپنے معنی و مفہوم میں از خود واضح اور سلیس ہیں. وہ محکمات ہیں اور جن کے مضمون بعض دوسرے مفاہیم سے ملتے جلتے ہیں وہ متشابہات ہیں. متشابہات سے عقیدے از خود اخذ نہیں کیے جاتے. انہیں محکمات کی طرف لوٹایا جاتا ہے. مولانا احمد رضا خاں اور مولانا محمد عمر جس طرح متشابہات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جبریل بخش اور انہیں خدا کی صفت خلق عطا ہونے کا عقیدہ وضع کر رہے ہیں یہ اہل حق کا کام نہیں اہل زیغ کا کام ہے. قرآن کریم کہتا ہے :-

واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ (پ۳ آل عمران)

ترجمہ. اور جن کے دلوں میں روگ ہو وہ قرآن کی متشابہات کے پیچھے ہو لیتے ہیں فتنہ کی طلب میں اور اس کی تاویل کی تلاش میں.

ناظرین کرام! آپ مولانا احمد رضا خاں اور مولانا محمد عمر اچھروی کے مندرجہ بالا دونوں استدلالات پر غور فرمائیں کہ کیا ان لوگوں نے اپنا پورا مذہب متشابہات کے سائے میں وضع نہیں کیا ہے؟ —— کیا اب بھی ان کے اہل زیغ ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ حق یہ ہے کہ حق پر صرف اہل سنت ہیں. اہل بدعت اہل زیغ ہیں

سے ہیں جن کی پوری عمارت متشابہات کے سائے میں بنی ہے۔

③ بریلوی علماء قرآن کی متشابہات کے سائے میں

عام لوگوں کو محکمات اور متشابہات میں فرق کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ وہ اتنا علم نہیں رکھتے کہ بریلویوں کی اس قسم کی غلط بیانیوں کو بسہولت سمجھ سکیں۔ تاہم یہ بات صحیح ہے کہ بریلوی علماء الفاظ کے مجازی استعمال سے خدا کی صفات اس کے بندوں میں اتارتے ہیں مثلاً :۔

○ حضرت جبریل کسی کو بیٹا بیٹی دینے کی طاقت رکھتے ہیں

حضرت جبریل امین نے حضرت مریم کو آکر بتلایا :۔

انما انا رسول ربك لاهب لك غلاماً زكيا۔ (پ ۱۶ مریم ۱۹)

ترجمہ: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک بیٹا بخش دوں۔

اب ظاہر ہے کہ یہاں حضرت جبریل کو بندوں کو اولاد دینے کی طاقت سے مالا مال نہیں کیا گیا تھا۔ وہ یہاں حضرت مریم کو اللہ کی بات کہنے آئے تھے اور وہ انہوں نے کہہ دی۔ بیٹا دینے والا اللہ ہی ہے اور حضرت جبریل کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

لاهب لك کے الفاظ حقیقۃً بیٹا دینے کی قوت کے حامل نہیں۔ ان الفاظ کا یہ ایک مجازی استعمال ہے مگر بریلوی علماء کو دیکھیے وہ اس سے استدلال کریں گے کہ اگر جبریل بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں اور یہ شرک نہیں۔ خدا کی دی ایک عطائی قوت ہے تو پیر فقیر خدا کی عطا کردہ قوت سے ضرورت مندوں کو بیٹا کیوں نہیں دے سکتے؟ بریلوی علماء اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور بیسیوں لوگ قبروں پر بیٹے بیٹی کی حاجت لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔ کوئی قبر والا بیٹے دے رہا ہے اور کوئی بیٹیاں دے رہا

ہے. کوئی رزق دے رہا ہے اور کوئی مقدمے ختم کرا رہا ہے. کوئی کسی قاتل کو پھانسی کے تختے سے اتار رہا ہے۔

اسلام میں عقائد محکمات سے ثابت ہوتے ہیں لیکن بریلوی علماء اپنے عوام کو محروم الایمان کرنے کے لیے ہمیشہ متشابہات سے تمسک کرتے ہیں. عامی شخص قرآن و حدیث کی عبارت سُن کر مرعوب ہو جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث سے مسئلہ نکالنا یہ صرف مجتہد کا کام ہے ان گانے والے علماء کا نہیں. نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عامی لوگ بزرگوں کے آستانہ عقیدت پر اپنے ایمان کی متاع لٹا دیتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آخرت سے کن علماء کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔

① حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ایک نام جبریل بخش رکھنا

حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل آئے اور انہیں بیٹے کی بشارت دینے سے پہلے کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے نہیں آیا:-

قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلامًا زكيا. (پ۱۶ مریم ۱۹)

ترجمہ. انہوں نے کہا میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں.

غور کیجئے اگر آپ کو لڑکا دینے والے حضرت جبریل ہی تھے تو پہلے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوں ؟ —— اور اگر وہ قاصد تھے تو کس کے قاصد تھے ؟ —— ظاہر ہے کہ آپ خدا کے نمائندے ہی تھے. سو یہ بیٹا دینے والا حقیقۃً خدا ہی ہوا آپ صرف اس کی خبر دینے والے تھے. اور تعبیر

یہ اختیار کی کہ میں تجھے خدا کی طرف سے بیٹا دوں۔

اب اس سے یہ استدلال کرنا کہ اگر حضرت جبریل بیٹا دے سکتے ہیں تو یہ پیر فقیر بیٹا کیوں نہیں دے سکتے؟ یہ استدلال بالمتشابہات ہے یا نہ؟ تمسک بالمتشابہات کن لوگوں کا کام ہے؟ اہل زیغ والحاد کا —— لاھب لک میں ایک مجازی نسبت تھی جسے بریلویوں نے حقیقی نسبت سمجھ لیا اور عقیدہ بنا لیا کہ بیٹا بخشنے والے حقیقت میں جبریل امین ہی تھے۔

بریلوی علماء اس سے اگلی آیت کو نہیں پڑھتے

افسوس کہ بریلوی مولوی اپنے عوام کو اس سے اگلی آیت نہیں بتلاتے کہ جب حضرت مریم نے بیٹے کی اس خبر پہ اظہار تعجب کیا تو حضرت جبریل نے کہا مجھے تیرے رب نے ایسا ہی کہا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔ بغیر مرد کے مریم کو بیٹا دینا میرے لیے مشکل نہیں۔ اب اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کیا کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جبریل بخش ہیں۔ متشابہات سے اپنے عوام کا عقیدہ توحید برباد کرنا کتنا بے رحمی کا عمل ہے جو یہ بریلوی مولوی اپنے عوام سے کرتے ہیں۔ اس آیت کا اگلا حصہ یہ ہے جسے یہ مولوی اپنے عوام کے سامنے تک نہیں لاتے ۔

قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا ○ قال کذلک قال ربکِ ھو علیّ ھیّن ولنجعلہ ایۃ للناس وکان امرًا مقضیًّا۔ (پ ۱۶ مریم ۲)

ترجمہ۔ مریم نے کہا میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا مجھے تو کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ جبریل نے کہا بات یونہی ہے تیرے

رب نے ایسا ہی فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور یہ
کہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشان بنائیں اور یہ ایسی بات ہے جو ہو کر
رہے گی۔

یہ حضرت مریم کو یا حضرت عیسیٰ کو جہان والوں کے لیے نشان بنانے والا
کون تھا؟ ایک اللہ نہ کہ جبریل ــــ قرآن کریم ایک دوسرے مقام پہ کہتا ہے:۔

والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلنا ھا وابنھا
ایۃ للعالمین۔ (پ ۱۷ الانبیاء ۹۱)

ترجمہ۔ اور وہ عورت جس نے اپنے شرف انسانی کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں پھونک
دی اپنی روح اور کیا ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو نشان جہانوں کے لیے۔

قرآن کا اعلان کہ بیٹے بیٹیاں دینے والا خدا ہے

قرآن کریم کی محکم آیات بتلاتی ہیں کہ بیٹا بیٹی دینے والا خدا ہے۔ پیغمبر بھی اسی سے
اولاد مانگتے رہے اور وہی ایک ان کی فریاد سنتا رہا:۔

یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور او یزوجھم ذکرانا و
اناثا ویجعل من یشاء عقیما۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۵۰)

ترجمہ۔ وہ بخشتا ہے جنہیں چاہے بیٹیاں اور جنہیں چاہے بیٹے یا دیتا ہے
ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں اور کر دیتا ہے جسے چاہے بانجھ۔

① حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہ تھی حضرت مریم کے ہاں بے موسم میوے
دیکھے تو خدا سے اپنے لیے بڑھاپے میں جوانی کا پھل مانگا؟ انہیں بیٹا دینے والا
کون تھا؟ وہی ایک جو ہر ایک کا پیدا کرنے والا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وزکریا اذ نادیٰ ربہ رب لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین فاستجبنالہ ووھبنالہ یحییٰ واصلحنالہ زوجہ۔ (پ۱۷ انبیاء ۸۹)

ترجمہ۔ اور زکریا نے جب اپنے پروردگار کو پکارا۔ اے میرے پالنے والے مجھے اکیلا نہ چھوڑیو اور تو بہترین وارث ہے ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی میں یہ صلاحیت پیدا کر دی۔

اب آپ سوچیں کہ لوگوں کو اولاد دینا کس کے قبضے میں ہے۔ پیغمبر بھی اولاد کے لیے اسی کو پکارتے رہے ہیں اور وہی ہے جو ان کی سنتا رہا ہے۔ جو لوگ اب بھی اپنے بیٹوں کے نام علی بخش، جبریل بخش رکھتے ہیں انہیں چاہیئے کہ خدا کو ہی بیٹا بیٹی دینے والا یقین کریں۔ یہ پیر کسی کو بیٹا بیٹی نہیں دے سکتے اور نہ خدا نے عطائی طور پہ انہیں یہ قدرت سونپی ہے۔

بریلویوں کا عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ صفت خلق رکھتے ہیں

ہم پہلے بھی اس پر کچھ بات کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ خلق کہیں بنانے کے معنی میں استعمال کیا جیسے کوئی مٹی کے برتن بناتا ہے یا پتھر سے ستون تراشتا ہے۔ ایک خلق کا وہ معنی ہے جس اعتبار سے اللہ کو خالق کل شیٔ کہا جاتا ہے یہاں پیدا کرنے کے معنی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب کہا کہ :-

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرًا باذن اللہ (پ۳ آل عمران ۴۹)

کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندوں کی سی مورت بناتا ہوں۔

تو وہ لفظ خلق کو اس معنی سے ہٹا کر اسے صرف ایک مجازی نسبت میں لے

رہے تھے۔ بریلویوں نے اس سے حضرت عیسیٰ کے عطائی طور پر خالق ہونے کا عقیدہ قائم کر لیا۔ ان کے استدلال پر نظر کریں:۔

حضرت جبریل حضرت مریم کے پاس آئے اور کہا خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تجھے ایک بیٹا دوں لاھب لك غلاما زکیا سو جبریل اگر بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں تو یہ قبروں والے اگر آپ ہاں فریاد کرنے والوں کو بیٹا بیٹی دیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے عیسیٰ علیہ السلام اگر جبریل یخبن ہو سکتے ہیں تو ہم بریخبش کیوں نہیں ہو سکتے۔

ملکہ بلقیس کا تخت پل بھر میں حضرت سلیمانؑ کے پاس!

حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر آصف بن برخیا آنکھ جھپکنے میں سبا سے تخت بلقیس لے آیا تو ہمارے پیر فقیر پل بھر میں عمارتوں کو کیوں نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے عطائی طور پر انہیں ساری کائنات کی سلطنت دے رکھی ہے (پ۱۹ النمل ۴۰)

وقال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیك بہ قبل ان یرتد الیك طرفك۔ فلما راہ مستقرا عندہ قال ھٰذا من فضل ربی۔

ترجمہ۔ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا کہنے لگا میں آپ کے پاس اسے لائے دیتا ہوں پہلے اس کے کہ آپ کی طرف لوٹ آئے آپ کی نظر۔ پھر جب دیکھا اس کا دھرا اپنے ہاں تو آپ نے کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

یہ چشم زدن میں اس تخت کو حاضر کرنا ظاہر کے اسباب سے نہ تھا یہ اللہ کی قدرت تھی جو اس کے دوست کی توجہ سے اس کے ساتھ کرامۃً چلی آ رہی تھی۔

سوال یہ ہے کہ تخت بلقیس کو پل بھر میں یہاں لانے والا کون تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوری اس کا جواب دیا اور فرمایا ھٰذا من فضل ربی۔ کہ ایسا میرے پروردگار کی طرف سے ہوا ہے۔ اس کے حکم سے تخت یہاں آیا ہے۔ اس حکم کا صدور علم من الکتاب کے کس لفظ کے کہنے سے ہوا۔ اس پر ابھی تک اسرار کے دبیز پردے

لہ مقیاس حنفیت ص

ہیں. تاہم اس اہم واقعہ میں یہ چار باتیں قطعی ہیں :-

(۱) آصف بن برخیا کے پاس وہ علم کتاب تھا.

(۲) اس علم کے عمل سے تختِ بلقیس وہاں پل بھر میں آگیا.

(۳) وہ تخت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت سے یہاں پہنچا آصف کی اپنی طاقت سے نہیں. ھٰذا من فضل ربّی اس پر کھلی روشن دلیل ہے.

(۴) ایسا واقعہ ہو جانے پر آصف نے اسے اپنے کمالات میں شامل نہیں کیا نہ حضرت سلیمانؑ نے اسے اپنا کمال بتلایا. یہ اللہ کی قدرت کا ایک اظہار تھا جو ہو کر رہا.

تاہم اس میں اسلام کے اس قطعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں کہ کائنات کا پورا نظام صرف ایک اللہ تعالیٰ کے تصرف سے چل رہا ہے. آصف بن برخیا خود اس تصرف کا مالک ہو اس پر اس آیت میں کوئی قطعی شہادت موجود نہیں. مگر بریلوی علماء کو دیکھئے کس طرح متشابہات کے سائے میں اپنے عقیدے ترتیب دے رہے ہیں. بریلویوں کے مفتی احمد یار لکھتے ہیں کہ جو کچھ ہوا آصف کی قدرت سے ہی ہوا :-

آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ یہ تخت لائے [1]

ھٰذا من فضل ربّی کے ہوتے ہوئے اسے حضرت آصف کی قدرت بتانا انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ہمیشہ متشابہات کے سائے میں مدہوش رہتے ہوں اور خدا کی قدرت کا لفظ بھولے سے بھی ان کی زبان پر نہ آتا ہو.

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کی عزت اور کرامت کے طور پر کسی کام میں اپنی قدرت ظاہر کی تو یہ لوگ یہی کہتے ملیں گے کہ یہ جو کچھ ہوا ان ولیوں کی طاقت سے ہوا ہے.

---

[1] جاء الحق جلد ۱ ص ۱۲۹

بریلویوں کا آیت لا املک الا نفسی واخی سے استدلال

بریلویوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ ان کے پیر و فقیر اور پیغمبر انسانی جانوں کے مالک ہیں۔ حالانکہ اسلام کی رُو سے یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ زندگی دیتا ہے۔ ساری کائنات کا مالک اللہ ہے۔ پیر پیغمبر جنات اور فرشتے خود بھی اپنی جانوں کے مالک نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا:۔

فاذا مرضت فهو يشفين. والذی اطمع ان يغفرلی خطيئتی يوم الدين. (پ۱۹ الشعراء ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے جس سے میں امید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ فیصلے کے دن میری خطاؤں پر چشم پوشی فرمائے گا۔

④ بریلوی متشابہات حدیث کے سلسلے میں

① تقرب بالنوافل سے خدا کا بندے میں اُتر آنا۔
② اللہ کی عطا سے دنیا کے خزانوں کی تقسیم
③ اللہ کے بندے کہہ دیں کہ ایسا ہوگا تو وہ ہو کر رہتا ہے۔
④ حضورؐ کا صحابہؓ کو کہنا کہ اپنی حاجتیں مجھ سے مانگو۔
⑤ حضورؐ کا یہ کہنا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔
⑥ لوحِ تقدیر پر حضورؐ کا ہی قلم چلتا ہے۔

(۱) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔۔

مایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ

فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی

یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سألنی لاعطینہ[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب میں آتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ سو جب میں اس سے محبت کروں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دیتا ہوں۔

اس حدیث میں بندے کے حقیقی طور پر خدا بننے کا بیان نہیں ہے ورنہ آخر میں یہ الفاظ نہ ہوتے کہ وہ جب مجھ سے کچھ مانگے تو اسے میں ضرور دوں گا جب وہ خدا کی ذات سے ایک ہوگیا اور اس میں فنا ہوکر اپنے آپ کو بھلا بیٹھا ہو تو کیا وہ خدا سے کچھ مانگے گا؟ ہرگز نہیں اور اگر وہ مانگ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اس سب قرب کے باوجود بندہ بندہ ہی رہا اور خدا خدا۔ یہ بات قطعیات اسلام میں سے ہے کہ بندہ کتنا ہی قرب الٰہی میں بڑھے وہ خدا نہیں بن سکتا۔ بندوں کے خدائی طاقتوں کا مالک ہونے پر بریلویوں کا یہ استدلال متشابہات سے ایک تمسک ہے اور یہ حسب بیان قرآن اہل زیغ کا ایک نشان ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

الوجدان الصحیح یحکم بان العبد عبد وان ترقی وان الربّ

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷ عن البخاری

رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمة للوجوب۔[1]

ترجمہ۔ وجدان صریح فیصلہ دیتا ہے کہ بندہ بندہ ہی رہتا ہے گو کتنی ترقی کر جائے اور رب رب ہی ہے گو کتنا وہ بندوں کے قریب آجائے اور بندہ کبھی صفت واجب سے موصوف نہیں ہو پاتا اور نہ کسی اور صفت سے جو اسے واجب ٹھہرائے۔

امام ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

لا یؤمن علیہم بضیق العبارة عما یوھم بغیر ذوی الاشارة من الاغالیط التی ھی الحلول والاتحاد والانحلال عن رابطہ الشرع الملجئة الی مضائق الضلال۔[2]

ترجمہ۔ ماسوائے اہل اشارہ کے غلطی میں پڑنے سے بے فکری نہیں رہتی عبارت اسے ادا کرنے سے قاصر ہے وہ غلطیاں حلول واتحاد اور شریعت کے رابطہ سے نکلنے کے احتمال ہیں جو گمراہی کی تنگ وتاریک راہوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

(۲)—— عن معاویةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی متفق علیہ۔[3]

ترجمہ۔ حضرت معاویہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندے کے لیے خیر چاہتے ہیں اسے دین میں فقہ عطا فرما دیتے ہیں اور میں تو صرف بانٹنے والا ہوں عطا خدا کے ہاتھ میں۔

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [2] مرقات جلد ۵ صفحہ ۵۵ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۳۲

یہ اس حدیث میں دنیا کے خزانے کہاں سے آگئے۔ اس سے یہ استدلال کہ رزق کی تقسیم بھی حضورؐ کے ہاتھ میں دی گئی ہے یہ ایک اپنا گھڑا استدلال ہے جو غلط ہے۔ اس حدیث کے پہلے حصہ میں علم کا بیان ہے اور علم میں فقہ کی فضیلت ذکر کی گئی ہے تو اس دوسرے حصہ حدیث کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ علم کے ماخذ (کتاب و سنّت) تو میری امت کو میرے ہاتھوں ملے ہیں۔ مگر ان کے مطالب کی کمائی (علم فقہ) یہ خاص اللہ کی عطا رہے گی جسے چاہتے ہیں یہ دولت عطا فرماتے ہیں — اگر یہاں قاسم سے مراد علم بانٹنا نہ لیا جائے تو حدیث کے اس حصہ کا اپنے ماقبل سے کوئی ربط نہیں رہتا۔

شراح حدیث نے یہاں اس طرح ان الفاظ کی شرح کی ہے :-

(انما انا قاسم) ای للعلم (واللہ یعطی) ای الفھم فی العلم بمبناہ والتفکر فی معناہ والعمل بمقتضاہ۔[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

قال التوربشتی اشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ وانما انا قاسم الیٰ ما یلقی الیھم من العلم والحکمۃ وبقولہ واللہ یعطی الیٰ فھم ما یھتدی بہ الیٰ خفیات العلوم فی کلمات الکتاب والسنۃ و ذلک لانہ لما ذکر التفقہ فی الدین وما فیہ من الخیر اعلمھم انہ لم یفضل فی قسمۃ ما اوحی الیہ واحداً من امتہ علی الاٰخر بل ھو سوی فی البلاغ وعدل فی القسمۃ وانما التفاوت فی الفھم و ھو واقع من طریق العطاء ولقد کان بعض الصحابۃ یسمع الحدیث ولا یفھم منہ الا الظاھر الجلی ویسمعہ اٰخر منھم او من القرن

---

[1] مرقات جلد ا ص۲۶۷

الذی یلیھم او ممن اتی بعدھم فیستنبط مسائل کثیرۃ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء [1]

ترجمہ علامہ تورپشتی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد انما انا قاسم میں اس علم و حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آپ صحابہؓ کو دیتے تھے اور واللہ یعطی میں اس فہم کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کے ذریعہ کتاب سنت کے کلمات میں جو گہرے علوم ہیں ان تک رسائی ہوتی ہے آپ نے پہلے تفقہ فی الدین اور اس میں جو خیر ہے اس کا ذکر فرمایا۔ اب بتلایا کہ آپ نے علم وحی کے بانٹنے میں اپنی امت میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی وحی خداوندی پہنچانے میں سب سے برابری رکھی اور بانٹنے میں عدل کیا اور جو فرق رہا وہ فہم میں ہے اور وہ عطاء الہی سے واقع ہوا۔ بعض صحابہ حدیث سنتے تھے اور اس کے ظاہر معنوں کے سوا کچھ نہ سمجھتے تھے اور دوسرے لوگ اسے سمجھ پاتے یا اگلے عہد کے لوگ یا وہ جو ان کے بعد آتے وہ اسے سمجھ پائے اور اس میں سے کئی نئے مسائل کا استنباط کر گئے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں تقسیم علم کا بیان ہے یہ رزق و اولاد کی تقسیم نہیں۔ رزق اور اولاد زندگی اور شفا سعادت اور شقاوت سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں۔ اس حدیث میں دنیا کی نعمتوں کی تقسیم جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں نے کی ہے ہرگز مراد نہیں۔

(۳) ——— عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ۔ [2]

ترجمہ۔ کئی ایسے پراگندہ حال لوگ ہیں جنہیں کوئی دروازہ پر آنے نہیں دیتا وہ اگر خدا پر قسم کھا کر کوئی بات کہیں کہ وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دکھاتا ہے۔

---

[1] لمعات جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ [2] مشکوۃ صفحہ ۴۴۶ عن مسلم

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :-

معناہ لوحلف یمیناً طمعاً فی کرم اللہ تعالیٰ بابرارہ لابرّہ وقیل لو

دعاہ لاجابہ۔ [۱]

ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس مرد خدا نے اللہ رب العزت کے کرم پر امید رکھتے ہوئے کسی بات کے پورا ہونے کی قسم کھالی تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتے ہیں اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اگر وہ بندہ خدا دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کرتا ہے۔

لوسأل اللہ شیاء واقسم علیہ ان یفعلہ لم یخیب دعوتہ فشبہ

اجابۃ المنشد والمقسم علیٰ غیرہ بوفا الحالف علیٰ یمینہ

وبرہ فیہا۔ [۲]

ترجمہ: اگر اس نے اللہ سے کوئی چیز مانگی اور اس پر قسم کھالی کہ وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پکار کو گھاٹے میں نہیں رکھتے۔ اسے تشبیہ دی ڈھونڈنے والے کے مقصد پانے سے اور اس سے جو دوسرے پر قسم کھاتا ہے قسم کھانے والے سے وفا کرتے ہوئے اور اس سے نیکی کرتے ہوئے۔

اس حدیث میں اللہ رب العزت کو ہی مالک اور صاحبِ اختیار بتایا گیا ہے وہ درویش اور فقیر اگر قسم کھالے کہ خدا ایسا کرے گا تو وہ اسی پر اعتماد کر کے قسم کھاتا ہے کہ خدا اسے جھوٹا نہ کرے گا وہ ایسا ضرور کرے گا — اب یہ خدا ہے جو اس درویش کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتا اور جس پر اس نے قسم کھائی اسے پورا کر دکھاتا ہے —— تو اس حدیث کی رو سے صاحبِ اختیار اور صاحب قوت کون ہوا؟ ایک اللہ — اور اس درویش کے لیے کیا ثابت ہوا قربِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ سے نسبت نہ کہ خدائی اختیارات۔

اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ درویش خدائی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں کہ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے اگر تمسک بالمتشابہات نہیں تو اور کیا ہے۔ بریلوی اس قسم کی کی احادیث سے فقیروں اور درویشوں میں خدائی طاقتیں ثابت کرتے ہیں

اور پھر اپنے عوام کو یہ روایات سُنا کر اس بات پر لگاتے ہیں کہ وہ اپنی دنیوی حاجات کے لیے ان قبروں اور آستانوں پر حاضری دیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو کچھ یہ قبروں والے یا طبلوں والے کہیں گے وہ پورا ہو کر رہے گا تمہیں جو مانگنا ہے ان سے مانگو. آگے اللہ سے لینا یہ ان کا کام ہے.

اللہ کا نام لینے کی بات شیطان دل میں ڈالتا ہے (توبہ)

مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ تھا کہ آزمائش کے وقت دل میں یہ بات کہ اب اللہ کا نام لو شیطان ڈالتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر حضرت جنید بغدادی یا حضرت پیران پیر یا کسی ولی کا نام لیا جائے کیونکہ اب یہ سارا کاروبار یہی اولیاء کرام چلا رہے ہیں. مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں حضرت بغدادی اپنے مریدوں سے یہی صدا لگواتے تھے:-

فرمایا. یا جنید یا جنید کہتا چلا آ. اس نے یہی کہا اور دریا میں زمین کی طرح چلنے لگا. جب بیچ دریا کے پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلوائیں میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا. پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ یا جنید یا جنید. جب کہا دریا سے پار ہوا[1]

قارئین کرام خود سوچیں اسلام میں کیا ایسے دلائل اور فرضی واقعات سے واقعی عقائد ثابت ہوتے ہیں یا اسلام میں عقیدہ ثابت کرنے کے لیے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلائل کی ضرورت ہے یا یہ کہ وہ عقیدہ پہلے سے کتب عقائد میں

---

[1] ملفوظات حصہ اول ص۱۰۱

مجتہد درجے کے ائمہ علم سے ثابت ہو اور دین کی متداول کتابوں میں موجود ہو — مولانا احمد رضا خاں کے ملفوظات سے تو کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ بریلوی حضرات خواہ مخواہ انہیں اپنا امام بنائے ہوئے ہیں۔

(۴) — حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہوئے۔ آپ نے انہیں فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے انہوں نے عرض کی مجھے جنت میں آپ کی مرافقت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کے سوا اور بھی کوئی تیری طلب ہے۔ انہوں نے کہا میں جنت میں آپ کا قرب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بات پوری کرانے میں تو اپنے لیے میری مدد کر — یہ اس طرح کہ میں دعا میں لگوں اور تو اس وقت اللہ کے حضور سجدوں میں لگے۔ اس طرح تو میری مدد کر رہا ہوگا۔

حدثنی ربیعة بن کعب الاسلمی قال کنت ابیت مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوء ہ وحاجتہ فقال لی سل
فقلت اسألك مرافقتك فی الجنة قال او غیر ذلك قلت ھو ذاك
قال فاعنی علی نفسك بکثرة السجود۔ (صحیح مسلم جلد ا صد ۱۹۳)

آنحضرتؐ نے جب فرمایا۔ سَلْ (مانگ کیا مانگتا ہے) اس سے آپ کی یہی مراد تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور وہ تیری مراد پوری کرے۔ یہ نہ تھی کہ خدا نے مجھے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ جسے چاہوں اس کی مراد پوری کروں۔ آپ نے اسے سمجھایا کہ اللہ کے حضور تیرے سجدے میری اس دعا کے پورا ہونے میں میری مدد کریں گے۔ یہاں یہ مراد لینا کہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی بس آپ کے ہاتھ میں ہے یا یہ کہ آپ کے بعد یہ قبروں والے اپنے زائرین کو جھولیاں بھر بھر کر دے رہے ہیں اگر تمسک بالمتشابہات نہیں تو کیا ہے عقیدے اسی طرح ثابت ہوتے ہیں؟

(۵) روزہ حضورؐ کے لیے ہے اور آپ ہی اس کی جزا دیں گے۔ آپ نے فرمایا:

الصیام جُنۃ ..... یترک طعامہ و شرابہ و شھوتہ من اجلی الصیام لی وانا اجزی بہ۔[1]

ترجمہ۔ روزہ دار اپنا کھانا پینا اور اپنی جنسی لذتیں میرے لیے چھوڑتا ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی (فیصلے کے دن) اس کی جزا دوں گا۔

صحیح بخاری کی اس روایت پر اعتماد نہ کیجیے۔ امام بخاری نے یہ باب فضل الصوم میں روایت کی ہے اس کا ظاہری مضمون شرک کا ہے۔ دوسری روایت سے اس روایت کی تصیحح کر لیجیے۔

یہ دوسری روایت باب ھل یقول انی صائم اذا شتم میں یُوں ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ کل عمل بنی ادم لہ الا الصیام فانہ لی وانا اجزی بہ والصیام جنۃ۔

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولادِ آدم کے تمام عمل ان کے اپنے لیے ہیں سوائے روزے کے یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ ایک ڈھال ہے۔

اس سند میں قال اللہ کے الفاظ موجود ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات کہنے والا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا اللہ رب العزت ہے سو اس میں کوئی شرک کی بات نہیں — لیکن پہلی حدیث میں یہی بات حضورؐ کے نام پر کہی گئی ہے۔ بریلوی اسے پہلے حوالے سے پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ اثر دیتے ہیں کہ حشر کے دن حضورؐ اپنے امتیوں کو روزے کی جزا دیں گے اور یہ کہ حضو

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۴

کی خاطر روزہ رکھا جا سکتا ہے۔

اسلام میں کوئی عبادت چھوٹی ہو یا بڑی کسی مخلوق کے نام پر نہیں کی جا سکتی۔
اسی طرح بریلویوں کا صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت سے استدلال ہے کہ لوح تقدیر بس حضور کے ہاتھ میں ہے اور آپ ہی تقدیروں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یأتی ابن ادم النذر بشیٔ لم یکن قد قدرته ولکن یلقیه القدر وقد قدرته له استخرج به من البخیل۔[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کو نذر کچھ نہیں دیتی جب تک میں نے اس کے لیے مقدر کچھ نہ کیا ہو ہاں قدر اسے پھینک دیتی ہے اور میں نے اسے اس کے مقدر میں لکھا ہوتا ہے اس طرح بخیل کا مال نکال دیتا ہوں۔

قرآن کریم میں محکم آیات سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تدبیر کائنات سب خدا کرتا ہے اور تقدیریں سب وہی بناتا ہے۔ کسی اور کو تقدیریں بنانے والا بتانا شرک ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں صریح شرک کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحمت کے پھول برسائے دو لفظ زائد بتلا کر بات صاف کر گئے۔ صحیح مسلم کی سند یہ روایت لیجئے :۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال النذر لا یقرب من ابن ادم شیأً لم یکن اللہ عزوجل قدرہ۔[2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر ابن آدم کو کچھ نہیں دیتی جسے اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۹۷۸ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۴۴

اس روایت میں صریح طور پر اللہ تعالیٰ کو تقدیر بنانے والا کہا گیا ہے روایت وہی ہے جو صحیح بخاری میں ہے. صحیح بخاری کے الفاظ میں کچھ غلطی رہ گئی معلوم ہوتی ہے. اب جو شخص بغیر ضروری علم حاصل کئے از خود صحیح بخاری کا مطالعہ کرے گا اور وہ اسے اس کے اردو ترجمے سے سمجھے گا وہ یقیناً شرک کی دلدل میں گرے گا. بریلوی علماء اس قسم کی متشابہ روایات سے اپنے عقائد ثابت کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ عقائد قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ احادیث اور آیات سے ثابت کیے جاتے ہیں متشابہ روایات سے تمسک کرنا اہل زیغ کا کام ہے اہل حق کا نہیں.

اسلام کے عقیدہ توحید پر یہ چھ باب ہم نے آپ کے سامنے ذکر کر دیئے ہیں اب ان کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ فوق الاسباب کسی سے مدد مانگنا اور مصیبت کے وقت اس کے نام کی دہائی دینا یہ اللہ رب العزت کے سوا کس کا حق ہے؟ پکار فوق الاسباب کے لائق صرف اس کی ذات ہے۔ ہم نے پکار فوق الاسباب کے مقدمہ میں قرآن کریم کی دس آیات اس موضوع پر پیش کیں ہیں کہ پکار فوق الاسباب صرف اسی ایک ذات کا حق ہے۔

اب ہم اس پر احادیث بھی پیش کیے دیتے ہیں جن سے واضح ہو گا۔ کہ حاجت مند یا فریاد خواہ کے طور پر ہم صرف خدا کو فوق الاسباب پکار سکتے ہیں اس کے سوا ہم کسی کو اپنی مدد کے لیے فوق الاسباب پکاریں تو شرک ہو گا۔

آنحضرتؐ نے (فوق الاسباب) پکار کو خود عبادت قرار دیا ہے حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان الدعاء هو العبادة (ثم قرأ) وقال ربكم ادعوني استجب لكم۔[1]

ترجمہ بے شک پکارنا عبادت ہی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی " اور تیرے رب نے کہا ہے مجھے پکارو میں تمہیں پہنچوں گا۔

آنحضرتؐ نے اس پر جو آیت پڑھی وہ پ۲۴ سورۃ المومن رکوع ۶ میں ہے اس میں اس پکار کا ذکر ہے جو کسی ضرورت اور طلب کے وقت کی جائے ــــ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہی عبادت قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی مصائب اور تکالیف میں صرف وہی ایک ذات ہے جس کو پکارا جا سکتا ہے اور اس کے نام کی دہائی دی جا سکتی ہے اور وہی ایک ہے جو اس فریاد رس کی پکار کو پہنچتا ہے ایسے وقت میں فوق الاسباب کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا جاننا شرک ہے جو شخص ایسے موقع پر خدا کو نہیں پکارتا

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۷۳ سنن ابن ماجہ صد ۲۸ ابی داؤد جلد صد ۲۰۸

اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں۔

من لا یدعو اللہ یغضب علیہ۔[1]

ترجمہ۔ جو اللہ کو نہیں پکارتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتے ہیں۔

ایاک نعبد وایاک نستعین میں عبادت اور طلب حوائج کو آپس میں جوڑا گیا ہے اور دونوں کو صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور ہر مومن اسی عقیدے سے یہ آیت پڑھتا ہے۔ افسوس کہ بریلوی علماء ایاک نعبد میں صرف خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وایاک نستعین میں وہ ولی اور نبی کی طرف توجہ کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کے جلیل القدر محدث فخر علاقہ گجرات علامہ طاہر حنفیؒ صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں۔

فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ۔[2]

ترجمہ۔ پس بے شک عبادت طلب حوائج اور یہ کہ اس سے مدد مانگی جائے یہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہو سکتا ہے۔

بریلوی کہتے ہیں ہم ولیوں اور نبیوں کو حاجات میں اس لیے پکارتے ہیں کہ خدا نے انہیں بعض جزئی امور میں تدبیر امور میں کی سلطنت بخش رکھی ہے اور وہ خدا کی دی ہوئی طاقتوں سے ہمیں رزق اور اولاد دیتے ہیں۔

ہم جواباً کہیں گے کہ یہی عقیدہ مشرکین عرب کا تھا پھر تم میں اور ان میں کیا فرق رہا؟ بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں مشرکین یہی اعتقاد رکھتے تھے۔

قد یخلع علی بعض عبیدہ لباس الشرف والتالہ ویجعلہ متصرفاً فی بعض الامور الخاصہ ۔ ویقلدہ تدبیر المملکۃ فیما عد الامور العظام۔[3] ویجعلہ موثراً متصرفاً فی قسط من الامور۔[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۴۹۱ [2] مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۳ [3] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۶۱ [4] البدور البازغۃ صفحہ ۱۲۳

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور خدائی کی چادر پہنا دیتا ہے اور انہیں بعض جزئی امور میں تصرف کی طاقت بخشتا ہے ۔۔۔۔ اور بڑے بڑے کاموں کو چھوڑ کر انہیں دوسرے امور میں تدبیر مملکت کی ذمہ داری سونپتا ہے۔
اور انہیں ان کاموں میں تاثیر و تصرف کے اختیار عطا فرماتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بات کے بعد لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو منافق آ گھسے ہیں وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان قبروں والوں دُنیا کے بعض بعض اُمور سر کرنے کی ذمہ داری بخش رکھی ہے :-

والغلاۃ من منافق دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا[۱]

ترجمہ۔ اور حضورؐ کے دین میں داخل ہونے والے آج کے منافق بھی تو یہی کہتے ہیں۔

بارہویں صدی میں اہل بدعت نے قبروں والوں کو صرف بعض تکوینی اختیار دیئے تھے، سارے نہیں اور تدبیر عالم کی صرف بعض قسطیں ان کے سپرد تھیں مگر چودہویں صدی میں مولانا احمد رضا خاں نے ان بڑے بڑے کاموں کو بھی (جنہیں حضرت شاہ صاحب نے فیما عدا الامور العظام کہہ کر اس زمانے کے مشرکین کے عقائد سے مستثنیٰ کیا تھا) حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے سپرد کر دیا اور بریلویوں کو یہ عقیدہ دیا کہ اب دنیا کے جملہ انتظامات آپ ہی ترتیب دے رہے ہیں اور کن کہہ کر کام بنا دینا سب آپ کے اختیار میں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں شاہ بغداد کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں: احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو

کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[۲]

اب آپ ہی سوچیں باقی کیا رہا کیا ان نام نہاد مسلمانوں کی پوری لٹیا شرک کے اس سمندر میں نہیں ڈوب گئی ؟

---

[۱] البدور البازغۃ ص ۱۲۴ [۲] حدائق بخشش ۲ ص ۸

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم پکار فوق الاسباب کی اس بحث میں بریلویوں کی ان چند روایات پر بھی کچھ مختصر بحث کردیں جن کے سہارے بریلوی علماء نہایت بے دردی سے اپنے عوام کو محروم الایمان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک دفعہ پاؤں سو گیا کسی نے عمل بتایا کہ اپنے محبوب ترین عزیز کا دھیان کریں پاؤں میں حس آجائے گی آپ کی زبان سے نکلا یا محمداہ اور وہ تکلیف جاتی رہی۔

مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس الحنفیت ص۴۸۶ میں اس پر ابن السنی اور امام بخاری کی کتاب الادب المفرد وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں۔

الجواب:

عمل بتانے والے کے یہ الفاظ مولوی صاحب نے نقل کیئے ہیں:۔

اذکر احب الناس الیک۔ اپنی محبوب ترین چیز کا دھیان کر۔

اس میں اسے پکارنے کی ہرگز تعلیم نہ تھی نہ اذکر کا معنی اُدع کا ہے۔ سو آپ کا یا محمداہ کہنا غلبہ اشتیاق کے طور پر ہوا پکارنے کے طور پر نہیں۔ نداء کے لیے یا محمد کہا جاتا ہے نہ کہ یا محمداہ یہ پیرایہ عشق کی ایک صدا ہے مدد کے لیے پکار نہیں۔

پھر یہ بھی سوچیں ایک امتی کے لیے حضورؐ کو نام لے کر پکارنے کی محبت بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ حضورؐ کو نام لے کر بلانا صحابہؓ میں ہرگز رائج نہ تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ نبی پاکؐ کو بلانا اس طرح نہ کرلو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو۔ ایک امتی کے لیے حضورؐ کا اس طرح نام لینا بطریق ذکر تو ہو سکتا ہے بطریق نداء نہیں۔

ثانیاً۔ یہ روایت ہے بھی ضعیف اور اس کی کوئی سند ضعف سے خالی نہیں۔ ایک سند میں ابو شبیبہ ہے ایک میں محمد بن مصعب ہے ایک میں زہیر ایک میں معاویہ ہے اور ایک میں غیاث بن ابراہیم ہے اور یہ سب ضعیف ہیں اور ایسی روایات سے عقائد

ہرگز ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ ضعیف تو ایک طرف رہی حدیث صحیح بھی ہو مگر ہو خبرِ واحد تو اثباتِ عقیدہ کے لیے وہ بھی کافی نہیں اثباتِ عقائد کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ ان کی اپنے مدعا پر دلالت بھی قطعی ہو۔

② جنگل میں فرشتوں سے رہنمائی لینا

ایک روایت میں ہے حضور نے فرمایا جب تم جنگل میں رستہ بھول جاؤ یا سواری قابو میں نہ رہے ہاتھ سے چھوٹ جائے یا کوئی اور مدد چاہیئے تو اللہ کے غیبی بندوں کو آواز دو وہ وہاں موجود ہوتے ہیں اعینونی یا عباد اللہ کہو کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اسے مولانا محمد عمر نے مقیاس الحنفیت کے صہ ۴۸ پر نقل کیا ہے۔

الجواب :

اگر بندہ اس غیبی مخلوق کو آواز دیتا ہے جو اس روایت کے مطابق وہاں حاضر بتلائے گئے ہیں تو یہ پکار فوق الاسباب نہ رہی یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی یہاں کے کسی موجود ساتھی کو کوئی کام کہے۔ تاہم اس کام کے ثبوت کے لیے کہ وہاں واقعی کچھ رجال الغیب ہوتے ہیں جو ان راہ گم کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں اس کے لیے کسی قطعی دلیل کی ضرورت ہے، اور وہ یہاں نہیں ہے طبرانی میں ہے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا۔

اعینونی عباد اللہ فان للہ فی الارض عباداً یستحبسہ۔[۱]

ان لوگوں کو وہاں حاضر بتلایا ہے مگر یہ کہتے ہیں حاجات کے لیے غائبانہ پکارنا جائز ہے۔[۲]

یہ روایات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کے مقابلے میں کس وزن کی حامل ہو سکتی ہیں یہ اہلِ علم سے مخفی نہیں اہلِ بدعت اسے سمجھ نہ پائیں تو اس میں کسی دوسرے کا قصور نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[۱] دیکھئے مجمع الزوائد جلد ۱۰ صہ ۱۳۲

واذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت علیٰ ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء قد کتب الله لک۔[1]

ترجمہ۔ جب تو کچھ مانگے تو خدا سے مانگ اور جب تجھے کوئی مدد درکار ہو تو خدا سے مدد طلب کرنا۔ تم جانو کہ اگر سب لوگ جمع ہو جائیں کہ تمہیں کچھ بھی فائدہ دے سکیں تو تمہیں کچھ نہ دے سکیں گے مگر وہی جو خدا نے تیرے لیے لکھ دیا ہو قلم اُٹھ چکے اور تقدیر کے صحیفے خشک ہو چکے۔

اس روایت کے یہ الفاظ کہ اگر سب لوگ تیری مدد کے لیے جمع ہو جائیں (ان الامۃ لو اجتمعت علیٰ ان ینفعوک) اس میں کون کون سے لوگ آ گئے؟ کیا نبی اور ولی اس عموم میں نہیں آئے؟ دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ سب انبیاء و اولیاء اس میں آجاتے ہیں اور کوئی اپنے چاہنے سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔[2]

سو حضرت ابن عباسؓ کی اُس روایت کو آپ کی اس روایت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گو وہ روایت اس درجے میں نہیں کہ وہ اِس روایت کو کسی درجے میں کمزور کر سکے۔ حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے مگر اس کی سند میں معروف بن حسان منکر الحدیث ہے اس کے ایک طریق میں یزید بن علی حضرت عتبہ سے روایت کرتا ہے اور اس نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔

فرشتے اگر کسی کام پہ مامور ہوں اور اللہ تعالیٰ تدبیر عالم میں ان سے کوئی کام لیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ قبروں والے بھی دنیا کے نظام کو چلا رہے ہیں ایک غلط قیاس ہوگا ایسے کمزور دلائل سے فوت شدہ نبیوں اور ولیوں کی پکار فوق الاسباب کی راہ ہموار کرنا ایک بڑی دینی غلطی ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

---

[1] دیکھیے مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۳۲ [2] دیکھیے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱۰ ص ا

⑤ — اہل حق کے ہاں شرک کی حقیقت

اہل حق کے ہاں بندے کا جو معاملہ خدا سے ہونا چاہیئے وہ کسی مخلوق سے کرنا شرک ہے، مثلاً :-

① بندے کا یہ اقرار کہ جس طرح خدا خالق اور رازق ہے خدا کی عطا کردہ طاقت سے یہ قبروں والے بھی ہمارے خالق اور رازق ہیں یہ شرک ہے۔

② انسان کے قریب ہر وقت ہونا اور اس کی ایک ایک بات کو سننا اس کے دل کی دھڑکنوں تک کو بلا اسباب جاننا اور پہچاننا یہ طاقت کسی مخلوق کو نہیں دی گئی اس طرح یہ عقیدہ کہ انبیاء اور اولیاء ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں یہ شرک ہے۔

③ یہاں انسان دوسرے انسانوں کی مدد ان اسباب کے ذریعہ کرتے ہیں جو خدا نے پیدا کیے اور ان پر بندوں کو ان میں تصرف کا موقع دیا۔ لیکن ان سب اسباب سے بالاتر ہو کر کسی کی فریاد رسی کرنا یہ قبروں والوں کو نہیں دی گئی۔ غیب سے مدد کرنا صرف اللہ کی شان ہے نبیوں اور ولیوں میں اس طاقت کا اقرار کرنا یہ انہیں خدائی مرتبہ دینا ہے۔

④ مصیبت کے وقت دفع مصیبت کے لیے کسی کو فوق الاسباب پکارنا یہ معاملہ صرف اللہ رب العزت سے ہونا چاہیئے یہ عقیدہ توحید ہے اور ایسے موقعوں پر قبروں والوں کو پکارنا وہ دور سے ہو یا نزدیک سے یہ شرک ہے۔

⑤ زمین و آسمان کے نظام کو ستاروں کی گردشوں کو، زمین کی حرکتوں کو، رزق کی برکتوں کو ان قبروں والوں کے اختیارات میں سمجھنا اور ضرورت کے وقت ان سے مانگنا

یہ شرک ہے اور یہ طاقتیں قدرتیں اور اختیارات جس میں پائے جائیں اسے الٰہ (معبود) کہتے ہیں. اسلام کے عقیدے میں وہ صرف ایک ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے.

اس تفصیل سے عبادت کے یہ معنی کھلتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مافوق الاسباب ان تمام طاقتوں اور قدرتوں کا مالک سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو انتہائی عاجزی اور بیکسی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کرنا اور اپنی ضرورتوں میں اسے پکارنا، اس کے نام کی دہائی دینا اس کے نام پر نذر لئے گزارنا، اس کے نام پر قربانی دینا، اس کے نام پر خون دینا یہ سب عبادات ہیں اور بندے کا معاملہ جو خدا سے ہونا چاہیئے، کسی دوسرے سے نہ کرنا چاہیئے. وہ اجرام فلکی ہوں یا اجرام ارضی ہوں. انبیاء و اولیاء ہوں یا ملاء اعلیٰ کے فرشتے، آگ اور پانی ہوں یا مٹی اور پہاڑ، قبریں ہوں یا جنات کے تھان ان میں سے کسی سے وہ معاملہ نہ کرے جو ایک مسلمان خدا سے کرتا ہے. اس صورت میں یہ شخص شرک سے بَری ہوگا اور توحید کے اقرار سے اللہ رب العزت کی بادشاہی میں داخل ہوگا.

اب اس کی تمام زبانی عبادتیں (التحیات) بدنی عبادتیں (والصلوات) اور مالی عبادتیں (والطیبات) صرف ایک اللہ کے لیے ہوں گی اور وہ ہر نماز کے آخر میں اس کا اقرار کیا کرے گا اس کے بعد وہ سلام پھیرے عبادت اس کی پوری ہو چکی.

⑥ بریلوی علماء کی بے رحم پالیسی

بریلوی علماء اب تک اپنے عوام کے ذہنوں میں بات نہیں ڈال سکے کہ عبادت اور تعظیم میں فرق ہے ان کے ہاں یہ دو لفظ ہیں اور بس. وہ بزرگوں کی تعظیم اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں عبادت کا دھوکہ لگتا ہے اور جب ان کے علماء کو کہا جائے، کہ خدارا اپنے عوام پر رحم کرو اور انہیں یہ فرق سمجھا دو تو وہ بجائے انہیں توحید پر

لانے کے الٹا اپنی راہ شرک کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ایسے مواقع پر ان کا تمسک صرف متشابہات سے ہوتا ہے جو کج رفتاروں کا سرمایہ علم ہے. قرآن کریم میں ہے :-

اما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله - (آیت ۳ آل عمران)

ترجمہ. لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں فتنہ کی طلب میں اور ان کی مراد تلاش کرتے ہیں.

اسلام میں عقائد محکمات سے ثابت ہوتے ہیں متشابہات سے نہیں لیکن بریلوی علماء اتنے بے رحم ہیں کہ اپنے عوام کو محروم الایمان کرنے کے لیے انہیں ہمیشہ متشابہات سے استدلال کرنے کی عادت ڈالتے ہیں. بریلویت کی عمارت انہی کمزور بنیادوں پر کھڑی ہے.

متشابہات کے بعد انتہائی کمزور روایات کے سہارے

قرآن کریم کی ہر آیت اپنے ثبوت میں قطعی اور یقینی ہے تاہم یہ ضروری نہیں کہ آیت اپنے مضمون میں واضح اور محکم بھی ہو. قرآن کریم میں کئی آیتیں متشابہات بھی ہیں جن سے اہلِ حق اثباتِ عقائد میں کبھی تمسک نہیں کرتے اہلِ بدعت کو جب اپنے بدعی عقائد کے لیے قرآن کریم کی کوئی صریح دلیل نہیں ملتی تو وہ آیاتِ متشابہات سے دلائل لاکر انہیں انتہائی کمزور روایات سے صریح بناتے ہیں ان کے جاہل عوام ان موضوع کے قریب پہنچنے والی روایات کو جھوم جھوم کر نصوص قطعیہ بتاتے ہیں اور اپنے دوسرے عوام کو نہایت بیدردی سے شرک کے زینے پر لے آتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   بس بہر دستے نہ باید داد دست

الباب الخامس

تعظیم کے نام پر عبادت کے مختلف پیرائے

بریلوی علماء مزاروں کے گرد اپنے عوام کو یہ ذہن دیتے ہیں کہ تم یہاں جو کچھ کر رہے ہو وہ دست بستہ قیام ہو یا سجدے یہ ان بزرگوں کی تعظیم ہے عبادت نہیں اور وہ بے چارے علم سے ناواقف لوگ تعظیم اور عبادت میں فرق کیے بغیر اپنے شرکیہ اعمال کو جاری رکھتے ہیں اور یہ ظالم علماء جب تک اپنے عوام کو ایمان سے کلیۃً محروم نہ کردیں اپنے وعظ سے واپس نہیں لوٹتے۔

وہ کون مسلمان ہے جو توحید کا قائل نہ ہو اور وہ کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرے۔ خدا کو ایک کہنے والے کے حلق میں شرک کی گولی اتارنا کوئی آسان کام نہ تھا بریلوی علماء نے اس کے لیے ایک راہ نکالی اور اپنے عوام کو دو لفظوں کے چکر میں ڈال کر ایمان سے خالی کر دیا اور وہ بے چارہ سمجھ رہا ہے کہ میں بزرگوں کی تعظیم کر رہا ہوں عبادت نہیں کر رہا ہے

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

تعظیمی سجدے اور عبادت کے سجدے میں فرق

کسی مخلوق کو تعظیمی سجدہ کرنا شریعت محمدی میں حرام ہے۔ بعض مغل بادشاہ اپنی رعایا سے تعظیمی رکوع بھی کراتے تھے اس کو کورنش بجالانا کہتے تھے۔ پہلی شرائع میں یہ تعظیم کی حد تک جائز تھا۔ اس شریعت میں یہ حرام ہے۔ اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اب بھی کسی بندے کو تعظیمی سجدہ کرنا شرک نہیں گو حرام ہے کیونکہ شرک تو کبھی کسی

قوم کے لیے جائز نہیں ہوا۔ جب یہ تعظیمی سجدہ پہلی امتوں میں جائز رہا تو یہ شرک کسی کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ نہ پہلی شریعت میں نہ اس شریعت میں گو یہ جائز نہ ہو۔
پہلی شرائع میں یہ تعظیمی سجدہ صرف زندہ انسانوں کو ہوتا رہا ہے وہ بادشاہ ہوں یا پیر دفقیر — قبروں کو تعظیمی سجدہ کبھی نہیں کیا گیا نہ تاریخ میں اس کی کوئی شہادت ملتی ہے۔ یہ قبروں پر سجدے ہرگز تعظیمی سجدے نہیں یہ غیراللہ کی صریح عبادت ہے۔
جس طرح ہندو پتھروں کے آگے جھکتے ہیں یہ بریلوی جو سجدہ تعظیمی کے قائل ہیں، پتھروں اور قبروں کے آگے جھکتے ہیں۔ علامہ شامی صحیح فیصلہ دے گئے ہیں کہ بُت پرستی کی ابتدار قبر پرستی سے ہوئی تھی ۱۔

ان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔[۱]

ترجمہ۔ بت پرستی کی ابتدار اس سے ہوئی کہ لوگ نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے رہے۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

نماز کی تین حالتیں ۱۔ دست بستہ قیام ۲۔ رکوع اور ۳۔ سجدہ تینوں عبادت ہیں۔ کسی کے سامنے تعظیماً یہ اعمال بجائے لائے جائیں تو سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تعظیم کی جا رہی ہے لیکن کوئی شخص حضورؐ کے روضہ اطہر سے سینکڑوں میلوں کے فاصلے پر دست بستہ تعظیمی قیام کر رہا ہے اب اس کو تعظیم کیسے سمجھا جائے۔ غور کیجئے کہیں یہ فوق الاسباب پکار تو نہیں جو یہ امتی بدوں اس عقیدے کے کہ فرشتے میرا یہ سلام حضورؐ کو پہنچا دیں حضورؐ کو سامنے حاضر و ناظر سمجھ کر بجا لا رہا ہے؟ بریلوی علماء قبروں پر ہونے والے سجدوں کو کبھی شرک نہیں کہتے۔ مولانا احمد رضا خاں نے سجدہ تعظیمی

---

[۱] ردالمحتار جلد اوّل صہ

کی حرمت پر ایک رسالہ لکھ دیا. لیکن قبروں پر ہونے والے ان سجدوں کو شرک کہیں بھی نہیں کہا۔

بریلوی علما سے یہ کہیں کہ تم بدنی آداب میں عبادت اور تعظیم میں کیافرق کرتے ہو تو یہ بالکل خاموش ہو کر رہ جائیں گے۔ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے اگر کچھ کہہ سکیں گے تو یہی کہ بدنی پیرایہ ادا میں عبادت اور تعظیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک دفعہ ایک بریلوی مولوی سے واسطہ پڑا اور ہم نے ان سے اسلامی عبادت کا طریقہ پوچھا. کہنے لگے جس میں ہاتھ بندھے ہوں قیام، رکوع اور سجدہ. یہ نماز کے بڑے نشان ہیں یہ عبادت کی مختلف شکلیں ہیں. ہم نے کہا یہ صور عمل کسی مخلوق کے آگے اختیار کی جا سکتی ہیں. کہنے لگے ہاں تعظیم کی نیت کرلے. دست بستہ قیام اور رکوع کرلے. لیکن سجدہ تعظیمی اس شریعت میں کسی مخلوق کے لیے جائز نہیں. ہاں اگر کوئی کرے تو یہ شرک نہیں ہے۔

ہم نے کہا تو پھر تعظیم اور عبادت میں فرق بیان کر دیجئے. کہنے لگے یہ فرق کرنا بہت مشکل ہے. ہم نے کہا کہ جب یہ تمہارے لیے بھی مشکل ہے تو تمہارے عوام اس فرق کو کیا سمجھتے ہوں گے ؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مزارات پر جو یہ کاروبار ہو رہا ہے یہ لوگ اپنے ذہن میں انہیں یہی سمجھ کر پکارتے ہیں کہ یہ ہماری سب دنیوی حاجات پوری کریں گے اور ہمارا نفع ونقصان بیماری اور شفا بس انہی کے ہاتھ میں ہے. یہ پکار فوق الاسباب اپنی اسی حاجت روائی کے لیے کی جاتی ہے۔

الباب السّادس

آخرت میں مُشرک کا خوفناک انجام

① مشرکوں کا انجام قرآن کی روشنی میں

شرک جس راہ سے آئے شرک ہے. یہ محبت کی راہ سے آئے یا عداوت کی راہ سے آئے یہ ہر حال میں شرک ہے. عیسائی حضرت عیسیٰ کی محبت میں شرک میں مبتلا ہوئے. اور انہیں خدائی کے مقام پر لے آئے. یہودی عداوت کی راہ سے کفر کی سرحد پر آئے اور بنو اسماعیل کی دشمنی میں حضرت خاتم النبیین کے مخالف ہوئے. حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنایا ــــ جو مسلمان قبر پرستی کی راہ سے مشرک بنے وہ بھی محبت کی راہ سے شرک کی راہوں پر آئے. مشرکین عرب کے بارے میں بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ توحید کے قائل تھے بڑا خدا ایک ذات کو ہی مانتے تھے اور اس کی عطار سے وہ ان بزرگوں کو اپنے اپنے علاقوں میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور وہ ان کی عبادت محض اس لیے کرتے تھے کہ یہ چھوٹے معبود انہیں بڑے خدا کے قریب کر دیں اور اس کے حضور ان کا وسیلہ ہو جائیں.

اب دیکھیے قرآن کریم نے مرنے کے بعد ان مشرکوں کا جو ایک خدا کی توحید کا اقرار کر کے عطا کی اوٹ میں نبیوں اور ولیوں میں خدا کی طاقتیں ثابت کرتے تھے. کیا انجام بتلایا ہے ــــ ہم اس پر سر دست یہ سات آیتیں پیش کیے دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بریلوی عوام اس خوفناک انجام سے ڈر کر ہی اپنے مولویوں کو چھوڑ جائیں. جو خود تو وقت پر تاویل کر لیتے ہیں لیکن اپنے عوام کو محروم الایمان کیے بغیر نہیں چھوڑتے.

انه من یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة ومأواه النار وما للظالمین من انصار۔ (پ المائدہ ۷۲)

ترجمہ۔ بے شک جو شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا آگ میں ہے اور نہیں کوئی ان ظالموں کا مددگار۔

یہ ایک آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں کبھی ان کو جنت کی ہوا نہ لگ سکے گی بس اسی آگ میں ہی پڑے رہیں گے اور کوئی ان ظالموں کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔

ومن یشرك باللہ فكانما خر من السماء فتخطفه الطیر او تهوی به الریح فی مكان سحیق۔ (پ الحج ۳۱)

ترجمہ۔ اور جو کرے اللہ سے شرک تو وہ ایسے ہے جیسے کوئی گر پڑا آسمان سے سو پرندے اسے نوچ ڈالیں یا ہوا اسے کسی دور دراز جگہ پر جا پھینکے۔

کس قدر خوفناک انجام ہے جو اس طرح پرندوں کا لقمہ بنے یا دور دراز کی جگہوں میں اسے ہوا کا جھکڑ پھینک دے اور پھر وہ جانوروں کا لقمہ بنے۔

وقال الذین اتبعوا لو ان لنا كرة فنتبرأ منهم كما تبرءوا منا كذلك یریهم اللہ اعمالهم حسرات علیهم وما هم بخارجین من النار۔ (پ البقرہ ۱۶۷)

ترجمہ۔ اور یہ مشرکین کہیں گے ہمیں اگر ایک دفعہ دنیا میں پھر جانا ملے تو ہم بھی اپنے ان معبودوں سے اسی طرح الگ ہو جائیں جس طرح یہ آج ہم سے الگ ہوئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال حسرتیں بنا کر دکھلائے گا اور وہ کبھی آگ سے نہ نکل سکیں گے۔

گناہگار بخشا جائے گا مگر مشرک نہیں

گناہگار تو آگ میں کچھ وقت کے لیے جائیں گے۔ وقت کی مدت ان کے گناہوں کے مطابق ہوگی۔ مگر بالآخر بوجہ ایمان ان کا آگ سے نکلنا ہوگا۔ مگر شرک کے گنہگار کبھی آگ سے نہ نکل سکیں گے۔ یہ آیات الٰہیہ کی تکذیب کرنے والے اور اتراتے پھرنے والے کبھی خدا کی بادشاہی میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط و کذلک نجزی المجرمین۔ لھم من جہنم مھاد ومن فوقھم غواش وکذلک نجزی الظالمین۔ (پ الاعراف ۴۱)

ترجمہ بے شک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان کے مقابل اپنے کو بُرا جانا نہ کھلے جائیں گے ان کے لیے دروازے آسمانوں کے اور وہ داخل نہ پائیں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں گھس جائے اور ہم اس طرح بدلہ دیں گے گنہگاروں کو ان کے واسطے دوزخ کا بچھونا ہوگا اور اسی کا اوپر سے اوڑھنا ہوگا اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔

(پ النساء ۴۸ - ۱۱۶)

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتے اس کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے سوا بخش دیں گے جسے چاہیں۔

مشرک کی بدبختی اس درجے میں ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلتا ہے اور کبھی نہ بخشا جا سکے۔

⑦ مشرکوں کے لیے دُعائے خیر سے بھی منع کر دیا گیا ہے

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین. (پ۱۱ التوبہ ۱۱۳)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو اس کا حق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں ان کی بخشش کبھی نہ ہوسکے گی سو ان کے لیے دعائے مغفرت کی دعا کرنا بھی حرام ٹھہرایا گیا۔

مسلمانوں کے لیے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید مغفرت کا بڑا سہارا ہے۔ آنحضرتؐ کی یہاں کی زندگی میں بھی گنہگار مسلمان آپ کے پاس آکر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تھے اور حضورؐ بھی ان کے لیے دعائے استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتے۔ وفات کے بعد گنہگار مسلمان آپ کی شفاعت کے سہارے جیتے ہیں شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگی۔ لیکن مشرک کتنا بدبخت ہے کہ حضورؐ کو اس کے لیے مغفرت مانگنے سے روک دیا گیا اور فرمایا کہ آپ کو حق ہی نہیں کہ مشرکین کے لیے گناہوں کی معافی مانگیں۔ ہم ان کے لیے جنت حرام کر چکے ہیں۔

بریلوی مولویوں کو چاہیئے کہ اپنے عوام پر رحم کریں اور انہیں کسی ایسے عقیدہ اور عمل پر نہ لگائیں کہ جنت ان کے نصیب میں نہ رہے۔ شرک وہ گہری دلدل ہے کہ اس میں دھنسا شاید ہی کبھی باہر نکلا ہو کھلے شرک سے تو ہزاروں نے توبہ کی ہوگی۔ لیکن جو شرک عقیدہ توحید کے ساتھ آئے وہ زندقہ بھی ہے اور زندیقوں کا شرک کبھی توبہ کی گھاٹی پر آیا نہیں دیکھا گیا۔

یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ جنت انسان پر کب حرام ہوتی ہے اور کس عمل سے وہ لائقِ مغفرت نہیں رہتا۔ اب وہ عملِ عظیم بھی سن لیں جس سے انسان پر آگ حرام ہو جاتی ہے۔

(۳) صدق دل سے دو اقرار جہنم کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو جب وہ آپ کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھے تو آپ نے انہیں بڑے اہتمام سے فرمایا :۔

ما من احد یشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمدا رسول اللّٰه صدقاً من قلبه الا حرمه اللّٰه علی النار۔[1]

ترجمہ۔ کوئی ایسا نہیں کہ دل سے شہادت دے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔

ایک خدا کو بڑا مان کر اس کی عطا کردہ طاقتوں سے اور کئی چھوٹے خدا اس کے شریک بتلانا جیسا کہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا یہ وہ شرک ہے جس سے قرآن کریم نے مشرک پر جنت حرام فرمائی۔ سو ایسا عقیدہ رکھنے والا صدق دل سے توحید کا قائل نہیں وہ زندقہ کی راہ سے توحید کا اقرار کرتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے راہ عمل کے لیے حضورؐ سے ہدایات نہیں لیتا حضورؐ کو اپنا رہنما نہیں سمجھتا تو وہ بھی صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کرتا۔ یہ اس کے وہ دو جرم ہیں جن کے باعث ان کا آگ میں جانا حرام نہ ٹھہرا اس بے نصیب پر جنت حرام کر دی گئی۔

جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنی دینی زندگی کے لیے پیروں اور ملنگوں کو یا اپنے باپ دادا کے طریقوں کو سند بناتے ہیں وہ اپنے لیے حضورؐ کی تشریف آوری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ یہ وہ غلط راہِ عمل ہے جو اسے صدق دل سے محمد رسول اللہ کے اقرار پر نہیں آنے دیتی۔

---

[1] رواه البخاری ومسلم وفی روایۃ احمد مخلصاً فی قلبه جلد ۸ صفحہ ۲۴۵

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کلمہ پڑھنے پر نجات کی ضمانت نہیں دی بلکہ ساتھ صدق دل کی قید لگائی۔ کلمہ پڑھ کر جو لوگ عقائد شرکیہ میں مبتلا ہیں وہ توحید و رسالت میں زندقہ کا شکار ہیں ان کا کلمہ پڑھنا انہیں آگ پر حرام نہیں کرتا۔

توحید میں کسی کو اخلاص مل جائے وہ صدق دل سے لا الہ الا اللہ پر آجائے تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ کے اقرار میں اسے اس اقرار توحید کی برکت سے صحیح راہ پر لگا دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ توحید ہے جس میں اخلاص کی دولت ہر کسی کا نصیب نہیں۔

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو اللہ کی رضا کے حاصل کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کہے گا اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ اس پر حرام کر دیتے ہیں۔

لا الہ الا اللہ یبتغی به وجه اللہ الا حرم اللہ علیه النار[1]

ترجمہ۔ جو شخص خالصۃً لوجہ اللہ لا الہ الا اللہ کہے گا اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔

جب تک ایک خدا کے سوا ہر ایک کے الٰہ ہونے کا انکار نہ ہو انسان شرک سے نہیں نکلتا اس کے بغیر اس کا اقرار توحید زندقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کلمہ شہادت پڑھتے سنا تو فرمایا:۔

اشهد ان لا یشهد بها احد الا برئ من الشرك۔[2]

ترجمہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو بھی اس کی گواہی دے (کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں) تو وہ شرک سے بچ نکلا۔

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ احمد والطبرانی

عقیدۂ نور

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:۔

بریلویوں کو اہل سنت سے جدا کرنے میں ان کا دوسرا عقیدہ مسئلہ نور ہے۔ اس میں ان کی پانچ غلطیاں ہیں۔

① انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نور سمجھ رکھا ہے۔

② اس نور الٰہی سے وہ نور محمدی کا صدور مانتے ہیں۔

③ حضورؐ کو یہ ابتداء سے نور مانتے ہیں۔

④ سنت کو یہ نور نبوت نہیں سمجھتے۔

⑤ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وجود صرف نور کا ہے اندھیرا وجودی چیز نہیں عدم محض ہے۔

ہم پیشتر اس کے کہ ان عنوانات پر اہل سنت عقائد بیان کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نور کی کچھ تشریح کر دیں کہ یہ کیا چیز ہے؟

عربی میں نور روشنی Light کو کہتے ہیں اور اس کا ایک اپنا جسم ہے اور پھیلاؤ ہے۔ جن حدود تک دن پھیلا ہوا ہے وہ روشنی ہے اور جہاں یہ روشنی نہیں وہاں اندھیرا ہے۔ روشنی اور اندھیرے کا اپنا اپنا پھیلاؤ اور جسم ہے۔ روشنی کا ایک اپنا وجود اور جسم ہے یا یہ کوئی کیفیت ہے جو کسی جسم پر اترتی ہے۔ اس میں سائنسدانوں کا اختلاف ہے۔ فزکس Physics میں Light (روشنی) اور Heat (گرمی) دو برابر کے موضوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو نور نہیں کہہ سکتے کیونکہ نہ وہ جسم ہے اور نہ اس کا کوئی اپنا پھیلاؤ ہے۔ یہ جسم ہونا اور پھیلاؤ رکھنا یہ مخلوق کی صفات ہیں خالق کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم یا جسمانی ہونے سے

پاک ہے۔

پھر یہ روشنی جو مخلوق ہے دو قسم کی ہے ظاہری اور باطنی ـــــ ظاہری روشنی اس دنیا میں سورج چاند اور ستاروں سے ہے۔ اور باطنی روشنی فرشتوں، انبیاء و مرسلین اور اولیاء اللہ کے ذکر و اذکار سے ہے۔ ظاہری روشنی نورِ ذات ہے اور باطنی روشنی نورِ صفات ہے ـــــ ایمان و عمل نورِ نبوت سے روشن ہیں، اس روشنی کا ظاہری روشنی سے کوئی تعلق نہیں ـــــ مجوس (آتش پرستوں) کی غلطی تھی کہ انہوں نے ظاہری روشنی (آگ) کو خدا سمجھ لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ اور ہندوؤں کی غلطی ہے کہ ان میں سے بعض اب تک سورج کو خدا اور چاند کو بڑا دیوتا سمجھتے ہیں کہ اس میں خدا جلوہ گر ہوا۔ باطنی نور کو ظاہر نور (روشنی) سے ملانا یہ مجوس و ہنود کی غلطی تھی۔ بریلویوں نے خدا کو نور سمجھ کر وہی غلطی کی ہے جو پہلے مجوس و ہنود کر چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نہ نور (روشنی) ہے نہ نورانی ـــــ نہ اس کا کوئی جسم ہے اور نہ وہ کسی کیفیت کا نام ہے۔ اگر اسے نور کہیں تو یا اسے جسم مانا جائے گا یا کوئی جسمانی کیفیت ـــــ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے پاک ہے۔ سو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں۔

سوال: اگر اللہ تعالیٰ نور Light نہیں تو پھر قرآن پاک میں کیوں کہا گیا ہے:-

اللہ نور السموات والارض۔ (پ۱۸: النور۔ ع ۵)

جواب: یہ آیت متشابہات میں سے ہے اس لیے اس سے عقیدہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں تاویل کی جائے گی اور اسے قرآن پاک کی دوسری محکم آیات کے تابع رکھا جائے گا اور اس کے معنی زمین و آسمان کو نور دینے والے یا زمین و آسمان میں نورِ ہدایت اُتارنے والے کے کیے جائیں گے۔ یہ عقیدہ نہیں رکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور ہے۔ متشابہات پر عقائد کی بنا رکھنا علم میں فتنہ پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما کر کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں:-

۱۔ محکمات اور ۲۔ متشابہات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغآء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔ (پ ۳ آل عمران آیت ۷)

ترجمہ۔ اور جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ متشابہات کے تابع ہو جاتے ہیں فتنہ چاہنے اور پہلو ڈھونڈنے کو اور نہیں جانتا اس کی مراد مگر اللہ۔

سوال: کیا اہل السنۃ والجماعۃ کے کسی متقدر عالم نے کہا ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے؟

جواب: ہاں! امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

ان ھٰذہ الآیۃ من المتشابہات۔[1]

اب پوری عبارت دیکھئے:-

واعلم ان القول بان اللہ تعالیٰ ھو ھذا النور او من جنسہ قول باطل ویدل علیہ وجوہ۔ الاول ان النور اما ان یکون جسمًا او کیفیۃ فی الجسم والجسم محدث فکیفیاتہ ایضًا محدثۃ وجل الالٰہ ان یکون محدثًا۔ الثانی ان النور تضادہ الظلمۃ والالٰہ منزّہ ان یکون لہ ضد ــــ الثالث ان النور یزول و یحصل لہ افول واللہ منزہ عن الافول والزوال و اما قولہ تعالیٰ اللہ نور السمٰوات والارض ان ھٰذہ الآیۃ من المتشابہات۔[2]

ترجمہ۔ اور جان لو یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ وہ یہ نور ہے یا وہ اس نور کی جنس میں سے ہے یہ قول باطل ہے اور اس پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ نور (روشنی) کا ایک اپنا جسم ہے یا یہ جسم میں اُتری کوئی کیفیت ہے جسم مخلوق ہے اور اس پر اُتری کیفیات بھی مخلوق ہوں گی اور معبود رب العزت اس سے بالا ہے کہ وہ کوئی مخلوق ہو دوسری بات یہ ہے کہ نور (روشنی) کے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ طبع جدید

مقابلہ میں ظلمت (اندھیرا) موجود ہے اور معبود برحق اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی ضد ہو۔۔۔ تیسری بات یہ ہے کہ روشنی کو زوال آتا ہے اور وہ جاتی بھی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس زوال وغروب سے پاک ہے۔ اگر تم کہو کہ قرآن کریم میں ہے اللہ نور السموات والارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان بھی ہے جو اس کے فوراً بعد وارد ہے۔

مثل نورہ (اس کے نور کی مثال) اس نے نور کو اپنی طرف مضاف کیا ہے اور یہ اضافت ملک ہے جو اپنے مالک کی طرف ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں وہ تو نور کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کا مالک ہے۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور۔

(پ الانعام آیت آمل)

اس پر امام رازیؒ لکھتے ہیں ۔

وذلک صریح فی ان ماھیۃ النور مجعولۃ للہ تعالیٰ فیستحیل ان یکون الا لہ نور فثبت انہ لہ بدلہ من التاویل والعلماء ذکروا فیہ وجوھا احدھا ان النور سبب للظھور والھدایۃ لما شارکت النور فی ھذا النور فی ھذا المعنی صح اطلاق اسم النور علی الھدایۃ وھو کقولہ تعالیٰ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور[1]

ترجمہ۔ یہ بات صریح ہے کہ نور کی ماہیت اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ سو یہ محال ہے کہ معبود برحق خود نور ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تاویل ضروری ہے اور علماء نے اس کی توضیح میں کئی وجوہ ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ روشنی کسی چیز کے ظاہر

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ ، صد ۲۲۴

کرنے اور راہ بتانے کا سبب ہے جب نور اس نور کے ساتھ اس معنی میں آملا تو ہدایت (راہ پانے) پر نور کا اطلاق صحیح ٹھہرا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے انہیں اندھیروں سے نکالتا ہے اور نور کی طرف لے آتا ہے۔

امام رازیؒ نے نور کے اطلاق پر قرآن کریم کی اور آیتیں بھی پیش کی ہیں اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آیت اللہ نور السموات والارض کی یہ تفسیر نقل کی ہے:۔

ان المراد هادی اهل السموات والارض وهو قول ابن عباس والاکثرین رضی اللہ تعالیٰ عنهم[1] یہاں نور ہادی کے معنی میں ہے

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) بھی فرماتے ہیں:۔

ان اللہ یقول نوری هدی[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا نور میری ہدایت ہے۔

آیت مذکورۃ الصدر اللہ نور السموات والارض کے آخر میں اللہ رب العزت نے خود اپنے نور کی تشریح اس طرح کر دی ہے:۔

یهدی اللہ لنوره من یشاء۔ (پ۱۸ النور آیت ۳۵)

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ کے نور سے مراد نور ہدایت ہے نہ کہ وہ ذاتاً نور ہے اور نور اس کی صفت ذات بھی نہیں صفت فعل ہے۔

امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

ولا یصح ان یکون النور صفة ذات اللہ تعالیٰ وانما هو صفة فعل ای هو خالقه[3]

تابعی جلیل ابوالعالیہؒ (۹۰ھ) اللہ نور السموات والارض کا یہ معنی بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۳ صفحہ ۲۲۴ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۹ [3] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۴۲

وقال ابو العالیۃ مزین السموات بالشمس والقمر والنجوم ومزین الارض بالانبیاء والعلماء والاولیاء[1]

ترجمہ۔ اللہ نور السموات والارض کا معنی ہے آسمانوں کو سورج چاند اور ستاروں سے مزین کرنے والا اور زمین کو انبیاء کرام اور علماء اور اولیاء سے زینت دینے والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے:۔

انت نور السموات والارض ومن فیھن۔

اس کی شرح میں ابن بطال (ھ) لکھتا ہے:۔

انت نور السموات والارض ومن فیھن ای بنورک یھتدی من فی السموات والارض[2]

ترجمہ۔ اے اللہ تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا نور ہے تیرے نور سے ہی آسمانوں اور زمین والے ہدایت پکڑتے ہیں۔

علامہ عینی (۸۵۵ھ) نے اللہ نور السموات والارض کی ایک یہ قرأت بھی نقل کی ہے:۔

اللہ نَوَّر السموات والارض علی صیغۃ الماضی من التنویر

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو منور کیا روشنی بخشی۔

مشہور تابعی مفسر ضحاک (۱۰۲ھ) کہتے ہیں نور یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کو چاند سورج اور ستاروں سے اور انبیاء ملائکہ اور مومنوں سے روشن کرنے والا ہے[3]

اسلام کے پہلے دور کی آواز ہے جو ہم نے صحابہ کرامؓ اور تابعین حضرات کی تفسیروں سے آپ کو سنادی ہے۔ ان میں سے کسی نے اللہ رب العزت کو ذاتاً نور نہیں مانا۔ اس کے نور ہونے کو یہ سلف صالحین نورِ ہدایت کے معنی میں ہی لیتے رہے ہیں۔

---

[1] عینی شرح صحیح البخاری جلد ۷ ص۱۲۶ [2] ایضاً جلد ۷ ص۱۲۶ [3] تفسیر مظہری جلد ۸ ص۳۶۱

اب آیئے تیسری صدی میں چلیں۔ حافظ ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) بھی اللہ کے نور سے مراد نور ہدایت لیتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

واختار ھذا القول ابن جریر۔ اسی قول کو ابن جریر نے نقل کیا ہے۔

چوتھی صدی کے جلیل القدر محدث علامہ خطابی (۳۸۸ھ) صاحب معالم السنن اللہ کے نور ہونے کا معنی یہ لکھتے ہیں :-

معناہ الذی بنورہ یبصر ذوالعمایۃ و بھدایتہ یرشد ذوالغوایۃ و قال ومنہ اللہ نور السموات والارض معنی ای منہ نورھا قال و یحتمل ان یکون معناہ ذوالنور[1]

اس کا معنی ہے وہ ذات جس کے نور سے نابینا بھی دیکھ لے اور اس کی ہدایت سے بھٹکا بھی راہ پاجائے اور اسی معنی میں ہے اللہ نور السموات والارض یعنی آسمانوں اور زمین کی روشنی اسی سے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے نور سے مراد اس کا ذوالنور (نور والا) ہونا ہو۔

اب پانچویں صدی میں چلیں۔ علامہ قشیری (۴۶۵ھ) فرماتے ہیں :-

قال القشیری فی قولہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض ینور الآفاق بالنجوم والقلوب بفنون المعارف وصنوف العلوم والابدان بآثار الطاعات[2]

ترجمہ۔ اللہ نور السموات کا معنی یہ ہے کہ وہ آفاق کو ستاروں سے اور قلوب کو لطائف معارف سے اور طرح طرح کے علوم سے منور کیے ہوئے ہے اور ابدان کو وہ نیکیوں کے آثار سے نور بخشتا ہے۔

اب چھٹی صدی کے محقق عظیم قاضی عیاض مالکیؒ (۵۴۴ھ) سے بھی سنیں۔ آپ اُسے

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ [2] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۹۹

ائمہ اسلام کا مذہب و مختار قرار دیتے ہیں :-

ومن المستحیل ان تکون ذات اللہ نورا اذ النور من جملۃ الاجسام واللہ سبحانہ و تعالیٰ یجل عن ذالک ھذا مذھب جمیع ائمۃ المسلمین ومعنی قولہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض وماجاء فی الاحادیث من تسمیۃ سبحانہ وتعالیٰ بالنور معناہ ذو نورھا وخالقہ وقیل ھادی السموات والارض و قیل منور قلوب عبادہ۔[1]

ترجمہ۔ یہ محال ہے کہ اللہ کی ذات نور ہو۔ کیونکہ نور کا ایک اپنا جسم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا جسم ہو۔ یہ مذہب تمام ائمہ مسلمین کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور جو احادیث میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے لفظ نور وارد ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں (آسمانوں اور زمین) کے نور کا مالک اور اس کا پیدا کرنے والا ہے یہ بھی کہا گیا ہے وہ آسمانوں اور زمین کو ہدایت دینے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں کو روشن کرنے والا ہے۔

اب آیئے آپ کو ساتویں صدی میں بھی لے چلیں۔ مفسر جلیل قاضی بیضاوی (۶۸۵ھ) لکھتے ہیں :-

النور فی الاصل کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ اولا وبواسطتھا سائر المبصرات کالکیفیۃ الفائضۃ من النیرین علی الاجرام الکثیفۃ المحاذیۃ لھما وبھذا المعنی لایصح اطلاقہ علی اللہ تعالیٰ الا بتقدیر مضاعف کقولک زید کرم بمعنی ذو کرم او علیٰ تجوز اما بمعنی منور السموات والارض و قد قرئ بہ فانہ تعالیٰ نورھا بالکواکب ومایفیض عنھما من الانوار

---

[1] از شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ ص ۹۹

او بالملئکة والانبیاء[1]

ترجمہ. نور اصل میں ایک کیفیت ہے جسے پہلے قوت باصرہ پاتی ہے اور پھر اس کے واسطہ سے تمام نظر آنے والی چیزیں اس سے روشن ہوتی ہیں. سورج اور چاند سے یہی کیفیت ان اجرام کثیفہ پر آتی ہے جو ان کے سامنے ہوں اور اس معنی (کیفیت) کے اعتبار سے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر روا نہیں. ہاں مضاف مقدر تم کہہ سکتے ہو جیسے زید کرم کا معنی ہے زید کرم والا ہے یا اسے مجاز قرار دیا جائے. بایں معنی کہ وہ آسمانوں اور زمین کو روشنی دینے والا ہے اور ایک ایسی قرأت بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (آسمانوں اور زمین کو) ستاروں سے اور ان سے جو انوار اترتے ہیں ان سے مزین کیا ہے یا مراد فرشتے اور انبیاء لیے جائیں جن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو زینت بخشی ہے.

محدث جلیل امام نووی (۶۷۶ھ) بھی اسی صدی میں گزرے ہیں ان سے سنیئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ذاتاً نور کہتے ہیں. ان کے علم و عقیدے کا ماتم کیجئے !۔

ولا یصح ان یکون النور صفة ذات اللہ تعالیٰ وانما ھو صفة فعل ای ھو خالقه وقال غیرہ معنی نور السموات والارض مدبر شمسها وقمرھا ونجومها[2]

ترجمہ. یہ نہیں ہو سکتا کہ نور اللہ تعالیٰ کی صفت ذات ہو. سوائے اس کے نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت فعل ہے یعنی وہ نور کا پیدا کرنے والا ہے اور کئی دوسروں نے کہا ہے. نور السموات والارض کا معنی ہے ان کے سورج. چاند. ستاروں کو (روشنی سے) چلانے والا.

یہ ساتویں صدی کے دو جلیل القدر اہل سنت ائمہ حق امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اور قاضی بیضاویؒ (۶۸۵ھ) کی شہادت آپ کے سامنے آچکی. یہ حضرات اللہ تعالیٰ کو نور ذات کہنے سے یکسر منع

---

[1] تفسیر بیضاوی ص ۳۵۵ مصر [2] شرح صحیح مسلم جلد ا ص ۲۶۳

کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا کوئی شخص کبھی اہل السنۃ والجماعۃ نہیں سمجھا جا سکتا۔
اب آیئے آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :۔

(اللہ نور السموات والارض) یدبر الامر فیھما نجومھما وشمسھما وقمرھما

وقال ابن جریر ۔۔۔ عن انس بن مالکؓ قال ان اللہ یقول نوری ھدی و

اختار ھذا القول ابن جریر ۔۔۔۔ فبنورہ اضاءت السموات والارض۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہی آسمانوں اور زمین میں ستاروں سورج اور چاند کی تدبیر کر رکھی ہے اور ابن جریر نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا نور میری ہدایت ہے ۔۔۔ ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ۔۔۔۔ سو اس کے نور سے آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

نویں صدی کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور تہجد کے وقت اکثر یوں کہتے :۔

انت نور السموات والارض ومن فیھن۔[2]

اس کی شرح میں حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں :۔

قال ابن بطال انت نور السموات والارض ومن فیھن ای بنورک یھتدی من فی السموات والارض وقیل معناہ ذو نور السموات والارض۔[3]

ابن بطال نے کہا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "اے اللہ تیرے نور سے ہدایت لیتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ذو نور السموات والارض ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کے نور کا مالک و صاحب ہے

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۹۸ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۵ [3] عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۱۲۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ دعا تھی:۔

اللھم اجعل فی قلبی نورًا و فی سمعی نورًا و فی بصری نورًا وعن یمینی نورًا و امامی نورًا۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! تو میرے دل میں نور پیدا فرما میرے کان اور میری آنکھ میں نور پیدا فرما — میرے دائیں اور میرے آگے اور پھیلا دے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) اس پر لکھتے ہیں:۔

کل ھذہ الامور راجعۃ الی الھدایۃ والبیان وضیاء الحق۔[2]

ترجمہ۔ یہ سب امور ہدایت وضاحت اور سچی روشنی کی طرف راجع ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اعضائے رئیسہ میں جو روشنی کی طلب کی ہے اس کا مطلب حق اور ہدایت کی روشنی ہے یعنی اے اللہ! تو میرے ہر حصہ بدن میں حق اور سچائی کی روشنی اتار دے۔ یہ صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سے ظاہر ہوں۔

یہ نویں صدی کی شہادت آپ نے پڑھ لی ہے۔ کیا کسی ایک محقق نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو نور تسلیم کیا ہے۔ کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے نور ذات ہونے کا قول کیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہی ناکہ اسی سے زمین و آسمان کی روشنی ہے اور وہ نور ہدایت ہے جس سے دنیا و آخرت میں ہدایت پھیلی ہے۔ انبیاء و اولیاء کا نور بھی یہی ہدایت ہے اور یہی وہ نور ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت الشیخ ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ) اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا معنی ذاتِ خداوندی نہیں افاضہ الٰہی کرتے ہیں۔ اللہ کا نور اس کی ہدایت ہے۔ فرشتوں اور نبیوں پر اگر نور کا لفظ بولا جائے تو اس کا معنی یہی ہوگا کہ ان کے واسطہ سے اللہ کی ہدایت ملتی ہے اور دنیا میں پھیلتی ہے حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا ص ۲۶۱ [2] فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳۰

ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقیٰ علیھم من نورہ فمن اصابہ من ذٰلک النور اھتدیٰ ومن اخطأہ ضل۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں خلقت بخشی پھر لوگوں پر اپنا نور اتارا جس کو یہ روشنی پہنچی وہ ہدایت پاگیا اور جو اس سے چوک گیا راہ سے بھٹک گیا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :۔

المراد بہ نور الایمان والمعرفۃ والایقان والطاعۃ والاحسان۔[2]

ترجمہ۔ یہاں اللہ کے نور سے مراد ایمان و معرفت اور یقین و طاعت اور احسان کا نور ہے۔

سو اللہ کے نور سے کسی محدث نے نورِ ذات مراد نہیں لیا۔ نہ اللہ تعالیٰ ذاتاً نور ہے مگر تو اس کا افاضہ ہے اس کی عطا ہے اس کی مخلوق ہے۔ قرآن پاک کے آثار اور اس کے شواہد و بینات سب اسی کا نور ہیں جسے اس نے اپنی خلق پر ڈالا۔

سیدنا حضرت ملا علی قاریؒ مزید لکھتے ہیں :۔

قیل المراد بالنور الملقیٰ علیھم ما نصب من الشواھد والحجج وما انزل الیھم من الاٰیات والنذر اذ لولا ذٰلک لبقوا فی ظلمات الضلالۃ فی بیداء الجھالۃ۔[3]

ترجمہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو نور لوگوں پر اتارا گیا اس سے مراد وہ شواہد و دلائل ہیں جو (اس نظام کائنات میں) قائم کیے گئے ہیں اور اس سے وہ آیات الٰہیہ اور اللہ کا ڈر پیدا کرنے والے امور ہیں جو ان کی طرف اتارے گئے یہ نہ ہوتا تو دنیا گمراہی کے اندھیروں اور جہالت کی وادیوں میں بھٹکتی رہتی۔

اور آگے یہ بھی لکھتے ہیں :۔

---

[1] رواہ احمد والترمذی کمافی المشکوٰۃ [2] مرقات جلد ا صفحہ ۱۵۷ [3] ایضاً

قیل المراد انہ خلق ارواحھم فی ظلمۃ وحیرۃ فالقی علیھم نور الرحمۃ والھدایۃ ولولا ذٰلک لم یھتد الیہ احد[۱]

ترجمہ۔ یہ کہا گیا ہے کہ نور سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اندھیرے اور حیرت میں خلقت بخشی۔ پھر ان پہ نورِ رحمت اور نورِ ہدایت اتارا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو کوئی شخص خدا کی راہ نہ پاتا۔

دیکھیے ائمہ اہلِ سنّت نے کہیں اللہ کی ذات کو نور نہیں کہا۔ معلوم نہیں بریلوی یہ عقیدہ کہاں سے لے کر آئے ہیں کہ اللہ کی ذات نور ہے۔ نور اللہ کی مخلوق ہے یا اس کا افاضہ کلام ہے اس کی ذات اس سے بالا اور پاک ہے کہ اسے نور (روشنی) کہا جائے۔ وہ روشنی کو پیدا کرنے والا ہے وہ خود روشنی کیسے ہو سکتا ہے؟ ــــ گرمی سردی روشنی اور اندھیرا سب کیفیات ہیں اور رب العزت کیفیات سے پاک ہے کیفیت ایک آنی جانی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان ہے:۔

الاٰن کما کان ولم یلق زوالا۔

ترجمہ۔ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھا اس کی کسی شان کو زوال نہیں۔

روشنی کی ضد اندھیرا ہے اور اللہ رب العزت کی کوئی ضد نہیں۔ اندھیرا وجود میں روشنی کا شریک ہے اور اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک اسم النور بھی ہے۔ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ای الظاھر بنفسہ المظھر لغیرہ وقیل ھو الذی ــــ یبصر بنورہ ذو العمایۃ۔[۲]

ترجمہ۔ وہ اپنی ذات سے خود ظاہر ہے اور دوسروں کو ظہور دینے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے نور سے اندھے بھی دیکھ لیتے ہیں۔

---

[۱] مرقات جلد ۱ ص ۱۷۵ [۲] ایضاً جلد ۵ ص ۹۹

گیارہویں صدی کے محدث حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) اللہ کے نور کا معنی بیان کرتے ہیں :۔

مراد بنور مضاف بحق نورے کہ پیدا کردہ وے سبحانہ آں را از آیات بینہ و حجج نیرہ منبثہ در انفس و آفاق از دلائل عقلیہ و نقلیہ۔[1]

ترجمہ۔ وہ نور جس کی اضافت اللہ کی طرف ہو (جیسے اللہ کا نور) اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پیدا کردہ نور ہے اس کے واضح نشان اس کے روشن دلائل جو انفس و آفاق میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں وہ عقلی ہوں یا نقلی سب اللہ کا نور ہیں۔

آیئے اب آپ کو تیرہویں صدی میں لے چلیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں :۔

نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسری قابلِ دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے جیسے چاند سورج کی روشنی کہ پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں۔ پھر ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذاتِ باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں کیونکہ یہ نور مادی ہے۔ لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں :۔

(۱) مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے۔ عطا کرنے والا لفظ محذوف تھا اسے اب ظاہر کر دیا ہے۔

(۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے۔ اللہ ہی اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خود خدا نور ہو گیا (اس صورت میں یہ اطلاق حقیقت نہ رہے گا مجاز ہو جائے گا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ا ص۱۰۴

کہتے ہیں زید عدل۔

(۳) یا مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اللہ زمینوں اور آسمانوں کو چاند سورج اور ستاروں سے اور انبیاء ملائکہ اور مومنوں سے روشن کرنے والا ہے۔ کذا قال الضحاک یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کو درختوں اور ہری بھری گھاس سے نورانی کر دینے والا بھی اللہ ہے۔

(۴) بعض نے کہا اللہ نور ہے یعنی تمام انوار اسی کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمارے لیے رحمت ہے۔[۱]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:-

بعض نے کہا ہے نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اصل ظہور وجود و ہستی ہے۔ جس طرح اصل خفا عدم و ہستی ہے۔ سو نور السموات والارض سے مراد آسمانوں کا موجود ہونا ہے۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔[۲]

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ لفظ نور کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر حقیقی اعتبار سے ممکن نہیں اور علمائے اہل سنت میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کو نور نہیں کہا اور اگر اسے کسی پہلو سے حقیقی طور پر نور کہا جائے تو لازم آئے گا کہ پھر ہر ایک نور پر جو اس دنیا میں شاہد و محسوس ہے (جیسے سورج اور چاند یا انبیاء اولیاء کی روشنی) لفظ نور کا اطلاق مجازاً ہو۔ کیونکہ حقیقی اطلاق اس ذات پر ہو لیا جس کا کوئی کسی بات میں شریک نہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) کے بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (۱۲۳۰ھ) کا نمبر آتا ہے۔ آپ آیت اللہ نور السموات کا معنی لکھتے ہیں:-

اللہ سے رونق اور بستی (آبادی) ہے زمین و آسمان کی۔[۳]

---

[۱] تفسیر مظہری جلد ۸ صـ ۳۶ [۲] ایضاً [۳] موضح القرآن صـ

خاتمۃ المحققین علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۹۱ھ) نے لفظ نور کے معنی میں حکماء، صوفیہ اور علمائے ادب ولغت کا اختلاف تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں :-

اذا علمت ھٰذا فاعلم ان اطلاق النور علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ بالمعنی اللغوی والحکمی السابق غیر صحیح لکمال تنزھہ جل وعلا عن الجسمیۃ والکیفیۃ ولوازمھما واطلاقہ علیہ سبحانہ بالمعنی المذکور وھو الظاھر بذاتہ والمظھر لغیرہ۔[1]

ترجمہ: جب تو نے یہ جان لیا تو جان کہ لفظ نور کا اطلاق ذاتِ الٰہی پر لغوی طور پر اور حکمی طور پر جو بیان ہوا ہرگز صحیح نہیں یہ اس لیے کہ اس کی تنزیہہ بشان کمال کی ہے وہ ذات جسمیت اور کیفیت اور ان کے لوازمات سے پاک اور بالا ہے اس لفظ (نور) کا اس پہ اطلاق بایں طور ہے کہ وہ اپنی ذات سے ظاہر ہے اور دوسروں کو ظہور بخشنے والا ہے۔

آیئے اب چودھویں صدی میں چلیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللّٰھم لک الحمد انت نور السمٰوات والارض کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ای منورھما یک یھتدی من فیھما وقیل المعنی انت المنزہ عن کل عیب یقال فلان منور ای مبرأ من کل عیب ویقال ھو اسم مدح تقول فلان نور البلد ای مزینہ۔[2]

ترجمہ: خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کو روشنی بخشنے والا ہے۔ اے اللہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب تجھ سے روشنی لیتے ہیں۔ ایک معنی نور کا یہ بھی کیا گیا ہے کہ اے اللہ تو ہر کمزوری

---

[1] روح المعانی جلد ص [2] فتح الملہم جلد ۲ ص ۳۳۲

سے پاک ہے۔ عربی میں کہتے ہیں فلان منور اور اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ ہر عیب سے پاک ہونا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم مدح ہے کہتے ہیں فلان نور البلد وہ شہر کو روشن کرنے والا ہے۔

سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے چاند سورج ستارے، فرشتے اور انبیاء واولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع نور سے مستفاد ہے ہدایت ومعرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے۔ تمام علویات سفلیات اس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں حسن وجمال یا خوبی وکمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر آتی ہے وہ اس کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے۔۔۔۔ رات کی تاریکی میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کو انت نور السموات والارض کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان آنکھ دل ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے :۔

واجعل لی نوراً ـــ یا واعظم لی نوراً ـــ یا واجعلنی نوراً۔

یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔

اور ایک حدیث میں ہے :۔

ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ ثم القی الیھم من نورہ فمن اصابہ من نورہ یومئذ اھتدی ومن اخطأہ ضل۔[۱]

ترجمہ جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔

واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔[۲]

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۰۳ [۲] تفسیر عثمانی صفحہ ۴۶۰

علمائے حق نے علی سبیل التسلسل اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ اللہ کی ذات نور نہیں اور ہم اس کی کنہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اللہ کے نور ہونے کا معنی نور ہدایت اور نور افاضہ ہے نہ یہ کہ وہ نورِ ذات ہے۔ نور اللہ تعالیٰ کی صفت فعل ہے جس نے کائنات کو ظاہری اور باطنی روشنی بخشی۔ اللہ کی ذات کو نور فرقہ مجسمہ اور باطنیہ کے سوا کسی اور نے نہیں کہا۔ علمائے حق تاریخ کے ہر موڑ پر اس بدعی عقیدے کا توڑ کرتے آئے ہیں۔ اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی۔ معلوم نہیں بریلویوں نے یہ عقیدہ کہاں سے اپنا لیا ہے۔ جاہلیت میں ایران کے مجوسی اور مانوی اور ثنوی لوگ اس کے علمبردار رہے ہیں اور نور و ظلمت اور یزداں و اہرمن کو وہ دو برابر کی طاقتیں مانتے رہے ہیں۔

حدیث میں اللہ کے نور کے اطلاقات

قرآن و حدیث میں جہاں بھی اللہ کے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے کہیں بھی نور ذات کے معنوں میں نہیں ہے۔ جیسے :-

(۱) حضرت ابو امامہ الباہلیؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہاں خود اللہ سے مراد نور ذات نہیں نور افاضہ ہے اور نور ہدایت ہے۔

(۲) حضرت ہشام بن عروہؓ اپنے باپ سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات وبنورہ الذی اشرقت لہ الارض واضاءت بہ الظلمات من زوال نعمتک۔

ترجمہ: میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اس کے کامل کلمات کے سہارے اور اس کے

اس نور کے ساتھ جس سے زمین روشن ہوئی اور اندھیرے روشنی سے بدلے کہ ایسا نہ ہو کہ تیری کوئی نعمت مجھ سے ٹل جائے۔

③ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں :-

نوری هدای ولا اله الا الله کلمتی فمن قالها ادخلته حصنی و من ادخلته حصنی فقد امن۔

ترجمہ: میرا نور میری ہدایت ہے اور لا الہ الا اللہ میرا کلمہ ہے جو یہ کہے گا اسے میں اپنے قلعے میں داخل کر لوں گا اور جسے میں اپنے قلعے میں داخل کر لوں وہ امن میں آگیا۔

④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا نقل کرتے ہیں :-

اللهم اجعلنی من افضل عبادك عندك حظًا ونصيبًا فی کل خیر تقسمه الیوم من نور تهدی به او رحمة تنشرها او رزق تبسطه او ضر تکشف او بلاء تدفعه۔

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنے ہاں اپنے افضل بندوں میں جگہ دے، تیرے ہر خیر میں جسے تو آج بانٹ رہا ہے میرا حصہ اور نصیب ہو وہ نور جس کی تو ہدایت بخشے یا وہ رحمت جو تو نشر کرے یا رزق جسے تو پھیلائے یا ضرر جسے تو اٹھائے۔ یا بلا جسے تو روکے۔

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه۔ (پ۲۳ الزمر ۲۲)

ترجمہ: بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام کے لیے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

میں نے آپ سے پوچھا. اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندے کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں. آپ نے فرمایا :۔

اذا دخل النور القلب انشرح وانفسح۔

ترجمہ. جب نُور دل میں داخل ہو تو شرح صدر ہو جاتا ہے اور دل کھل جاتا ہے۔

میں نے عرض کی حضورؐ! اس کی علامت بیان فرمائیے؟ آپ نے فرمایا :۔

الانابة الی دار الخلود والتجافی من دار الغرور والتأهب للموت قبل نزول الموت.[1]

ترجمہ. اس گھر کی طرف جھکاؤ پیدا ہونا جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے اور اس دھوکے کے گھر سے پہلو تہی آجانا اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیار ہونا.

یعنی یہ وہ علامات ہیں جو اس نُور سے پیدا ہوتی ہیں جو دل میں آچکا ہو اور اس میں سما چکا ہو.

چودھویں صدی کی شہادت

ہم اسلام کی تیرہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ علماء حق میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کو نورِ ذات نہیں کہا اور جہاں بھی اللہ کے نور کے الفاظ آئے ہیں اس کی تشریح محکمات کی روشنی میں کی. اس ذات کے بارے میں یہی عقیدہ رکھا کہ اس کی ذات اور حقیقت کا ادراک ہم نہیں کر سکتے

چودھویں صدی کے علماء حق کی شہادت بھی لے لیجیے. ترجمان دیوبند شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں :۔

سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے. چاند سورج ستارے فرشتے اور انبیاء

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صد ۱۲۳

واولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع نور سے مستفاد ہے ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے. تمام علویات وسفلیات اس کی آیات تکوینیہ وتنزلیہ سے منور ہیں حسن وجمال یا خوبی وکمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے تو اسی کی وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے. طائف میں جب لوگوں نے حضورؐ کو ستایا تو یہ دعا زبان پر تھی:-

اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة ان يحل بي غضبك.[1]

ترجمہ. اے اللہ! میں تیری ذات کے نور سے جس سے اندھیروں نے روشنی پائی اور دنیا اور آخرت کے امور نے اصلاح پائی تیری پناہ میں آتا ہوں.

حضرت شیخ الاسلام اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:-

واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی ایسے ہی صفت نور بھی ہے اسے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے.

سو اگر ذات باری پر نور کا اطلاق حقیقت سمجھ کر ہو گا تو ماسوے اللہ پر جہاں بھی یہ لفظ بولا جائے گا وہاں اس کے معنی مجازی ہوں گے اور اگر اللہ رب العزت کے لیے اس کا اطلاق حقیقت کے طور پر نہیں کسی تاویل سے ہو گا تو پھر بے شک ماسوے پر اس کا اطلاق بطور حقیقت ہو سکے گا. واجب الوجود کے نور کو ممکنات کے نور سے ملانا کسی طرح جائز نہیں. لیس کمثله شیء (پ۲۵ الشوری ۱۱) قرآن پاک کی نص قطعی ہے.

بریلیوں کی حالت یہاں بہت قابل رحم ہے وہ اپنے نور من نور اللہ کے عقیدہ کی خاطر اللہ کو بھی نور ذات مانتے ہیں اور حضورؐ کو بھی نور ذات. اور اگر کوئی کہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی نور

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۴۷۰

ذات نہیں۔ نور اس کی صفت فعل ہے تو تمہارا نورِ ذات سے نورِ ذات ہونے کا عقیدہ کہاں گیا۔ تو وہ یہاں آکر بالکل بوکھلا جاتے ہیں اور ان کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔

اللہ کے نور ہونے پر جو یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اس کی اسلام کی چودہ سو سالہ تشریح ایسی پختہ اور صحیح ہے کہ بریلویوں کے مفتی احمد یار صاحب سے بھی اس کا انکار نہیں ہو سکا۔ آپ نے اس آیت کے چار مفہوم یا، یا، کہہ کر نقل کیئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ ورنہ وہ ایک ہی بات کہتے۔ آپ نے اس کا پہلا معنی یہ بیان کیا ہے اور پھر یا لگایا ہے اور برابر لگاتے جا رہے ہیں:۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے وجود نور ہے اور اندھیرا عدم۔

یا ان کے (آسمانوں اور زمین کے) باشندوں کو ہدایت کرنے والا ہے۔

یا زمین و آسمان کو سورج اور چاند وغیرہ سے منور کرنے والا ہے۔

یا نبی کے نُور سے ان میں روشنی بخشنے والا ہے۔

یہ چوتھی بات مفتی صاحب اپنے عقیدے کی کہہ گئے ہیں۔ اس آیت میں نبی کے نُور کی کوئی بحث نہ تھی۔ یہ مفتی صاحب کی ہوشیاری کہیئے یا سینہ زوری۔ کس چالاکی سے اپنی بات یہاں پہ داخل کر دی ہے۔ آپ کے نزدیک نبی کا نُور گویا ایک مستقل حقیقت ہے جس سے گویا مفتی صاحب یہ کہہ رہے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں اور زمین کو روشنی بخشی تو زمین و آسمان کو خدا نے خود روشنی نہیں دی ان پر اپنا نُور نہیں ڈالا حضورؐ کے نور سے ان دونوں کو منوّر فرمایا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنا عقیدہ کسی نہ کسی طرح قرآن میں داخل کر ہی دیا لیکن کہاں؟ چار پاؤں میں گھیر کر — کہ آیت کا مطلب یہ ہے یا یہ ہے یا یہ ہے — مفتی صاحب! آپ عقائد کی بنا، کیا اسی قسم کے دلائل پہ رکھتے ہیں یا عقائد کے لیے دلیل قطعی ہونی چاہیئے۔ جس

ہیں کسی دوسرے احتمال کو کوئی راہ نہ ملے۔ متشابہات پر عقائد کی بنا رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے جن کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔

اما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ۔ (پ۳ آل عمران آیت ۷)

ترجمہ۔ لیکن جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

تاہم غنیمت ہے کہ مفتی صاحب نے اس آیت کے پہلے وہ معنی وہی کیے ہیں جو صحابہؓ سے منقول ہیں۔ آپ اگر خود وہ راہ چھوڑ گئے ہیں جو صحابہؓ کی تھی اور ان کا اپنا عقیدہ ان کے آخری یا پر مبنی ہے تو یہ نئی راہ انہیں ہی مبارک ہو۔ ہم تو یہاں صرف یہ کیا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود نور نہیں وہ زمین و آسمان کے نور کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی اپنی ذات اور کنہ کو ہم کیا دریافت کر سکیں اگر بریلوی کہتے ہیں وہ ذاتاً نور ہے تو یہ ان کی بڑی جسارت ہے۔

چودہویں صدی کے اہل بدعت کا اللہ کے نور ذات ہونے پر اصرار کیوں؟

علماء حق نے اسلام کی چودہ صدیوں میں باطنیہ کے جس عقیدے کو (کہ اللہ ذاتاً نور ہے روشنی ہے) اپنے ہاں جگہ نہ دی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چودہویں صدی کے اہل بدعت (جو اہل سنت ہونے کے مدعی بھی ہیں) اس الحادی عقیدے پر کیوں آگئے اور انہوں نے کیوں یہ عقیدہ اپنا لیا جو اہل السنۃ والجماعۃ کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

اس راز کو جاننے کے لیے آپ حضرات کو کچھ پیچھے لوٹنا ہو گا اور ہندوستان کی اس سیاسی فضا کے سائے میں اس بات کو سمجھنا ہو گا جس میں مولانا احمد رضا خاں اپنے اس نئے مذہب کو ترتیب دے رہے تھے اور تاکید فرما رہے تھے کہ میرے دین و مذہب کو جاننا اور اس پر چلنا تمام فرائض میں سب سے بڑا فرض ہے۔

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ جاہل مسلمانوں نے اس عقیدے کو کہ اللہ نور ذات ہے انگریزوں سے دریافت کیا۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا

کے بیٹے ہیں اور باپ کا نورِ ذات ہیں — باپ بیٹے کی ذات ایک ہوتی ہے مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول تھا. اب یہاں انگریز حکومت نے ایک چال چلی کہ حضرت عیسٰے مسیح کے لیے نہ سہی مسلمان اپنے پیغمبر کے لیے ہی اگر اس عقیدے پر آجائیں تو پھر انہیں حضرت عیسٰی کی الوہیت پر لانا اور فوڈ من نور اللہ منوانا بہت آسان ہو جائے گا. انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے آپ کو ہندوستان میں اہلِ سنت کا ایک فرد ایسا نہ ملے گا جو بشریتِ انبیاء کا منکر ہو یا حضورؐ کو اللہ کے نورِ ذات سے مان کر نور من نور اللہ کا عقیدہ رکھتا ہو.

انگریز ہندوستان آئے تو اس وقت ہندوستان کی مسلمانوں کی علمی مسند پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا طوطی بول رہا تھا. ان کی علمی سلطنت سمرقند و بخارا سے لے کر مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی. آپ کے درسِ حدیث کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ تھے اور وعظ و تبلیغ میں آپ کے بھتیجے حضرت شاہ محمد اسماعیلؒ آپ کے جانشین تھے. تفسیر میں آپ کے نمائندے حضرت مولانا عبدالحیؒ تھے اور سلوک و طریقت میں حضرت سید احمد بریلویؒ آپ کے خلیفہ تھے.

ان حضرات کے اقتدار علمی میں عیسائیوں کا نور من نور اللہ کا عقیدہ مسلمانوں سے منوانا خاصا مشکل تھا. اس کے لیے انگریز حکمرانوں اور عیسائی پادریوں نے دوسری چال چلی کہ اللہ کے نورِ ذات ہونے کا عقیدہ پھیلانے کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف کچھ اس قسم کی فضا پیدا کی جائے کہ جاہل مسلمان ان کی بات نہ سُنیں اور ہندوستانی مسلمانوں میں ہمیں ایک ایسا طبقہ مل جائے جو پیغمبر اسلام کے بارے میں اس عقیدے کا داعی ہو کہ آپ اللہ کے نورِ ذات سے بنائے گئے ہیں اور پھر حضرت عیسٰی کے اللہ کے نورِ ذات سے پیدا ہونے اور نور من نور اللہ ہونے کا عقیدہ مسلمانوں کے سامنے لا کھڑا کیا جائے. اس صورتِ حال میں انہیں یہ عقیدہ سننے میں کوئی وحشت اور اجنبیت نہ رہے گی. جب مسلمانوں میں حضورؐ کے جزوِ ذات ہونے کا تصور بھی راہ پائے گا. تو پھر عقیدہ تثلیث کی گولی آسانی سے ان کے حلق اتاری جا سکے گی اور تین میں ایک اور

ایک میں تین کا مشنری عقیدہ انہیں بآسانی منوایا جا سکے گا۔

بدایوں میں گیارہ روپے یومیہ سے ایک محفل منعقد کرائی جاتی تھی اور حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے خلاف فضا ہموار کی جاتی۔ یہ گیارہ روپے کن کو ملتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا فضل رسول بدایونی کو —— تاریخ نے یہ شہادت محفوظ کر لی ہے۔

مسلمانوں کا نیا الحادی عقیدہ

چودھویں صدی کے اہل بدعت کو پہلے اس عقیدہ پہ کھڑا کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے اور اپنی ذات میں نور ہے اور جو کہتے ہیں اللہ نور نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے منکر اور گستاخ اور بے ادب ہیں۔

پھر انہوں نے اس پر یہ عمارت کھڑی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ذات سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ ذاتاً نور ہیں اور اللہ کے نور ذات کا ایک حصہ ہیں۔

پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلوق اور ممکن الوجود ہونے کے اسلامی عقیدہ کو اس شعر میں دفن کر دیا۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں [1]

(شرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی قدرتوں کے مالک ہیں کہ انہیں ممکن الوجود کہتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ بھلا ممکن الوجود بھی اتنی قدرتوں کا مالک ہو سکتا ہے؟ اور اگر آپ کو واجب الوجود کہیں تو آپ کا نماز پڑھنا اور بندہ کہلانا اس اطلاق (واجب الوجود) سے روکتا ہے حقیقت کیا ہے اسی میں کھویا جا چکا ہوں حق یہ ہے کہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ آپ مخلوق ہیں اور یہ بھی درست نہیں کہ آپ خدا ہیں۔ استغفر اللہ العظیم

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن الوجود ہونے کے عقیدہ

[1] حدائق بخشش حصہ اول ص ۴۹

کو صراحت سے غلط نہیں کیا۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن الوجود ہونے کو کھلے طور پر ایک جھوٹا عقیدہ بتلا رہے ہیں۔

ے کمان امکان کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے [1]

(شرح) کمان امکان کے دو نقطے کون سے ہیں۔ ابتداء اور انتہا۔ یہ ایک کمان ہے جس کے دو کنارے ہیں۔ امکان سے مراد ہے حضور کا دائرہ امکان میں ہونا ہے ممکن الوجود ہونا اور مخلوق ہونا۔ حضورؐ کے بارے میں جب یہ دو نقطے ابتداء اور انتہا کالعدم ہوگئے تو آپ کی نہ کوئی ابتداء رہی آپ ازلی ٹھہرے ۔۔۔ اور نہ کوئی انتہا ٹھہری۔ یعنی آپ ابدی ہوگئے حضورؐ کو ازلی اور ابدی کہنے کا یہ وہی عقیدہ ہے جو عیسائی پادری الوہیت مسیح کی دعوت دینے سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں اتارنا چاہتے تھے اور صحیح یہ ہے کہ انہوں نے زہر کی یہ گولی مسلمانوں کے حلق حضورؐ کی محبت اور عظمت کے نام سے اُتاری۔ اور اب وہ کھلے بندوں حضورؐ کی بشریت سے انکار کرتے ہیں اور عقیدہ نور من نور اللہ کا پرچار کرتے ہیں اور آج بھی مسلمانوں میں ایسے جاہلوں کی کمی نہیں ہے۔

جب ذرا ان کا عقیدہ ٹٹولا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا وجود ذات سمجھتے ہیں اور یہ وہی عقیدہ ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قائم کیا ہوا ہے:۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ (پ المائدہ آیت ۱۷)
ترجمہ۔ بے شک کافر ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہی مسیح بن مریم کی صورت میں جلوہ گر ہے۔

بریلویوں نے یہ عقیدہ قائم کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ذات ہے اور حضور کا وجود مسعود

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۱۴

اس ذات سے صادر ہوا ہے نور اللہ تعالیٰ کی صفت ذات ہے اور حضورؐ بھی نور ذات ہیں ـــــ
ان کی یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ نہ نور اللہ تعالیٰ کی صفت ذات ہے اور نہ آپ نور ذات
ہیں۔ نور اللہ تعالیٰ کی صفت ذات نہیں صفت فعل ہے۔ اللہ کا نور اس کی ہدایت اور رحمت
ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نورِ ہدایت ہیں اور اس ہدایت اور رحمت کے اٹھانیوالے
ہیں۔ رہی ذات دونوں کی تو اللہ رب العزت کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی
ذات اور کنہ کو ہم پا نہیں سکتے۔ اس کی حقیقت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ ہم جو اسے پہچانتے
ہیں صرف اس کی صفات سے پہچانتے ہیں اور اس پہچان کے بارے میں بھی برملا کہتے ہیں ـــــ
ماعرفناک حق معرفتک و ماعبدناک حق عبادتک ـــــ ہمیں اس باب میں اپنی درماندگی
اور عجز کا پورا اقرار ہے کون ہے جو اس کی حقیقت کو پا سکے۔

ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو ہم ذاتِ الٰہی کا جزو نہیں سمجھتے۔ جس
طرح علمائے حق نے اللہ کی ذات کے بارے میں صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ فوق الادراک
ہے۔ ہم اس کی کنہ کو نہیں پا سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے متعلق انہوں نے نہایت
واشگاف پیرائے میں کہا کہ وہ بشر ہیں اور انسان ہیں۔ رہا ان کا نور ہونا تو وہ نورِ ہدایت ہیں،
نورِ ذات نہیں۔ ذات باپ بیٹے کی ایک ہوتی ہے اگر حضورؐ ذاتاً انسان نہ ہوں تو لازم آئے گا
کہ آپ کی جملہ اولاد بھی جو آج ہزاروں سادات پر مشتمل ہے سب ذاتاً انسان اور بشر نہ ہوں
اور اس کا قائل کوئی دانش مند آپ کو اسلام کی چودہ صدیوں میں نہ ملے گا۔

علمائے حق نے اسلام کی تیرہ صدیوں میں اسی عقیدے کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا ہے
صرف چودہویں صدی میں بریلویوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کے اس اعتقادی قلعے میں اس لیے
شگاف کیا کہ انگریز حکومت کے سایہ تلے عیسائیوں کا عقیدہ الوہیتِ مسیح مسلمانوں کے لیے کوئی
وحشت نہ بنا رہے۔

اہل السنۃ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا صرف اس معنی میں ہے کہ آپ

سے دوسروں کو روشنی ملی اور ظاہر ہے کہ یہ آپ کے نور ہدایت ہونے کا بیان ہے نورِ ذات ہونے کا نہیں۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ۔

ترجمہ۔ بے شک رسول پاکؐ نور ہیں بایں طور کہ آپ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

بایں ہمہ شان نور آپ ذات میں عالمِ امکان کی سرحد سے باہر نہیں نہ آپ کے لیے عالمِ امکان کے دونوں نقطے ابتداء اور انتہا چھوٹے ہیں۔ آپ کو ممکن الوجود مانتے ہوئے ذاتاً بشر اور انسان ماننا ضروری ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں علوِ شان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متسم بشر از خالقِ بشر چہ دریابد و ممکن از واجب چہ فرا گیرد و حادث قدیم را جلت عظمتہ چہ طور احاطہ نماید۔[1]

ترجمہ۔ اے بھائی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس اونچی شان کے باوجود بشر تھے اور حادث ہونے (پیدا ہونے) اور ممکن الوجود ہونے کا نشان آپ میں قائم تھا۔ بشر خالقِ بشر کا مقام کیا پا سکتا ہے اور ممکن الوجود واجب الوجود کا درجہ کیا لے سکتا ہے اور حادث قدیم کا جس کی عظمت بہت اونچی ہے کیسے احاطہ کر سکتا ہے؟

پھر ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات با عامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است۔[2]

ترجمہ۔ انبیاء کرام ان سب پر صلوات اور تسلیمات ہوں عام انسانوں کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں حقیقت بشری اور ذاتِ انسانی یہ سب بنی نوع

---

[1] مکتوبات دفتر اول نمبر ۶۷، ص ۱۷۷ [2] مکتوبات، دفتر اول نمبر ۲۶۶ ص ۳۲۹

انسان کے ساتھ وہ متحد اور ایک ہیں ان کی باقی بنی نوع انسان سے خصلت ان کی صفاتِ کاملہ کی بناء پر ہے۔ (نہ یہ کہ وہ انسان ہی نہ ہوں)۔

مولانا احمد رضا خاں بجائے اس کے کہ نقشبندی حضرات کے سرخیل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے فیصلہ کے آگے جھک جاتے اُلٹا حضرت مجدد کو یوں سناتے ہیں:۔

کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا[۱]

اور خان صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں حضورؐ کی بشریت کو ایک ظاہری پردہ کہتے ہیں. ذاتاً آپ کو بشر نہیں مانتے۔ آیت قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

تم فرماؤ ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہوں[۲]

کیا یہ آپ کے حقیقۃً اور ذاتاً بشر اور انسان ہونے کا انکار نہیں اور پھر آپ اس پر بھی غور فرمائیں کہ کیا آپ کی بشریت کا انکار کفر نہیں اور کیا یہ کھلا انکارِ قرآن نہیں. ہماری عرضداشت نہ مانیں. جناب خواجہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف کی تو یہ تحریر پڑھ لیں:۔

انبیاء و رسل بشر ہیں اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں ۔۔۔۔ قرآن کریم گواہی دیتا ہے اور صراحۃً بیان کرتا ہے کہ انبیاء و رسل بشر ہیں ۔۔۔۔ جو شخص انبیاء و رُسل کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے[۳]

عیسائیوں اور مسلمانوں میں واضح فرق

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ظاہراً صورتِ بشری کہتے ہیں اور مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ظاہراً صورتِ بشری نہیں کہتے آپ کو ذات اور حقیقت میں (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تصریح کی ہے) بشر مانتے ہیں اور آپ کے لیے وہ تمام لوازم جو یہاں

۱۔ ملفوظات حصہ ۳ ص۷ ۲۔ کنز الایمان ص۴۸۶ ۳۔ ضیائے حرم ص۲۹، ۳۰ شائع کردہ پیر کرم شاہ صاحب

انسان کو پیش آتے ہیں ثابت کرتے ہیں. گرمی سردی بھوک پیاس نکاح اولاد وغیرہ سب امور آپ کے لیے تسلیم کرتے ہیں. جس مسلمان عالم نے بھی عیسائیت سے کبھی ٹکر لی اور پادریوں سے علمی معرکہ سر کیا. اسے آپ کی بشریت کا اقرار پوری تفصیل سے کرنا پڑا.

علامہ ابوالبرکات نعمان خیرالدین الآفندی الآلوسیؒ بغداد کے نہایت جلیل القدر عالم گزرے ہیں. آپ نے عیسائی اسقف عبدالمسیح سے ٹکر لی اور اس نے جو فریب مسلمانوں کو دیئے تھے انہیں تار تار کیا. آپ نے اس کے جواب میں الجواب الفسیح لما لفقہ عبدالمسیح دو ضخیم جلدوں میں ۱۳۰۶ھ میں لکھی. اللہ تعالیٰ نے اہل لاہور کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے اسے لاہور سے شائع کیا. مسئلہ بشریت میں عیسائیت اور اسلام میں جو کھلا فرق ہے اسے بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ ابوالبرکات آلوسیؒ لکھتے ہیں:-

فنبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد اللہ ورسولہ وبشر تحلہ العوارض کما قال سبحانہ قل انما انا بشر مثلکم.[1]

ترجمہ. سو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور بشر ہیں آپ پر بیماریاں اور ضرورتیں آتی ہیں. خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے آپ کہہ دیں میں بھی بشر ہوں جیسے تم.

سو اس بات سے کسی کو انکار نہیں. ہو سکتا ہے کہ رد عیسائیت میں جن عالموں نے شہرت پائی ان میں سے کسی کا وہ عقیدہ نہ تھا جو بریلویوں کا ہے. بریلویوں کا عقیدہ انسائیکلو پیڈیا میں یوں مرقوم ہے:-

آنحضرت نور تھے اور آپ کا سایہ نہ تھا آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے.[2]

بشریت انسان کی ذات ہے صفات سے نکلنا کسی درجے میں ہو سکتا ہے مگر ذات

---

[1] الجواب الفسیح جلد ۲ ص ۲۱۸ [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص ۴۸۶

سے نکلنا کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی انسان سے اس کی ہویت کچھ وقت کے لیے غائب ہو جائے اور اس کے بدن میں کوئی جن ظاہر ہو۔ اب جن اس میں سے ہو کر کلام کرے گا۔ گو دوسروں کو وہ وہی انسان دکھائی دے جس میں جن اُترا ہوا ہے۔ یہ انسان کی اپنی ذات سے کچھ وقت کے لیے دوری ہے مستقل طور پہ یہی بدن اس کا وجود ہے اور اس وقتی غیوبت کے بعد اسے (اس انسان کو) پھر اسی بدن میں آنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشری بدن اگر کسی وقت ایسی لطافت اختیار کر لے کہ آپ پر عالم ملکوت کا انکشاف تام ہو جائے تو یہ وقتی طور پر ایک کیفیت ہے جو بدن پہ طاری ہوئی اور پھر اصل صفات عود کر آئیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنا بے مثل ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پہ رکھا اور آپ کے لیے ہر چیز روشن ہو گئی۔[۱] تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے بشریت کا لباس اُتار دیا اور اندر سے آپ کچھ اور تھے۔ (معاذ اللہ) یہ روحانی طور پہ بشریت کا نُور میں متبدل ہونا ہے۔ اسی طرح کی ایک عارضی حالت ہے جو حضرت جبریل کے تمثل بشری میں انہیں عارض ہوتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کبھی نہ لیا جاتا تھا کہ وہ فرشتہ ہونے سے نکل گئے ہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ! مجھے نُور عطا فرما یا مجھے نُور بنا دے تو اس سے انکشاف تام کے یہی جلوے اور فنا فی الذات کے یہی پیرائے مراد ہوتے تھے نہ یہ کہ حضورؐ بشریت اور اس کے عوارض گرمی سردی بھوک پیاس اور نکاح و اولاد کے حالات سے نکل گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل روایت میں فنا فی الذات کا یہی پیرایہ مراد ہے:۔

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶

جب آپ پر وحی اُترتی تو آپ اس وقت بھی حال دنیا کے قرار میں نہ رہتے۔ اس برزخی مقام میں آپ کو ورودِ موت کے بغیر بارہا جایا جاتا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کی وحی آنے کی حالت پر لکھتے ہیں :۔

هی حالة یوخذ فیها عن حال الدنیا من غیر موت فهو مقام برزخی یحصل له عند تلقی الوحی [۱]

ترجمہ۔ وہ ایسی حالت تھی جس میں آپ حال دنیا سے بغیر موت کے اٹھائے جاتے سو یہ ایک برزخی حالت تھی جو آپ پر وحی حاصل کرتے وارد ہوتی تھی۔

محدث کبیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے حدیث واجعلنی نورًا (اے اللہ مجھے نور بنا دے) کے تحت انقلاب بنورانیت کے جو الفاظ لکھے ہیں اس سے یہی تمثل مراد ہے جو آپ پر اس انکشاف تام کے وقت جاری ہوتا تھا۔ آپ نے اگر اللہ رب العزت کو اس جہان میں بلاحجاب دیکھا تو یہ صرف اس حالت میں ہوا کہ آپ اس تمثل میں آئے کہ بشریت کے جملہ تقاضے آپ سے منتفی تھے۔

واذا انتفت المومنون عن الکدورات البشریه فی دار الثواب فیرونه بلا حجاب کما ان النبی علیه الصلوٰة والسلام راه فی الدنیا لانقلابه نورًا کما قال فی الدعاء اللّٰهم اجعل فی قلبی نورًا وفی بصری نورًا الیٰ قوله واجعلنی نورًا [۲]

ترجمہ۔ اور جب مومن الثواب (دار الثواب، آخرت کی دنیا میں) بشری آلائشوں سے پورے طور پر علیحدہ ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کو بلاحجاب دیکھ لیں گے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کو دیکھ لیا تھا۔ کیوں کہ

---

[۱] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ [۲] مرقات، جلد ۱ صفحہ ۱۶۴

(اس گھڑی) وہ نور میں بدلے ہوئے تھے جیسا کہ آپ نے دعا میں کہا تھا اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرما میری آنکھ میں نور پیدا فرما یہاں تک کہ مجھے خود نور کر دے۔

جبریل امین کتنی دفعہ تمثّل بشری میں آئیں آپ اپنی ملکی حقیقت سے نہ نکلے ہوتے تھے۔ انبیاء کرام پہ قربِ الٰہی کے یہ لطیف لمحے کتنے ہی کیوں نہ آئیں وہ بشریت سے کلیۃً نہیں نکلتے۔ بشریت کے تقاضوں سے کچھ لمحوں کے لیے غائب ہونا اور بات ہے اور بشریت سے حقیقۃً نکل جانا اور بات ہے۔ بندہ فنا فی اللہ کی منزلوں میں کتنا ہی کیوں نہ اترے وہ ذاتِ واجب کے صفات میں کسی سے کبھی متصف نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی آپ ان لمحات میں بے شک اپنی بشریت سے غائب ہوتے تھے لیکن یہ منقلب بہ نور ہونا اور وقتی طور پر بشریت سے نکلنا آپ کے جوہرِ ذات کو نہ بدلتا تھا۔ بشریت سے اس طرح نکلنے کی تعبیر نصوصِ شرع کے خلاف نہیں۔ ایک دفعہ آپ پر یہ خاص حالت وارد تھی۔ آپ نے حضرت ابوہریرۃؓ کو اچھی طرح نہ پہچانا اور پوچھا کیا تو ابوہریرۃؓ ہے؟ اس پہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

قال علی القاریؒ الاستفہام اما علی حقیقتہ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان غائبا عن بشریتہ بسبب ایحاء ھذا البشارۃ فلم یشعر فی اول الوھلۃ نانہ ھو واما للتقریر وھو ظاھر واما للتعجب لاستغرا بہ انہ من این دخل علیہ والطرق مسدودۃ۔[1]

ترجمہ۔ آپ کا یہ پوچھنا یا تو حقیقت کے طور پہ ہے کیونکہ آپ وحی کی اس بشارت کے سبب اس وقت اپنی بشریت سے نکلے ہوئے تھے۔ سو اول وہلہ آپ نہ جان سکے کہ وہ ابوہریرۃؓ ہی ہے اور یا یہ پوچھنا تقریرِ کلام کے لیے ہے اور وہ ظاہر ہے اور یا یہ بسبب تعجب ہے اس حیرانی کے باعث کہ ابوہریرۃؓ یہاں آپ کے پاس کیسے آ گئے دروازے تو سب بند تھے۔

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۲۰۴

سو مذکورہ دعا کے آخر میں جو ہے کہ اے اللہ! مجھے نور بنا دے. تو اس سے مراد بشریت سے کلیۃً نکلنا نہیں ـــــ اس نور سے محدثین نے بیان حق اور نور ہدایت ہی مراد لیا ہے نہ کہ نور ذات.

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

قال العلماء سأل النور فی اعضائه وجهاته والمراد به بیان الحق وضیاءه والهدایة الیه فسأل النور فی جمیع اعضائه وجسمه وتصرفاته وتقلباته وحالاته فی جهاته الست.[1]

ترجمہ. علماء کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اعضاء، بدن اور جہات وجود میں اللہ تعالیٰ سے نور مانگا. اس سے مراد حق کا بیان اس کی روشنی اور اس کی طرف راہ پانا ہے سو آپ نے اپنے تمام اعضاء اور اپنے پورے جسم میں اللہ تعالیٰ سے نور کی درخواست کی کہ آپ کے تمام تصرفات تمام بدلتے اوقات اور تمام حالات میں آپ کی ہر شش جہات میں نور اترے.

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

کل هذه الامور راجعة الی الهدایة والبیان وضیاء الحق.[2]

ترجمہ. یہ سب امور ہدایت، بیان اور سچائی کی چمک کی طرف لوٹتے ہیں.

علامہ یوسف اردبیلی الشافعیؒ (ھ) نے یہاں یہ تعبیر اختیار کی ہے:۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۶۰ [2] فتح الباری جلد ۲ ص ۴۲۰

اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک معتمد محدث بھی ایسا نہیں ملتا جس نے یہاں نور سے نور ذات مراد لیا ہو، سب کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ ذاتاً بشر اور صفۃً نور ہدایت ہیں۔ آپ کی یہ نور طلبی بتاتی ہے کہ آپ ذاتاً نور نہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے صفۃً نور ہونا طلب کر رہے ہیں۔

سوال: اگر آپ ذاتاً نور نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اول ماخلق اللہ نوری۔ یہ خلقت میں نور ہے صفت و اکتساب میں نہیں۔

جواب: اگر یہ روایت کہیں ثابت ہو تو لفظ نور یہاں روشنی کے معنی میں نہیں روح کے معنی میں ہوگا۔ روح اور پھر نبی کی روح وہ ایک نورانی چیز ہے۔ اس پر نہ ابھی بشریت کا حجاب آیا نہ بشریت کی کدورات کہیں حائل ہوئیں اس اعتبار سے آپ کی روح اقدس کی پیدائش گویا ایک نور کی پیدائش تھی لیکن اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ اس نورانیت سے آپ کے دنیا میں تشریف لانے پر آپ کی بشریت کی نفی ہو گئی۔

محدث جلیل مجدد مأتہ دہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:-

ومنہ قولہ اول ماخلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد فان الارواح نورانیۃ ای اول ماخلق اللہ من الارواح روحی۔[1]

ترجمہ: اسی طرح آپ کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے اللہ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا کیا اور نور اور روح کا معنی یہاں ایک ہے ارواح سب نورانی ہیں۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح میں سب سے پہلے میری روح کو خلقت بخشی۔

نور وہ چیز جو روشن ہو روشنی اس کی صفت ہو اور اس کی روشنی میں چیزیں بھی دیکھی جا سکیں۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ا ص ۱۶۷ طبع جدید

النور — ای الظاهر بنفسه والمظهر لغیره وقیل هو الذی یبصر بنوره ذوالعمایة۔[1]

اور خدا کے نور کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

یھدی اللہ لنورہ من یشاء ای یھدی اللہ القلوب الی محاسن الاخلاق وینور الحق ویصطفیہ۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ دلوں کو محاسن اخلاق کی راہ دکھاتا ہے اور ان میں حق کو روشن کرتا ہے اور اُسے چُن لیتا ہے۔

سو یاد رہے کہ نور محمدی سید البشر پر اُترا ہوا نور ہے اور یہ افاضہ الٰہی ہے خدا کی عطا اور دین ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ نورِ محمدی نورِ الٰہی سے صادر ہوا یا یہ کہ وہ اللہ کے نور کا حصہ ہے اس کی ذاتِ الٰہی سے کوئی شرکت نہیں۔ نورِ الٰہی سے نور محمدی کا صدور الحادی عقیدہ ہے جس میں بریلوی علماء نے جاہل عوام کو بڑی بے دردی سے ڈال رکھا ہے اور اس قسم کے اختلافات پیدا کر کے امت کو لڑا رہے ہیں اور اپنے اس الحاد سے وہ بہت سے لوگوں کو ایمان سے خالی کر رہے ہیں۔

جس طرح حضرت جبریل امین کا تمثل بشری آپ کو حقیقت ملکی سے جدا نہ کرتا تھا ذات رسالت پر قرب الٰہی کے لطیف لمحے انبیاء کو بشریت سے کبھی خارج نہیں کرتے۔ افسوس! کہ بریلوی حضرات ایسے متشابہ واقعات سے نصوص سے ٹکرانے لگتے ہیں۔

سایہ نہ ہونے کے متشابہ سے مغالطے میں نہ پڑیں۔

بریلوی عقیدہ میں آپ کا سایہ نہ ہونا بطور خرقِ عادت نہیں نور کی صفت کے طور پر

---

[1] مرقات جلد ۵ ص ۹۹ [2] ایضاً

تھا اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ میں بشریت بالکل نہ ہو اور آپ کی پیدائش عناصر سے نہ ہو اور یہ عقیدہ بریلویوں کو بالکل عیسائیت کی گود میں لا بٹھاتا ہے. کیونکہ جو مسلمان حضورؐ کے سایہ نہ ہونے کے قائل گزرے ہیں. وہ آپ میں یہ شان بطور معجزہ اور خرق عادت تسلیم کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ عادۃً اس نوع سے ہوں جس کا سایہ ہوتا ہے اور یہ بشریت کا صریح اقرار ہے قرآن کا انکار نہیں.

بریلوی حضرات اس عقیدے میں شیعوں سے بھی آگے چلے گئے حضورؐ کو ذات کے اعتبار سے نور ماننا کہ آفتاب کی شعاعیں بھی آپ پر نہ رکیں آگے مستقل ہو جائیں. یہ عقیدہ ان کا بھی نہ تھا. ان کے ملا باقر مجلسی کسی ایسے ملنگ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ماقیل من ان جسده الشریف کان لطیفاً فلم یکن یمنع نفوذ الشعاع فھو بعید لانہ لو کان جسده الشریف کذلک لم تکن ثیابہ کذلک وایضاً لو کان کذلک لکان لا یمنع نفوذ شعاع البصر[1]

ترجمہ. یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ کا جسد اطہر اس قدر لطیف تھا کہ شعاعوں کو آگے گزرنے سے روکتا نہ تھا. یہ بات بعید از علم ہے کیونکہ اگر جسد اطہر اس طرح تھا کہ آپ کے کپڑے تو اس طرح نہ تھے اور کپڑے بھی اس طرح ہوں تو پھر وہ نظر کی شعاعوں کو بھی آگے گزرنے سے کبھی نہ روکتا.

حضورؐ کو دھوپ لگتی تھی اور اگر زیادہ لگے تو آپ اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتے تھے اس پر ہاتھ کا سایہ کرتے تھے[2] اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف نہ ہو[3]

---

[1] مرآة العقول جلد ۱ ص ۳۵۱ ۔

[2]

[3] دیکھئے الکافی جلد ۴ ص ۳۵۰ باب الظلال للمحرم ۔ عبارت یہ ہے سر بالستر وجھہ بیدہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اسلام کا ایسا بدیہی اور قطعی مسئلہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی کبھی دو راہیں نہیں رہیں۔ حتیٰ کہ شیعہ بھی جو عام مسلمانوں سے عقائد کے قطعی فاصلوں پر کھڑے ہیں انہیں بھی اس سے انکار نہیں ہو سکا۔ اسلام میں انبیاء کی بشریت کا عقیدہ تبھی قائم رہ سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ذات نہیں نور ہدایت مانا جائے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کو نور ذات کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور من نور اللہ کہا جائے۔

افسوس صد افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں نے کمانِ امکان کے اول و آخر کو جھوٹے نقطے قرار دیا اور یہ وہ غلطی ہے جس نے مسئلہ نور میں اسلام کی چودہ صدیوں کی بساط الٹ کر رکھ دی اور آج وہ لوگ بھی اہل سنت کہلاتے ہیں جو عقیدہ اہل سنت پر نہیں ہیں۔ واجب اور ممکن کے درمیان ایک برزخ کے قائل ہیں۔ حالانکہ واجب اور ممکن میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ واجب کی ما دون الواجب سے وہ برزخ ہو یا امکان کوئی نسبت نہیں۔

مولانا احمد رضا خاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس برزخی درجے کے قائل ہیں جو ممکن الوجود سے کچھ اوپر ہو اور واجب کے قریب ہو۔

معدنِ اسرار علام الغیوب
برزخ بحرین امکان و وجوب[1]

ایران کے مشہور شاعر عرفی نے اپنے تخیل میں وجوب و امکان کو جمع کیا تو سب اکابر اہل اسلام اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر ہندوستان کا یہ شاعر "برزخ بحرین امکان و وجوب" کا نعرہ لگا رہا ہے تو یہاں اس کی روک تھام کیا اس عقیدے کی حمایت میں ایک جماعت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کیوں یہ اس لیے کہ ہندوستان میں انگریزوں کا راج تھا۔

عرفی نے حدوث و قدم اور وجوب و امکان کو جن شعروں میں جمع کیا تھا اور عالم اسلام نے اسے اسلام کے خلاف ایک بغاوت قرار دیا تھا وہ شعر یہ ہیں:۔

---

[1] حدائق بخشش حصہ ۲ صد ۸۹

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل سلمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

تا مجمع امکان و وجوب نہ نوشتند مورد متعین نہ شد اطلاق اعم را[1]

حضورؐ کو مولانا احمد رضا خاں نے بھی معدن اسرار علام الغیوب کہا ہے ــــ معدن کان کو کہتے ہیں. کان وہ ہوتی ہے جس سے کوئی چیز ابتداءً نکلے جیسے سونے کی کان نمک کی کان تیل کے کنویں وغیرہ. حضورؐ کو خدا کے رازوں کی کان کہنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ (معاذاللہ) خدا کے پاس وہ اسرار حضورؐ سے ہی پہنچتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں حقیقت میں حضورؐ کو واجب الوجود بلکہ اس کے بھی اسرار کا معدن سمجھتے ہیں اور صرف مغالطہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ حضورؐ وجوب و امکان کے مابین ایک برزخی درجہ رکھتے ہیں.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلند شان کے باوجود مخلوق اور حادث ہیں اور عالم امکان سے ذرہ بھر باہر نہیں امکان سے ذرا باہر ہوں تو خدائی پہ پہنچ جائیں اور خدا شریک سے پاک ہے.

بریلوی دوستو! ان باتوں کو چھوڑ دو جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کہی تھیں حضورؐ تو اللہ کے بندے اور رسول ہیں.

جو چیز پیدا ہوئی وہ پہلے نہ تھی پھر پیدا ہوئی اور جو چیز پیدا ہوئی اسے ہی حادث اور ممکن کہتے ہیں. ممکن کو واجب سے کسی قسم کی شراکت اور نسبت نہیں سوائے اس کے کہ وہ خالق ہے یہ مخلوق ــــ بریلویوں نے اپنا یہ عقیدہ عیسائیوں سے ہی درآمد کیا ہے.

اب ہم مسئلہ نور کی دوسری بحث شروع کرتے ہیں.

حضورؐ کی ذات نور نہیں نور آپ کی صفت ہے

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنا نور اتارا ــــ یہ نور اللہ کی ذات

---

[1] دیوان عربی ص

نہیں۔ اس کی صفت کا ایک پرتو ہے اس کی صفت فعل ہے یہ نورِ ہدایت ہے جسے مل گیا سعادت پا گیا حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:۔

نوری ھدای۔ میرا نور میری ہدایت ہے۔[۱]

آنحضرتؐ کی تخلیق بقول مولانا احمد رضا خاں مٹی سے ہوئی جس پہ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت اترا اور وہ نورِ ہدایت جگمگا اُٹھا۔ سو نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں آپ کی صفت ہے۔ آپ ذاتاً نور نہیں نورِ ہدایت ہیں، بریلوی حضرات آپ کو نورِ ہدایت کی بجائے نورِ ذات قرار دے کر اہل السنۃ والجماعۃ سے دور فاصلے پر جا کھڑے ہوئے۔ دنیا نے انہیں اہلِ بدعت کہا۔ شاہراہِ اسلام سے نکلنے والا کہا۔ مگر یہ بدعات کے ایسے رسیا ہوئے کہ انہیں کچھ بھی ان باتوں کا اثر نہ ہوا یہ حضرات اہل سنت کی راہ سے کٹے اور بریلی کی طرف چل دیئے ــــــ یہ لوگ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ اگر آپ ذاتاً نور تھے تو پھر آپ ساری زندگی اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے نور کیوں مانگتے ــــ یہ سب اس لیے تھا کہ آپ کا ہر فعل اور ہر قدم کائنات کے لیے نور بن جائے یہ نورِ ہدایت کا پھیلانا ہے جس کی آپ نے اللہ کے حضور طلب کی تھی۔

آپ کی دُعا یہ تھی:۔

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً وعن یمینی نوراً وعن شمالی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً۔[۲]

اور عوارف المعارف میں اس دعا کے یہ الفاظ ہیں:۔

اللھم اجعل لی نوراً فی قلبی ونوراً فی قبرہ ونوراً من بین یدی ونوراً من خلفی ونوراً عن یمینی ونوراً عن شمالی ونوراً من فوقی ونوراً من تحتی ونوراً فی سمعی ونوراً فی بصری ونوراً فی شعری ونوراً فی لحمی ونوراً فی عظامی ـــ اللھم اعظم لی نوراً واجعل لی نوراً۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۹ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۱

کیا نور سے بالا کوئی اور درجہ روشنی بھی ہے؟

روشنی کے دو پیمانے سامنے رکھیئے۔ ۱۔ سورج اور ۲۔ چاند ـــــ چاند کی روشنی جہاں بھی ہو وہیں ہوتی ہے یہ آگے نہیں پھیلتی۔ سورج جہاں ہو وہاں بھی ہے اور جہاں نہ ہو وہاں بھی اس کی روشنی پھیلی ہوتی ہے۔ دن کے وقت کمروں کے اندر جو دن کی روشنی ہے۔ وہ سورج کی روشنی کا ہی فیض عام ہے۔ روشنی کے اس انتشار اور پھیلاؤ کو ضیاء کہتے ہیں اور جو روشنی جہاں ہو وہیں رہے اسے نور کہتے ہیں قرآن کریم میں ہے۔

هوالذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً۔ (پ ۱۱ یونس آیت ۵)

ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بنایا۔

اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ضیاء اپنے پھیلاؤ اور انتشار میں نور سے قوی ہے۔

ؔ لاکھوں ستارے بر فلک ظلمتِ شب جہاں جہاں
اک طلوع آفتاب کرد و دمن سحر سحر

حضرت مالک اشعریؓ (ر ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں نور اور ضیاء دونوں لفظ متقابل استعمال فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔

الصّلوٰة نور والصدقة برهان والصبر ضیاء والقرآن حجة۔[1]

ترجمہ۔ نماز نور ہے صدقہ نشان ہے صبر ضیاء ہے اور قرآن حجت ہے۔

روزہ کھانے پینے اور جنسی تقاضوں سے بالا رکھتا ہے۔ یہ بات اللہ کی صفات میں سے ہے اسے ضیاء کہا گیا اور نماز کو نور کہا گیا۔ یہ عاجزی اور بندگی کا نام ہے اور یہ مخلوق کی شان ہے۔ سو اس لحاظ سے روزے کی شان نماز سے بالا ہے اور ضیاء نور سے آگے ایک درجہ ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۸

علامہ زمخشریؒ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں اِضاءت روشنی پھیلانے کو کہتے ہیں، یہ صفت ہے ذات نہیں۔ سورج اپنی ذات میں نُور ہے اور اپنے پھیلاؤ میں ضیاء ہے۔ نور کا لفظ ذوات پر آجاتا ہے مگر ضیاء اور اِضاءت صفات میں جگہ پاتے ہیں۔ اسی صورت میں نور ہی اوّل رہا۔ گو صفت میں سورج چاند اور ستاروں سے آگے ہے۔

علامہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں ورقہ کا یہ شعر نقل کیا ہے ؎

ویظهر فی البلاد ضیاء نور   یقیم به البرية ان تموجا

نُور کا آگے پھیلاؤ ہے اور ضیاء خود پھیلاؤ ہے اس کا آگے پھیلاؤ نہیں ــــ اللہ کے نُور سے مراد نورِ ہدایت ہے۔ یہ ہدایت کا آگے پھیلنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا جائے تو اس سے مراد بھی یہی نور ہدایت ہے جس سے روشنی آگے پھیلتی ہے۔

علامہ خفاجیؒ نے شرح شفا میں ضوء کو نور کی فرع قرار دیا۔ سو اللہ تعالیٰ یا حضور نبی خاتمؐ کے لیے لفظ نور تو آسکتا ہے لفظ ضیاء نہیں اور اس سے بھی مراد نورِ ذات نہیں نور ہدایت ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضورؐ کے نورِ نبوت کی ضیاء قیامت تک پھیلی ہے۔ اس سے آگے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں۔

فلما اضاءت ما حوله ذهب الله بنورهم وتركهم فی ظلمٰت لا یبصرون۔

(پ۱ البقرہ ع۲ آیت ۱۷)

خدا کا نُور عام ہے یا کسی ایک فرد میں محدود ہے

فلاسفہ الواحد لا یصدر منه الا الواحد کے قائل ہیں۔ ان کے قول پر خدا کا نور کسی ایک فرد میں اُترے گا اور پھر آگے پھیلے گا اور پھر یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ خدا نُور ذات ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ نور ہدایت ہے۔ اسی طرح حضور نبی پاکؐ بھی نورِ ذات نہیں کہ ... کا نور بقول شیعہ صرف ایک (حضرت علیؓ) میں اُترے۔ آپ نورِ ہدایت ہیں جن کا نور سارے عالم میں

پھیلا ہوا ہے۔

جب یہ بات طے ہوئی کہ اللہ رب العزت کی ذات نور نہیں۔ نور اس کی صفت فعل ہے۔ تو یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اس کا نور عام ہے کسی ایک میں محدود نہیں۔ اللہ رب العزت نے سب انسانوں کو ظلمت میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنا نور (نور ہدایت) ڈالا۔ یہ افاضہ الٰہی کسی ایک فرد پہ نہ تھا بہت سے سعادت منداس دولت کو پا گئے۔ ان سعادت مندوں کے دل وہ ظروف ہیں جن میں نور الٰہی ان کی بساط استعداد اور طلب کے مطابق اُترتا ہے۔

سب سے زیادہ جس ذات گرامی نے اس نور کو اپنے اندر جذب کیا وہ حضور خاتم النبیین تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے شرح صدر فرما دیا تھا اور ہدایت کی ساری راہیں ان پہ کھول دی تھیں اور ان کی سب بشری کدورتیں دھو ڈالی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا:-

ان للہ تعالیٰ انیۃ من اھل الارض وانیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحین واحبھا الیہ الینھا وارقھا۔ رواہ الطبرانی [1]

ترجمہ بے شک زمین والوں میں اللہ کے کچھ ظروف ہیں اور تمہارے رب کے ظروف اللہ کے نیک بندوں کے دل ہیں اور ان میں اللہ کو سب سے پیارے وہ ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں۔

اللہ کے ان ظروف میں اللہ رب العزت کا نور اُترتا ہے کسی ایک میں نہیں۔ سب اس اضافہ نور سے منور ہیں اور یہ آخرت تک ان کے ساتھ جائے گا

یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم و بایمانھم بشراکم الیوم۔ (پ ۲۷ الحدید آیت ۱۲)

ترجمہ جس دن تم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا اور ان کی داہنی جانب — خوشخبری ہے تمہیں آج کے دن

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۵ ص ۵۳۵

اب کیا یہ مومنون اور مومنات نور من نور اللہ ہو گئے۔ (العیاذ باللہ) یا ان کا یہ نور نورِ ذات تھا؟ یہ نورِ ذات کے ڈھلے پیمانے تھے جو یہاں بھی ہدایت بن کر ابھرے اور وہاں بھی ہدایت بن کر نکھرے۔ یہی ان کا نور ہے جو ان کے آگے آگے اور دائیں چلتا ہوگا۔

نورِ باری تعالیٰ کے یہ انسانی ظروف تو ایک طرف خود زمین بھی اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گی تو کیا یہ اللہ کا نورِ ذات ہوگا؟ نہیں اللہ کی ذات نور نہیں اور نہ اب تک کسی نے اس کی ذات اور کنہ کو دریافت کیا ہے۔

واشرقت الارض بنور ربھا و وضع الکتاب۔ (پ۲۴ الزمر ع ۷ آیت ۶۹)

ترجمہ۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور رکھ دیئے جائیں گے دفتر

حضورؐ کی بشریت کا بیان

سب بنی آدم بشمول جمیع انبیاء و مرسلین اپنے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں معلوم کریں کہ تخلیقِ آدم نور سے ہوئی یا آپ مٹی سے پیدا کیے گئے فرشتے نور سے — جنات نار سے — اور انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان تینوں میں مٹی سے پیدا ہونے والا سبقت لے گیا اور نور والے اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے صرف شیطان اس بات کو نہ سمجھا کہ مٹی سے پیدا ہونے والا نور و نار سے کیسے بڑھ سکتا ہے۔ فضیلت بشری کا یہ پہلا انکار ہے جو ابلیس نے کیا۔

واذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرًا من صلصال من حمإ مسنون۔ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس ابی ان یکون مع الساجدین۔ (پ۱۴ الحجر ۲۸)

ترجمہ۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔ پھر جب میں ٹھیک کر دوں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ سو سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ اس نے انکار کیا کہ وہ ہو سجدہ کرنے والوں میں۔ اللہ نے کہا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو ساتھ نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے۔ بولا

میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں بشر کو جسے تو نے پیدا کیا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔ فرمایا تو نکل جا یہاں سے تجھ پہ مار ہے اور تجھ پہ لعنت ہے اس دن تک۔

ان آیات سے پتہ چلا کہ بشر کو حقارت سے دیکھنا اور اسے نُوری مخلوق کے مقابلے میں ادنیٰ سمجھنا یہ عمل شیطان ہے جس میں اس دور کے اہلِ بدعت گرفتار ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت آدم میں اللہ نے اپنی روح ڈالی تھی مگر حضرت آدم کے بارے میں کسی نے روح من روح اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔ یہ روح آدم کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اضافت تشریفی ہے اور وہ اللہ کی پیدا کردہ خاص روح تھی جو اللہ نے آدم میں پھونکی خالق خود روح نہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بشر (حضرت آدم) کو خلقت بخشی اسے پیدا کر کے پھر اس پر اپنا نُور ڈالا یہ نُور بھی اللہ کا پیدا کردہ تھا ایک خاص شان کا نُور تھا مگر حضرت آدم کے بارے میں کسی نے نورٌ من نور اللہ کا عقیدہ اختیار نہ کیا تھا۔ حضرت آدم خلقت میں بشر تھے صفت میں اس اُترنے والے نُور سے راہ پا گئے پس حضرت آدم کی بشریت میں جو نوع و ذات کے اعتبار سے تھا اور ان کے نُورِ ہدایت ہونے میں (جو بطور صفت انہیں ملا) کوئی تعارض نہ رہا۔

حضرت خاتم النّبیینؐ کا حضرت آدمؑ سے تسلسل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہوا کہ اپنی بشریت کا اعلان کریں اور بشریت بھی وہی جو حضرت آدم علیہ السلام کی جملہ اولاد کی ہے البتہ اس اولاد میں آپ ایک محسوس امتیاز کے حامل ہیں کہ آپ پر وحی آتی ہے جو اوروں پر نہیں۔ ارشاد ہوا:۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم اللہ واحد (پ ۱۶ الکہف ۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں اس کے سوا نہیں کہ بشر ہوں جیسے تم۔ وحی آتی ہے مجھ پر معبود تمہارا ایک معبود ہے۔

یہ نص صریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوع بشر سے ہیں جیسے اور انسان اس نوع سے ہیں ہاں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نص کا منکر نہ ہوگا مگر وہی جو کافر ہو۔ مسلمان کی تو جرات نہیں کہ وہ نصِ صریح کا منکر ٹھہرے۔

یہ عقیدہ کافروں کا تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا بشر ایک معمولی مخلوق ہے بھلا اس پر نبوت

کیسے آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور حضور کو حکم دیا کہ اپنی بشریت اور رسالت دونوں کا ایک اعلان کریں ان دو میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ بشریت میں آپ جملہ بنی آدم کے ساتھ شریک

انبیاء کو بشر کہنے کے دو پیرایوں میں کھلا فرق

انبیاء کرام کو اعتقاداً بشر ماننا اور اظہار عقیدہ میں انہیں بشر کہنا یہ ایک پیرایہ بیان ہے دوسرے انہیں بشر کہہ کر بلانا یہ دوسرا پیرایہ ہے جب کسی کو بلانا ہو تو اسے اس کی امتیازی شان سے بلایا جاتا ہے ذات کے درجے سے نہیں سو اگر کسی نے کسی پیغمبر کو بشر کہہ کر یا آدمی کہہ کر بلایا تو انہیں اس طرح بشر کہنا واقعی بے ادبی کا ایک پیرایہ ہے۔ کہنے کا لفظ دونوں پر آتا ہے

۱۔ بطور اعتقاد ذکر کرنا اور ۲۔ اس عنوان سے انہیں بلانا۔

بریلوی علماء جب اپنے عوام سے مخاطب ہوتے ہیں تو اس دوسرے پیرائے سے کہتے ہیں کہ انبیاء کو بشر کہنا بے ادبی ہے اور عوام بے چارے بات سمجھ نہیں پاتے وہ یہ عقیدہ لے کر اٹھتے ہیں کہ انبیاء کی بشریت کا عقیدہ درست نہیں وہ بشر نہ تھے بس پھر کیا ہے۔ بریلوی خطیب کی زد میں آکر وہ محروم الایمان ہو کر مسجد سے نکلتے ہیں۔ بریلوی علماء کی اپنے عوام کو محروم الایمان کرنے کی یہ روش انتہائی لائق افسوس ہے۔

پیغمبروں کو بشر کہنے والے کافر ہو گئے تھے؟

آپ بریلویوں کو عام کہتے سنیں گے کہ پیغمبروں کو کافروں نے بشر کہا تھا یہ غلط ہے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے انہیں پیغمبر مان کر پھر بشر کہا ہو اور اس پر وہ کافر ہو گئے ہوں وہ جو انہیں بشر کہتے تھے انکار رسالت کے لیے کہتے تھے نبی مان کر نہیں وہ بشریت اور رسالت میں تضاد کے قائل تھے وہ کہتے تھے أبشر یهدوننا فکفروا (پ ۲۸ التغابن ۶) سوان پر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ انہیں پیغمبر تسلیم کر کے انہیں بشر کہتے تھے۔ علماء اہل سنت انبیاء کو انبیاء مان کر ان کی بشریت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ کافر انہیں نبی مانے بغیر بشر کہتے تھے اور اس طرح ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے ان دونوں صورتوں کو ایک ساتھ ملانا اور اسے اپنے انکار بشریت کا زینہ بنانا صرف انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو خدا سے بالکل بے خوف ہوں۔

اور نہ آخرت کے قائل ہوں اور نہ وہ کسی حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوں۔

بشریت انسان کے معنی میں

قرآن کریم میں لفظ بشر اور انسان ایک معنی میں آتے ہیں حضرت مریم کو فرشتوں نے کہا کہ تو جب بچے کو ساتھ لے کر چلے اور رستے میں تو کسی انسان کو دیکھے جو اس پر تعجب کر رہا ہو تو اشارے سے کہہ دینا کہ میں آج کسی انسان سے ہمکلام ہونے کی نہیں۔ اس موقعہ پر قرآن نے یہ دونوں لفظ بشر اور انسان ایک ساتھ ایک سیاق میں ذکر فرمائے ہیں :

فاما ترین من البشر احدًا فقولی انی نذرت للرحمن صومًا فلن اکلم الیوم انسیا۔ (پ۱۶ مریم ۲۶)

ترجمہ. سو اگر تو دیکھے کسی بشر کو تو کہہ کہ میں نے روزہ کی نذر مانی ہے رحمٰن کی۔ سو آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گی۔

یہاں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں. قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (پ۳۰ التین) کہہ کر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا واضح کیا ہے سو اگر انبیائے کرام کی بشریت کا انکار کیا جائے اور انہیں کسی اور نوع کی مخلوق مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں مقام نبوت کی کھلی توہین اور بے ادبی ہوگی۔

انبیاء کی بشریت کی تیسری کھلی شہادت

ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ۔ (پ۳ آل عمران ۷۹)

ترجمہ. کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو دے اسے کتاب، حکم اور نبوت اور وہ لوگوں کو کہے تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اور کتاب کا مورد ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں اور نبوت ہمیشہ انسان کو ہی ملی ہے یہ نوع بشر ہے جس پر کتاب اترتی ہے اور اسے نبوت ملتی ہے۔

انبیاء کی بشریت پر چوتھی شہادت

وماکان لبشران یکلمہ اللہ الا وحیًا او من وراء حجاب او یرسل رسولًا فیوحی باذنہ مایشاء۔ (پ۲۵ الشوریٰ ۵۱)

ترجمہ۔ اور یہ کسی بشر کے بس میں نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر یہ تین صورتیں ہیں ۱۔ اندر ہی اندر ایک بات دل میں اُترے۔ ۲۔ پردے کے پیچھے سے کوئی آواز سنائی دے۔ ۳۔ یا وہ کسی کو قاصد بنا کر بھیجے جو اس کے اذن سے اسے اس کی بات کہے

اللہ تعالیٰ انسانوں سے جب بھی ہمکلام ہوا ان تین صورتوں سے خالی نہیں پہلی صورت میں بھی فرشتہ پیغمبر کے قلب پر اُترتا تھا یہ ایک اندر کی کاروائی تھی جو حسًا سامنے نہیں آتی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا جب بھی اپنا پیغام دینے کے لیے کسی سے ہمکلام ہو تو وہ بشر سے ہی ہمکلام ہوا اور اس میں بشر کا اعزاز ہے نبوت کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔

بریلوی واعظین کہتے ہیں کہ یہ بات دوسرے انبیاء کے متعلق تو کہی جاسکتی ہے لیکن حضورؐ تو نور من نور اللہ تھے وہ اس حکم میں شمار نہیں کیے جاسکتے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مًعا بعد حضورؐ کو بھی اس حکم میں شریک فرمایا ہے

وکذٰلک اوحینا الیک روحًا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ (آیت ۵۲)

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم نے بھیجا آپ کی طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے۔ اور آپ نہ جانتے تھے کیا ہے کتاب اور نہ ایمان (کی تفاصیل) لیکن ہم نے کیا ہے اسے ایک روشنی اس سے ہم اپنے بندوں کو راہ بتلا دیتے ہیں۔

انبیاء کا برسبیل تواضع کوئی بات کہنا

تواضع اپنے آپ کو نیچے رکھ کر بات کہنے کو کہتے ہیں گورنمنٹ سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر ہے ایک کلرک بھی ہے اور ایک مالی بھی اور ایک چوکیدار بھی۔ اب اگر وہ ہیڈ ماسٹر انہیں یکجا اکٹھا کرکے کہے میں بھی تو تمہاری طرح گورنمنٹ کا ایک ملازم ہوں گورنمنٹ سروس میں ہوں جیسے تم تواضعاً

ایک قدرے مشترک پہلے آئی ورنہ وہ تو سارے ادارے کا سربراہ ہے. تواضع کرنے والا تواضع میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا. ہاں وہ اپنے آپ کو قدرے مشترک میں لاکر ایک بات کہہ رہا ہے — یاد رکھیے انبیاء کرام تواضع میں بھی جھوٹ نہیں بولتے.

آنحضرتؐ نے انما انا بشر مثلکم اگر بطور تواضع فرمایا تو بھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا. تواضع قدر مشترک میں آنا ہے جھوٹ بولنا نہیں ہے اگر کوئی ڈپٹی کمشنر کہے میں ڈپٹی کمشنر نہیں ہوں تو یہ تواضع نہ ہوگی جھوٹ ہوگا۔ یاد رکھیے انبیاء کرام بطور تواضع کبھی جھوٹ نہیں بولتے.

تواضع ایک اپنی نیازمندی ہے یہ کسی کے کہنے پر نہیں کی جاتی

آنحضرتؐ نے بارہا فرمایا انما انا بشر مثلکم میں بھی انسان ہوں جیسے تم۔ کیا یہ حضورؐ کی اپنی کاروائی تھی یا یہ خدا کا حکم تھا؟ کہ آپ اس کا حکم فرمادیں. قرآن کریم میں اسے یوں بیان فرمایا گیا ہے قل انما انا بشر مثلکم نیازمندی وہ ہوتی ہے جو اپنی طرف سے کی جائے وہ نہیں جو دوسروں کے کہنے پر ہو تاہم جن مفسرین نے اسے تواضع کہا ہے وہ صرف پہلے حصہ آیت کے مطابق ہے دوسرے حصہ میں یوحی الی کے الفاظ نے وہ مثبت توڑ دی ہے. یہ قرآن میں آپ کی اپنی بشریت کا اعلان ہے.

حدیث میں حضورؐ کا اپنی بشریت کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی بشریت اور اور دوسروں کے ساتھ شریک فی النوع ہونے میں اپنی مثلیت کو بیان فرمایا اور آپ نے جب بھی اس طرح اظہار فرمایا وہ ایک موقع ضرورت تھا اور ظاہر ہے کہ ضرورت اور استدلال کے وقت کوئی بات خلاف واقع نہیں کہی جاتی. سجدہ سہو کی ایک بحث میں آپ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انه لو حدث فی الصلوٰة شیٔ انبأ تکم به ولکن انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی واذا شك احدکم فی الصلوٰة فلیتحر الصواب فلیتم علیه ثم یسجد سجدتین۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۱۲)

ترجمہ. اگر نماز میں کوئی اور صورت پیدا ہوتی تو میں تمہیں اس کی خبر کرتا لیکن بات

یہ ہے کہ میں بھی بشر ہوں میں بھی بھول سکتا ہوں جیسے تم۔ سو جب میں کبھی بھولوں تو مجھے یاد کرا دیا کرو اور جب تم اپنی نماز میں شک میں پڑ جاؤ تو درست صورتحال معلوم کرو اور اس غلبہ فکر پر اپنی نماز پوری کرو اور دو سجدے (سہو کے) ادا کرو۔

اس حدیث میں آپ کا اپنی بشریت کا اعلان ایک ضرورت کے موقعہ پر ہوا تو اسے کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ آپ محض انکساری اور تواضع کے طور پر اپنے آپ کو بشر کہہ رہے تھے انکساری سے کہی بات پر دلائل نہیں دیئے جاتے بھولنا ایک انسانی فطرت ہے ایک بشری تقاضا ہے یہ پیغمبر پر بھی وارد ہوتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ منشا دونوں کے بھولنے کا الگ الگ ہو۔ ہم اگر نماز میں کبھی بھولتے ہیں تو اس کا منشا ہماری غفلت اور بے توجہی ہے اور پیغمبر اگر بھولے تو بنا بر غفلت نہیں بنا بر حکمت ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھول اتار کر آپ کی امت کو سجدہ سہو کا مسئلہ بتا دیں دیوید قوله تعالى سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله تاہم بھولنے کی کیفیت ایک ہے جو دونوں پر وارد ہوتی ہے علماء اہلسنت نے اس حدیث پر لکھا ہے۔

فيه دليل على جواز النسيان عليه صلى الله عليه وسلم فى احكام الشرع وهو مذهب جمهور العلماء وهو ظاهر القران والحديث واتفقوا على انه صلى الله عليه وسلم لا يقر عليه بل يعلمه الله به۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام شرع میں بھول وارد ہونے کی دلیل ہے اور یہی جمہور علماء اسلام کا موقف ہے اور قرآن اور حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے اور اس پر بھی سب علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ حضورؐ کو اس بھول پر رہنے نہیں دیا جاتا اللہ تعالیٰ انہیں صحیح صورتِ حال بتلا دیتے ہیں۔

ام المومنین حضرت سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انكم تختصمون الي وانما انا بشر ولعل بعضكم ان يكون الحن بحجته من بعض فان قضيت لاحد منكم بشيء من حق اخيه فانما اقطع له قطعة من النار فلا ياخذ منه شيئا ..... حديث حسن صحيح[2]

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ صـ ۲۱۲ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صـ ۱۶۰

ترجمہ۔ تم اپنے مقدمے میرے پاس لے کر آتے ہو اور میں بھی ایک انسان ہوں ہو سکتا ہے کہ کوئی تم میں سے اپنے دلائل میں زیادہ چرب زبان ہو سو میں تم میں سے کسی کے حق میں دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو یہ ایک قطعہ نار ہے جو میں اسے دوں گا وہ ہرگز اسے نہ لے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں شیعہ لوگوں کا عقیدہ بھی لکھ دیں جمہور کا عقیدہ وہی ہے جو آپ امام نووی (۶۷۶ھ) سے سُن آئے ہیں اب آپ ان کا عقیدہ بھی سن لیں

اثنا عشری شیعہ حضورؐ کی بشریت میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ بشریت اور اس کے لوازم میں دوسرے انسانوں کے ساتھ شریک ہیں۔ ابن مطہر حلی (۷۶۲ھ) تجرید الاعتقاد کی شرح میں لکھتا ہے:۔

اذا افراد الامة مشارکون له فی الانسانیه ولوازمها۔[۱]

ترجمہ۔ بنی نوع انسان کے تمام افراد انسانیت اور اس کے لوازم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہیں۔

ان کے علامہ مامقانی لکھتے ہیں:۔

اما مثل تجویز السهو علی النبی صلی الله علیه وسلم ... فلا یوجب فسقاً۔[۲]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھول کو جائز قرار دینا یہ عقیدے میں ہرگز کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرتا۔

علامہ کلینی نے بھی حدیث انما انا بشر مثلکم روایت کی ہے (دیکھئے الکافی جلد ۵ ص ۵۶۸) انما انا بشر مثلکم یعنی اکل الطعام فی البشریة مثلکم۔[۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ لگتی اور آپ احرام کی حالت میں اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرہ کو دھوپ سے بچاتے۔ علامہ کلینی لکھتا ہے:۔

ربما ستر وجهه بیده۔[۴] آپ نے کئی دفعہ اپنے چہرہ کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپا۔

صحابہ کرامؓ کا حضورؐ کے بشر ہونے کا عقیدہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کے بیٹے تھے حضرت ابوہریرہؓ

---

[۱] کشف المراد ص ۲۱۹ طبع قم ۱۲۷۲ھ [۲] رجال مامقانی جلد ا ص ۲۰۸ [۳] احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۲۹ [۴] دیکھئے الکافی جلد ۴ ص ۳۵۰

کہا کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حضورؐ کی احادیث روایت کرنے والا کوئی نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے۔ آپ کہتے ہیں حضور اکرمؐ کی میں ہر حدیث لکھتا تھا مجھے دوسرے صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ میں حضورؐ کی ہر بات نہ لکھا کروں آپ کبھی جذبات میں کوئی بات کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں اس پر میں لکھنے سے رک گیا اور آنحضرتؐ کو اس کی خبر کی آپ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہاں سے (جذبات بھی ہوں) حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج الا حق ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو صحابہؓ نے جب لکھنے سے منع کیا تھا تو انہوں نے ان الفاظ میں اپنی بات آپ کے سامنے رکھی تھی:۔

أتکتب کل شیء تسمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا۔[1]

ترجمہ: کیا آپ ہر چیز جو حضورؐ سے سنتے ہیں لکھ لیتے ہیں حالانکہ حضورؐ بشر ہیں جو کبھی غصے میں ہوتے ہیں کبھی خوشی میں (ایسے مواقع کی بات کس طرح سند بنائی جا سکتی ہے)

اس سے پتہ چلا کہ حضور اکرمؐ کے بشر ہونے پر سب صحابہ متفق تھے ہاں ان کا یہ سمجھنا کہ حضورؐ سے جذبات میں ایسی بات بھی نکل سکتی ہے جو درست نہ ہو اس کی حضورؐ نے اصلاح فرمادی اور کہا کہ میرے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا حضورؐ نے اس میں ان کے اس اقرار بشریت سے انکار نہ فرمایا۔

(۲) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی فرماتی ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وکان بشرًا من البشر۔[2]

ترجمہ: آنحضرتؐ اپنا جوتا مرمت کر لیتے تھے اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم اپنے گھروں میں کام کرتے ہو اور بشر تھے جیسے دوسرے لوگ نوع بشری سے ہیں۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ اور گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس حدیث کو بلا جرح قبول کیا ہے۔ مولوی محمد عمر اچھروی کا اس حدیث پر جرح کرنا محدثین سلف صالحین کے

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۵۱۴ طبع ۱۳۶۹ھ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ [2] رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۰

مسلک سے ایک کھلی بغاوت ہے اہلسنت کے قطعی عقائد سے نکلنے کی اس سے بڑی جرأت کیا ہوگی۔

حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدمات وانّہ بشر۔[1]

ترجمہ۔ بے شک حضورؐ نے وفات پائی اور بات یہ ہے کہ آپ بے شک انسان تھے۔

شرح عقائد نسفی اہلسنت کے جملہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اس میں اسلام کا یہ عقیدہ ان الفاظ میں ہے:

وَقَدْ أَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی رُسُلًا مِنَ الْبَشَرِ إِلَی الْبَشَرِ مُبَشِّرِیْنَ لِأَهْلِ الْإِیْمَانِ وَالطاعة بالجنة والثواب ومنذرین لاهل الکفر والعصیان بالنار والعقاب[2]

حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) نے بھی المسائرہ میں نبی کی تعریف یہ کی ہے:

النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق بینھما بل ھما بمعنی[3]

اولیاء کرام کا حضورؐ کی بشریت کا عقیدہ

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں۔

ہرگاہ سید انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات فرماید اغضب کما یغضب البشر باولیاء چہ رسد ہمچنیں ایں بزرگواراں در اکل وشرب ومعاشرت باہل وعیال وموانست ایشاں باسائر الناس شریک اند تعلقات شتی کہ از لوازم بشریت است از خواص وعوام زائل نمی گردد۔ حق سبحانہ وتعالیٰ درشان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات می فرماید۔ وما جعلناھم جسدًا لا یاکلون الطعام (پ الانبیاء) وکفار ظاہر بین مے گفتند۔ ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق[4]

ترجمہ جب تمام انبیاء کے سردار بھی کہتے ہیں کہ مجھے بھی غصہ آتا ہے جیسے کسی اور بشر کو غصہ آئے تو پھر اولیاء کرام کی بات کیا ہے اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے اہل وعیال کے ساتھ رہنے اور ان سے موانست میں تمام لوگوں کے ساتھ شریک ہیں یہ مختلف قسم کے تعلقات جو لوازم بشریت میں سے ہیں خواص وعوام میں کسی سے منتفی نہیں ہوتے حق تعالیٰ انبیاء کرام

---

[1] سنن دارمی جلد ا صـ۳۹ [2] شرح عقائد نسفی صـ۱۳۳ [3] المسائرہ صـ [4] مبدء ومعاد صـ۲۶

کے بارے میں فرماتا ہے ہم نے ان کو ایسے اجساد نہیں بنایا کہ وہ کھاتے نہ ہوں۔ اور ظاہر بین کفار کہتے تھے اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

بشریت کا اقرار کیا صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت اور صحابہ کرامؓ کے اجماعی موقف کے مطابق ہے تو یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوع بشر میں سے تھے صحتِ ایمان کے لیے کیوں شرط نہ ہوگا۔ یہی سوال حضرت الشیخ ولی الدین عراقی سے ان الفاظ میں پوچھا گیا۔ هل العلم بکونه صلی اللہ علیه وسلم بشرًا ومن العرب شرط فی صحة الایمان اومن فرض الکفایة. آپ نے اس پر یہ جواب تحریر فرمایا۔

انه شرط فی صحة الایمان۔ فلو قال شخص اومن برسالة محمد صلی اللہ علیه سلم الی جمیع الخلق لکن لا ادری هل هو من البشر او من الملئکة او من الجن او لا ادری هل هو من العرب او من العجم فلا شك فی کفره لتکذیبه القرآن وجحده ما تلقته الاسلام خلفًا عن السلف وصار معلومًا بالضرورة۔[1]

ترجمہ۔ یہ صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے اگر کوئی شخص کہے کہ میں حضورؐ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں کہ آپ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ نوع بشر میں سے تھے یا فرشتوں میں سے یا جنات میں سے یا یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عرب تھے یا عجم سے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں وہ شخص تکذیبِ قرآن کا مرتکب ہے اور اسلام جو بات خلف عن السلف کہتا چلا آیا ہے اور جس چیز کا دین میں سے ہونا بالضرورت معلوم ہو چکا ہے یہ شخص اسلام کا منکر ہے۔

---

[1] غالیۃ المواعظ للعلامہ خیر الدین ابی البرکات جلد ۲ صد ۱۹

الحضور والنظور

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد

فقد قال اللہ تعالیٰ ذٰلکم اللہ ربکم خالق کل شیٔ لا الٰہ الا ھو۔

(قرآن کریم پ۲۴ المومن ع ۷ آیت ۶۲)

ترجمہ: وہ تمہارا رب ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا. کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہ (ایک)

جب اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق اور حادث ہے تو جاننا چاہیئے کہ مخلوق کی صفاتِ ذاتیہ کیا ہیں اور اشیاء محدثہ کے خواص کیا ہیں؟ —— وہ خواص عالمِ ممکنات کی ہر چیز میں پائے جانے چاہئیں جس چیز پر بھی حدوث امکان کا داغ ہو وہ ان کے دائرہ سے باہر نہ پائی جائے۔

(۱) اللہ تعالیٰ خود جوہر و عرض سے بالا ذات ہے نہ وہ جوہر ہے نہ عرض. ہر جوہر اور عرض کو اس کے حکم سے وجود ملا. دائرہ ممکنات میں جو چیز اپنی ذات سے قائم ہے وہ جوہر ہے اور جو کسی جوہر سے ظاہر ہو کر وجود پکڑے وہ عرض ہے. یہ یہاں ہر چیز وہ قائم بالذات ہو یا قائم بالغیر مخلوق اور حادث ہے۔

(۲) ہر مخلوق اور حادث چیز مکانی ہے اور جگہ گھیرتی ہے روشنی کا بھی ایک جسم ہے جب وہ سامنے ہو تو دن ہے وہاں نہ ہو تو رات ہے. جہاں جہاں رات ہو وہاں روشنی نہیں ہوتی اور جہاں جہاں دن ہو وہاں اندھیرا نہیں ہوتا. روشنی بھی مکانی چیز ہے اور جگہ گھیرتی ہے اور اندھیرا بھی اپنی حدود میں محدود ہے اور اس کا ایک اپنا جسم ہے وہ کتنا دور دراز تک پھیلا ہو تاہم ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں وہ نہیں وہاں روشنی ہے۔

(۳) ہر چیز جو جگہ گھیرے اس میں کوئی دوسرا جسم داخل نہیں. دو جوہری چیزیں ایک

وقت ایک جلسہ میں جمع بیٹھے ہوئے ہیں۔ دن کی روشنی میں جہاں ہم بیٹھے ہیں وہاں اس روشنی کا جسم نہیں وہاں ہمارا جسم ہے۔ وہاں سے ہم ذرا سا سرکیں تو اس جگہ فوراً روشنی آجائے گی۔ وہاں کچھ بھی نہ ہو یہ نہیں ہو سکتا خلاء محال ہے۔ اب دن ہے اس وقت بھی روشنی ہر جگہ نہیں جہاں ہمارے اپنے اجسام ہیں یا دوسری مادی اشیاء ہیں وہاں یہ روشنی نہیں ہے وہاں یا ہم ہوں گے یا روشنی (یا اندھیرا ہوگا) ایک جگہ ایک ہی جسم ہو سکے گا۔

(۴) ہر حادث اور مخلوق چیز زمانی ہے۔ ایک وقت تھا وہ موجود نہ تھی اور ایک وقت آئے گا وہ اس حال میں نہ ہوگی۔ کوئی مخلوق دائم الزمان نہیں۔ نہ کوئی ایک مخلوق ہر آن وسیع المکان ہے کہ پورے دائرہ امکان میں ہر جگہ ہو یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ پورے عالم امکان میں وہ ایک ہی مخلوق ہو اور اس کے سوا کچھ اور نہ ہو۔

(۵) ہر حادث اور مخلوق تغیر پذیر ہے۔ کوئی مخلوق ہمیشہ کے لیے ایک حال میں نہیں رہتی۔ کسی مخلوق کو زمان و مکان کی قید سے آزاد رکھ کر ہمیشہ ایک حال میں یقین کرنا اس کے حادث اور مخلوق ہونے کی نفی کرنا ہے۔

(۶) جن چیزوں کو عالم امر سے وجود ملا (جیسے ارواح) ان میں بھی باہمی تداخل نہیں۔ جہاں ایک ہے وہاں دوسری نہیں۔ اس کا دائرہ عمل کتنا وسیع کیوں نہ ہو اور اسے کتنی سرعت سیر کیوں نہ ملی ہو سیر ہے یہ بھی کلیۃً امر الٰہی کے تحت ـــــ اسے صرف اس دخل و عمل کے سبب لامکان کہتے ہیں۔ ورنہ جس پر زمانے کی گردش ہے۔ اس پر کسی نہ کسی پیرایہ میں مکان کی بھی بندش ہے

یہ اشیاء محدثہ کے خواص ہیں جو ہر مخلوق میں چھوٹا ہو یا بڑا پوری ہدایت سے پائے جاتے ہیں اور کوئی پڑھا لکھا آدمی ان قواعد کلیہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ عالم امر کی ایجاد اور اس کے انتقالات سب امر الٰہی کے تحت میں جس طرح عالم خلق اس سے ہے عالم امر بھی اسی سے ہے۔ الا لہ الخلق والامر: (پ الاعراف آیت ۵۴)

آیئے اب مختلف الانواع مخلوقات پر اس اعتبار سے غور کریں۔

انسان اور جن

ایک جسم میں انسانی روح تھی اور انسانی شعور تھا۔ کوئی جن اس جسم میں داخل ہوا اس جسم کا پہلا انسانی شعور جاتا رہا۔ اب اس کے اندر سے جن بولتا ہے۔ انسان کا جسم اور جن کا جسم مختلف الانواع ہیں، اب ان میں اتحاد ہوا جن کی روح عرض کی طرح اس پر اتری۔ اب روح کا شعور اگر جن کا ہے تو اس وقت وہ جسم انسان کا نہیں، اور انسان کا ہے تو جن کا نہیں۔ جن گیا اور انسانی شعور لوٹ آیا تو اب وہ انسانی جسم ہوا۔

انسان اور فرشتے

حضرت جبریل علیہ السلام کا ایک اپنا جسم ہے جس کے ساتھ وہ فرشتوں میں رہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو آپ کی اصلی شکل میں دو دفعہ دیکھا ــــ پھر آپ عام طور پر حضورؐ کے سامنے انسانی شکل میں آتے رہے ــــ حضرت مریم کو بھی آپ انسانی شکل میں دکھائی دیتے تھے۔ متعدد صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کو (حدیث جبریل کے مطابق) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایمان و اسلام کے سوالات کرتے دیکھا اور سنا۔ اور اس وقت آپ انسانی شکل میں تھے۔

اب ظاہر ہے کہ آپ جب حضورؐ اور صحابہؓ کے سامنے انسانی شکل میں آتے ہوئے تھے اس وقت آپ اپنی اس آسمانی صورت میں اوپر نہ ہوتے تھے اور جب اصلی شکل میں ہوتے تھے تو زمین پر آپ انسانی شکل میں نہ ہوتے تھے۔ حادث اور مخلوق کی خاصیت ہے کہ وہ بیک وقت دو مختلف جگہوں میں نہ ہو۔ اگر کبھی کہیں ایسا دکھائی دے تو ایک وجود اصلی ہوگا اور دوسرا مثالی کوئی مخلوق اور حادث بیک وقت اصلی وجود سے ہر جگہ موجود نہیں ہوسکتا۔

فرشتے اور جن

فرشتوں اور جنات کا تمثل مختلف صورتوں میں ممکن اور واقع ہے۔ ان کا تصرف اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنی اپنی حدود میں واقع اور مسلم ہے۔ تاہم یہ بھی ہر وقت ہر جگہ موجود نہیں رہتے۔ عالمِ ممکنات میں کئی جگہیں ایسی ہوں گی جہاں یہ نہ ہوں۔ جس جگہ کو جبریل نے گھیرا ہوا ہے وہاں حضرت اسرافیل نہیں ہیں۔ اور جہاں عزرائیل علیہ السلام کسی کو نظر آ رہے ہیں وہاں میکائیل ساتھ نہیں ہیں۔ ان کے اپنے اپنے اجسام ہیں۔ گو سب نوری ہیں اور ان کے اپنے اپنے دوائرہ ہیں جہاں یہ امرِ الٰہی کے تحت چل پھر سکتے ہیں یا اُڑ سکتے ہیں۔

جن عزازیل دنیا میں کتنے وسیع و عریض دائرے میں حرکت کرتا ہے مگر آسمانوں پہ جانے میں اسے انگارے پڑتے ہیں۔ ان وسیع دائروں میں حاضر یا متصرف ہونے کے باوجود وہ ملاء اعلیٰ میں نہیں ہے۔ لطافت ایسی کہ انسان کے دل و دماغ میں اُترتا ہے۔ اس کے خون کی خاموش نالیوں میں تیرتا ہے۔ سامنے مختلف الانواع پردوں پہ اُترتا ہے بایں ہمہ یہ ہر جگہ موجود نہیں۔ عالمِ خلق میں اس کا یہ حال ہے تو عالمِ امر جس کے تحت روحوں کا وجود ہے۔ وہاں اس کا پہنچنا کیسے ممکن ہو گا۔ ابلیس کو ہر جگہ موجود حاضر سمجھنا ایک بڑی تاریکی اور جہالت ہے۔

کائنات کے مختلف دائرے

(۱) عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں خدا کے حکم سے قائم ہیں اور دونوں جہانوں کے اپنے اپنے حالات اور اپنی اپنی کیفیات ہیں اور اپنے اپنے دوائرِ حرکت ہیں۔

(۲) عالمِ خلق میں مختلف الانواع مخلوقات کے اپنے اپنے حالات اور تصرفات ہیں۔ فرشتوں جنوں اور انسانوں کے اپنے اپنے دوائرِ عمل ہیں۔

سلیمان علیہ السلام کو خود ملکہ بلقیس کی بھی اطلاع نہ ہو اور آپ کا ایک خادم عرش بلقیس کو

کو چشم زدن میں سامنے کر دے۔ تو یہ اپنے اپنے دائرہ عمل کی بات ہے۔ فضائل و کمالات میں ان خدام میں کسی کا پھریرا حضرت سلیمان سے اونچی پرواز کا نہ تھا۔

حقائق کائنات کی ان گہری وادیوں میں اُترتے ہوئے ساتھ ساتھ ان نو باتوں پر بھی غور کر لیں تو مسئلہ زیر بحث میں ساحل مراد پر اُترنا ان شاء اللہ العزیز بہت آسان ہو جائے گا۔

(۱) مکھی ہوا میں اُڑے اور انسان بغیر ہوائی جہاز نہ اُڑ سکے تو کیا یہ مکھی کے انسان سے برتر ہونے کی دلیل بن سکے گا؟

(۲) مچھلی پانیوں میں بلا حائل مہینوں زندگی بسر کر سکے اور انسان ایسا نہ کر سکے تو کیا یہ مچھلی انسان پر فضیلت لے گئی ہے؟

(۳) بطخ پانی پر اس طرح بیٹھی تیر رہی ہے جیسے زمین پر بیٹھی ہو اور انسان کبھی بیٹھ کر تیرتا نہیں دیکھا گیا ہو تو کیا بطخ انسان پر فضیلت لے گئی ہے؟

(۴) شیطان لوگوں کے دلوں میں بُرے وسوسے ڈال سکتا ہے اور صحابہؓ ابو جہل کے دل میں کوئی نیک خیال نہ ڈال سکے تو کمال کس کا رہا؟

(۵) ملک سبا کا علم ہدہد پرندے کو ذاتی تجربے سے ہوا حضرت سلیمان کو بتانے سے اب علم ذاتی اور علم عطائی میں سے کس کو افضل مانا جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص جانور (ہدہد) کے علم کو پیغمبر (حضرت سلیمان) کے علم سے اقدم ماننے تو کیا اس پر پیغمبر کی بے ادبی پر مرتد کے احکام جاری کئے جا سکیں گے؟

(۶) اصحاب کہف سالہا سال بغیر دنیا کا کھانا کھائے زندہ رہے۔ صحابہؓ نے دو دن بھوکا رہنے کے بعد تیسرے دن پیٹ پر پتھر باندھ لیے۔ ایسا کیوں؟

(۷) برادرانِ یوسف کو پتہ تھا انہوں نے یوسف کو کس کنویں میں ڈالا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ تھا۔ اب دونوں میں سے کون افضل ہوا علم رکھنے والے یا نہ رکھنے والے؟

(۸) حضرت عمرؓ کو سینکڑوں میلوں سے سپہ سالار ساریہ نظر آگئے اور اپنا قاتل دیوار کے پیچھے چھپا نظر نہ آیا۔ کیا آپ کی نظر کمزور ہوگئی تھی یا وہ ویسے ہی دکھائی نہ دیا تھا؟

(۹) ملک الموت اکیلا روحیں قبض کرتا ہے یا اس کے ساتھ نازعات اور ناشطات فرشتوں کی دو جماعتیں بھی ہیں؟

ملک الموت، اگر اپنے سفر میں اپنی اصلی شکل میں سب انسانوں پر برابر کی نظر رکھے اور یہ نظر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حاصل نہ ہو تو کون افضل ہوا؟

ان تمام سوالوں کا نقطہ محور محض ایک قیاس ہے ـــــ ایک مخلوق کا دوسرے پر یا ایک حال کا دوسرے حال پر ـــــ ان قیاسات میں محض ایک وہم ہے جو کمزور انسانی فکر کو متنزلزل کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مختلف النوع مخلوق کو دوسری نوع کی مخلوق پر قیاس کرنا جائز ہے۔ عقل کے مطابق ہے۔ اگر نہیں تو اس قسم کے قیاسات سے کام لینے والے علمی اور فکری طور پر کس درجہ کے نادان سمجھے جائیں گے یہ آپ طے کریں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کے قیاساتِ واہیہ سے عقائد ثابت کیے جا سکتے ہیں۔ یا عقائد کے لیے مضبوط اور قطعی دلائل ہونے چاہئیں۔

تیسرا سوال ساتھ یہ ملا لیجئے کہ قرآن کریم میں عقائد کا بیان قطعی الدلالۃ آیات میں ہے یا نہیں ان مذکورہ قیاسات پر چھوڑا گیا ہے۔ پھر ان آیات کے جو معنی بیان کئے جاتے ہیں ان آیات کے کیا وہ ایک ہی معنی ہیں یا اس میں مفسرین نے اور احتمال بھی بیان کئے ہیں؟ بصورتِ احتمال کیا وہ آیات اپنے ان معنی پر قطعی الدلالۃ رہیں؟

چوتھا سوال یہ ساتھ رکھیئے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے عقائد اسلام کے ثابت کرنے میں اس قسم کے قیاساتِ واہیہ سے کام لیا ہے اور اپنے عوام کو ان قیاسات میں گم کر کے انہوں نے اپنے پیروؤں سے قرآن کی محکمات چھڑا دی ہیں۔

اب ہم یہاں اس مقدمے کو ختم کرتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب اور ان اشکالات

کامل آپ کو اسی رسالہ میں ملے گا۔ البتہ ترتیب مختلف ہوگی۔ حق تعالیٰ حق سمجھنا آسان فرمائے۔

بریلویت کی فصل جہالت کی زمین میں بوئی گئی ہے

مذکورہ مثالوں سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بریلوی علماء اپنے عوام کو بس اسی قسم کی باتوں سے مطمئن رکھتے ہیں اور وہ بے چارے جان نہیں پاتے کہ گمان اور علم میں اور ظن اور یقین میں کتنے دور کے فاصلے ہیں عقائد کبھی گمان سے قائم نہیں ہوتے اور سنت کی منزل کبھی بدعت کی راہوں سے نہیں ملتی۔ بدعت کے اندھیروں میں رہنے والے اپنے آپ کو اہل سنّت کہیں تو کیا یہ قباحت نہیں۔

نام لیے بغیر گجرات کا ایک واقعہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں ایک مفتی صاحب فوت ہوئے تو ان کے ترکہ میں ان کی قبر بھی زیرِ عہد آئی۔ ایک بھائی کو کہا گیا کہ وہ مفتی صاحب کی کل جائداد لے لے مگر قبر کی تولیت سے دستبردار ہو رہے اور دوسرا بھائی قبر کی تولیت لے اور والد کی سب جائداد اپنے بھائی کے حق میں چھوڑ دے۔

فیصلہ ہو گیا اور قبر جس کے حصہ میں آئی وہ دس سال میں بھائی کے برابر صاحب جائداد ہو گیا اور قبر بلا شرکت غیرے اس کی تولیت میں رہی اور جہالت کا یہ سدا بہار درخت اگلے دس سالوں میں دُگنی فصل لا رہا ہے۔

قبروں پر ہونے والے عرسوں سے فائدہ صاحبِ مزار کو پہنچتا ہے یا مجاوروں کو۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں اس کی مکمل بحث آپ کو چھٹی جلد میں ملے گی یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بریلوی علماء اب تک عقائد خمسہ کے اثبات میں کتاب و سنّت کی کوئی قطعی الدلالت بات پیش نہیں کر سکے قطعی الدلالۃ بات میں کوئی الجھاؤ نہیں رہتا اور بریلوی علماء اپنے عوام کو اُلجھائے بغیر جہالت کی زمین میں بوئی اپنی فصل کو کاٹ نہیں سکتے۔ والحق احق ان یتبع واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مؤلف عفا اللہ عنہ

ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد :۔

اسلام میں عقائد کا معاملہ بہت اہم اور نازک ہے۔ عملوں میں کمزوری کی چھوٹ فضلِ الٰہی سے مل سکتی ہے۔ مگر عقائد میں غلطی اور سہل انگاری لائق درگذر نہیں۔ عقائد کی جنگ ان کمزور قیاسات اور غلط مقدمات سے نہیں جیتی جاسکتی جو بریلویوں نے اس سلسلہ میں قائم کر رکھے ہیں۔ ان کے لیے قرآن کریم کے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہے اور وہ بریلویوں کے ہاں یکسر مفقود ہیں۔ بدعات میں ان کے پہلے امام مولانا عبدالسمیع رامپوری ہوئے ہیں۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو ہیں اور خاں صاحب انہیں اپنا بڑا بھائی کہتے تھے۔ آپ عقیدہ حاضر و ناظر کے ثبوت میں لکھتے ہیں :۔

> چاند سورج ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت (یعنی ہر جگہ ہونا) خدا کی کہاں ہوئی اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفل میلاد (بریلوی حضرات) تو زمین کی ہر جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک و کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔[1]

دیکھیے کیسے غلط مقدمے باندھے ہیں۔ ۱۔ چاند سورج ہر جگہ موجود ہے ــــ یہ غلط ہے جہاں چاند ہے وہاں سورج نہیں، جہاں سورج ہے وہاں چاند نہیں۔ دونوں علیحدہ علیحدہ جرم ہیں، جہاں زحل ہے وہاں عطارد نہیں، جہاں عطارد ہے وہاں مریخ نہیں ــــ اس پہ دنیا میں

---

[1] انوار ساطعہ صد ۵۲ صد ۵۳

جہاں زید ہے وہاں بکر نہیں۔ یعنی جو جگہ زید نے گھیر رکھی ہے وہاں بکر نہیں۔ اشیاء مخلوقہ محدثہ میں سے کوئی بھی ہر جگہ نہیں۔ جہاں ایک چیز ہے وہ جگہ دوسری کی نہیں۔ مگر مولانا رامپوری ہیں کہ چاند سورج دونوں کو ہر جگہ موجود بتلا رہے ہیں۔ دونوں کا فیض عام ہو یہ اور بات ہے اور دونوں ہر جگہ موجود ہوں یہ ایک بالکل دوسری بات ہے۔

پھر لکھتے ہیں ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ بغداد میں جہاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا روضہ ہے وہاں شیطان نہیں ہے۔ اس قبر میں آپ ہیں ابلیس نہیں ہے۔ ابلیس کو ہر جگہ موجود ماننا کیسا غلط عقیدہ ہے اور کس بے ادبی پر منتج ہوتا ہے — استغفراللہ العظیم — بریلوی مولویوں کے اس عقیدہ سے اللہ حضورؐ کی امت کو بچائے۔

پھر ان بریلویوں نے ابلیس کے ہر جگہ موجود ہونے ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے کو حضورؐ کے ہر جگہ موجود ہونے کے برابر سمجھ رکھا ہے۔ تبھی تو اس مقدمے میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

"تو یہ صفت (ہر جگہ موجود ہونا) خدا کی کہاں ہوئی" — (یعنی ہر جگہ موجود ہونا خدا کی صفت نہیں ہے)۔

یہ ساری محنت کس لیے ہو رہی ہے کہ خدا کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کس طرح نفی کی جا سکے۔ ہر جگہ موجود ہونا شیطان۔ ملک الموت اور انبیائے کرام کی صفت قرار دی جائے۔ مولانا عبدالسمیع نے تو ابلیس کو ہی ہر جگہ حاضر و ناظر مانا تھا مولانا احمد رضا خاں نے تو کرشن کنہیا کو بھی سینکڑوں جگہ موجود اور حاضر مان لیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

کسی نے عرض کی حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرمالیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا۔ شیخ نے فرمایا کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔[1]

مولانا عبدالسمیع صاحب نے خدا کے ہر جگہ موجود ہونے کی نفی کی ہے۔ ان سے اچھے تو مولانا دیدار علی الوری ہی رہے جنہوں نے اللہ رب العزت کے خطورہ و نظورہ کو تسلیم کرتے ہوئے حضور

---

[1] دیکھئے ملفوظات حصہ اول ص ۱۱۹

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح حاضر و ناظر ہونے کی صاف لفظوں میں نفی کی مولانا دیدار علی لکھتے ہیں:۔

لفظ حاضر ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظور باری تعالیٰ ہر وقت و لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ عقیدہ کسی جاہل و اجہل کا بھی نہ ہوگا۔[1]

کاش کہ مولانا عبد السمیع ابلیس کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے اور خدا کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا انکار کرنے سے پہلے قرآن کریم کی ان آیات کو پڑھ لیتے۔

(۱) الم تر ان اللّٰہ یعلم ما فی السمٰوات وما فی الارض. ما یکون من نجویٰ ثلٰثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذٰلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا۔ (پ ۲۸ المجادلہ آیت ۷)

ترجمہ۔ کیا تو نے دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ ــــ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ کی مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں ہوں۔ (ترجمہ مولانا احمد رضا خاں)

(۲) ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللّٰہ معنا۔

(پ ۱۰ التوبہ آیت ۴۰)

ترجمہ۔ صرف دو جان تھے جب وہ غار میں تھے جب اپنے ساتھی سے آپ کہتے غم نہ کر۔ بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

---

[1] رسول القیام ص ۱۰۵

سوچو! یہ بھی کوئی دین ہے۔ ابلیس کو ہر جگہ موجود ماننا، کرشن کنہیا کو کئی سو جگہ پہ حاضر و ناظر ماننا اور خدا سے حاضر و ناظر ہونے کی نفی کرنا — استغفر اللہ العظیم — ضد بریلویوں کو کہاں سے کہاں لے آئی ہے۔

سوال: اکابر علمائے اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی نے اللہ رب العزت کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہے؟

جواب: ہاں! حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس باب میں کہ انسان خدا سے ڈرتا رہے اس سے شرم کرے اور گناہوں پر جری نہ ہو۔ لکھتے ہیں:۔

حق تعالیٰ بر احوال جزوی و کلی او مطلع است از حاضر و ناظر شرم باید کرد۔[1]

بدانکہ حق تعالیٰ حاضر است غائب نہ۔[2]

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کی حقیقت اور کنہ کو ہم پا نہیں سکتے۔ اتنا جانتے ہیں کہ وہ اپنے علم محیط سے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ بریلویوں نے جب یہ لفظ (حاضر و ناظر) انبیاء اور اولیاء کے لیے استعمال کرنا شروع کیا تو سننے والوں کا ذہن اس سے اسی طرف مائل ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہر جگہ سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء سے بھی کوئی چیز قریب و بعید کے فاصلے پر نہیں۔ وہ بھی ہر جگہ کی ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ کوئی چیز ان سے دور نہیں۔ بریلوی عوام آج اسی عقیدے سے انبیاء و اولیاء کو ہر جگہ ہر آن حاضر و ناظر مانتے ہیں ان کے علماء اپنے ہاں کوئی تاویل کرلیں تو کرلیں۔ لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں جس طرح خدا کو اور ظاہر ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور بقول مولانا دیدار علی اس کا قائل سوائے جاہل و اجہل کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مولانا عبد السمیع رامپوری نے اس شرکیہ عقیدے سے ان لفظوں میں کنارہ کشی کی ہے:۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول ص۱۰۱ [2] مکتوبات قدوسیہ ص۱۲۹

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی ہر جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوے کرتے ..... ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک و کفر و غیر کفر میں پایا جاتا ہے[1]

اس عبارت میں یہ چار باتیں غور طلب ہیں:۔

(۱) ——— یہ اہلِ بدعت اس وقت تک اہل السنۃ والجماعۃ سے موسوم نہ تھے۔ انہیں اصحاب محفل میلاد کہا جاتا تھا اور اہل السنۃ والجماعۃ علمائے حق کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ زمانے کا انقلاب ہے کہ اب ان لوگوں نے بھی اپنے آپ کو اہل السنۃ کہنا شروع کر دیا ہے۔ سنت کہاں اور بدعت کہاں بھلا اہل بدعت بھی کہیں اہل سنّت ہو سکتے ہیں۔

(۲) ——— ان اہل بدعت کا دعوئے اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ پہ حاضر و ناظر ہونے کا نہ تھا۔ وہ زمین کی ناپاک جگہوں اور اہل کفر کی مجلسوں اور محفلوں میں حضورؐ کو حاضر و ناظر نہ مانتے تھے اسے حضورؐ کی بے ادبی جانتے تھے۔ مگر افسوس کہ اب بریلوی لوگ اس حد کے بھی پابند نہیں رہے اور وہ اسی طرح حضورؐ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ جیسے اللہ رب العزت کو۔

(۳) ——— بریلویوں کے ہاں حضورؐ کا ہر جگہ موجود ہونا کمالاتِ رسالت میں سے نہیں۔ ورنہ وہ ابلیس کو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر نہ مانتے۔

(۴) ——— بریلوی عقائد میں شیطان کو جو ہر جگہ پاک و ناپاک اور کفر و غیر کفر میں حاضر و ناظر ہونے کی جو وسعت حاصل ہے وہ (معاذ اللہ) حضورؐ کو بھی نہیں اور اس میں ابلیس اور ملک الموت دونوں آپ سے بڑھ گئے۔ (استغفر اللہ العظیم)

بریلویوں کے عقیدہ حاضر و ناظر کی علمی تنقیح

ایک دفعہ گلاسگو میں جمعیت علمائے برطانیہ کی مرکزی کانفرنس تھی مقامی بریلوی علماء اہلسنت

---

[1] انوار ساطعہ صـ۵۳

کے اس اجتماع سے بہت الجرکت تھے۔ انہوں نے دو انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ہماری جائے قیام پر بھیجا۔ تاکہ وہ ہم سے کچھ عقائد کی باتیں پوچھیں اور اگر اختلاف ظاہر ہو تو علماء حق کو بدنام کیا جا سکے ــــ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر پہل کر دی۔

سوال: کیا آپ حضور پیغمبر اسلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں؟

جواب: حاضر و ناظر تو آپ بھی ہیں۔ کیا آپ یہاں موجود نہیں؟ موجود کو کہتے ہیں حاضر۔ اور کیا آپ دیکھ نہیں رہے۔ نابینا ہیں؟ نہیں تو آپ ناظر بھی ہوئے۔ تو جب آپ موجود بھی ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں تو حاضر و ناظر نہ ہوئے؟ اس نوجوان نے ہاں میں سر ہلایا اور پھر سوال کیا؟

سوال: میں تو صرف یہیں حاضر و ناظر ہوں ہر جگہ تو حاضر و ناظر نہیں ہوں ــــ حضور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں؟

سوال بر سوال: تم اس وقت کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو یا اس وقت کے بارے میں جب آپ دنیا میں تشریف فرما تھے؟

جواب طالب علم: پہلے اس وقت کے بارے میں بتائیں اور پھر اس وقت کے بارے میں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا میں تھے تو بے شک حاضر و ناظر تھے آپ اپنی مجالس میں موجود بھی ہوتے اور حاضرین کو دیکھتے بھی تھے۔ تو حاضر بھی ہوئے اور ناظر بھی ــــ لیکن اُس وقت بھی آپ ہر جگہ موجود نہ ہوتے تھے۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں تھے تو مدینہ منورہ میں نہ تھے اور جب معراج کی رات آسمانوں پر تھے تو زمین پر نہ تھے۔ جب آپ مسجد میں ہوتے تھے تو گھر نہ ہوتے تھے۔

طالب علم: اور اب وفات کے بعد؟

جواب: اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک جگہ پر موجود ہیں جیسا کہ اُس دُنیا میں ہوتا تھا اور وہ جگہ حضورؐ کا روضۂ انور ہے جو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے حضورؐ

وہاں بالذات موجود ہیں اور حاضرین کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

سوال طالب علم: کلمہ شریف کا ترجمہ کیا ہے؟

جواب: ایک خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

سوال: آپ اللہ کے رسول ہیں یا اللہ کے رسول تھے؟

جواب: آپ اللہ کے رسول ہیں۔

سوال: جب آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ ہر جگہ ہوئے یا نہ — ورنہ یہ کہنا بہتر ہے کہ آپ اللہ کے رسول تھے؟

جواب: آپ کی رسالت بے شک ہر جگہ کے لیے ہے اور اسی لیے ہم نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں — لیکن آپ خود ایک ہی جگہ پر ہیں۔ رسالت کے ہر جگہ ہونے سے رسول کا ہر جگہ ہونا لازم نہیں آتا۔

لیجئے ہمارے ملک (پاکستان) کا — پورے ملک کا ایک صدر ہے۔ اس کی صدارت تو بے شک پورے ملک کے لیے ہے۔ لیکن خود تو وہ ایک جگہ ہو گا۔ ورنہ لوگ اسے ملنے ایوانِ صدر کیوں جاتے؟

سوال: اچھا آپ بتائیں کہ حضور پیغمبر اسلامؐ کیا اس وقت دنیا میں ہر جگہ موجود نہیں؟

سوال بر سوال: اچھا تم بتاؤ تمہارا عقیدہ کیا ہے؟

جواب طالب علم: بے شک حضور ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

سوال بر جواب: جب تم حضورؐ کا لفظ بول رہے ہو اور کہتے ہو کہ حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو تم حضورؐ سے کیا مراد لیتے ہو — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف روح مبارک یا روح و جسد کا مجموعہ یا صرف جسدِ اطہر تم کس چیز کو ہر وقت ہر جگہ حاضر کہتے ہو — روح کو یا مجموعی ذاتِ اقدس کو؟

جواب طالب علم: یہ تو مجھے میرے بھیجنے والوں نے نہیں بتایا کہ آپ صرف روح

مبارک سے حاضر و ناظر ہیں یا جسدِ پاک سے.

سوال : جب تم یہ جملہ خود بولتے ہو کہ حضورؐ ہر جگہ پہ حاضر و ناظر ہیں تو تم اندازے سے بتاؤ کہ تمہارا بریلویوں کا عقیدہ کیا ہو گا. صرف روح سے حاضر و ناظر ہونا یا کہ مجموعی طور پہ ؟

جواب طالب علم : میرا خیال ہے کہ حضورؐ اپنے جسد اطہر کے ساتھ ہر جگہ حاضر نہیں ہیں. صرف آپ کی روح مبارک ہر جگہ ہے.

سوال : تو پھر آپ پورے حاضر و ناظر تو نہ ہوئے آدھے حاضر و ناظر ہوتے ــــ صرف روح سے ــــ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو ؟

جواب طالب علم : مجھے اجازت دیں میں اپنے علماء سے اپنا عقیدہ پوچھ کر آتا ہوں ؟

سوال : اگر تمہیں اپنا عقیدہ اب تک معلوم نہیں اور تم اس بات کو بارہا دہرا چکے ہو کہ حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو ایسا کہتے کچھ تو تمہارا عقیدہ ہوتا ہو گا ؟

طالب علم : میں نے کبھی نہیں سوچا. ہمارے علماء بھی کہتے ہیں حاضر و ناظر اور ہم بھی کہتے ہیں حاضر و ناظر ــــ لیکن نہ وہ یہ بات کھولتے ہیں نہ ہم کبھی ان سے پوچھتے ہیں ــــ لیکن اب میں پوچھ کر آتا ہوں مجھے اجازت دیں.

(دونوں طالب علم چلے جاتے ہیں اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد آتے ہیں ــــ وہ طالب علم کہنے لگا ہمارے علماء نے ہمیں منع کیا ہے کہ ان باتوں میں نہ پڑو. ان باتوں کی تفصیل بتانے سے ایمان جاتا رہے گا. یہ کبھی نہ سوچو کہ آپ صرف روح سے حاضر و ناظر ہیں یا روح اور جسد دونوں سے ــــ کیا ہم نے پہلے سے آپ لوگوں کو نہیں بتا رکھا کہ ان لوگوں کے پاس نہ جاؤ ــــ دیکھو کس طرح انہوں نے تمہیں الجھاؤ میں ڈال دیا ہے ــــ طالب علموں نے کہا اب ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے. ہم وعدہ کر کے آئے ہیں کوئی مختصر سا جواب بتا دو ــــ انہوں نے

ایک جواب بتایا اور وہ طالب علم آگئے)

طالب علم: ہاں تو وہ آپ کا سوال کیا تھا؟

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا صرف روحِ اقدس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا روح اقدس اور جسدِ اطہر کے مجموعہ کے ساتھ حاضر و ناظر ہیں۔ اس میں تمہارے علماء کا عقیدہ کیا ہے؟

جواب: ہمارے علماء نے کہا ہے تم اس میں نہ پڑو صرف حاضر و ناظر کہو اور اس کی بحث میں نہ جاؤ۔

سوال: جب تم ایک عقیدہ رکھتے ہو تو اس عقیدے کا کچھ نہ کچھ مفہوم تو آپ کے ذہن میں ہونا چاہیئے۔ بغیر سمجھنے کے یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: جس طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس طرح حاضر و ناظر ہے اسی طرح سرکار کی بات ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن آپ ہیں حاضر و ناظر۔

جواب الجواب: عزیز محترم! یہ شرک کی ابتداء ہے۔ جب تمہیں مخلوق کی بحث کرتے ہوئے خالق کی مثال لانی پڑے اور کوئی جواب تم سے بن نہ پڑے تو سمجھو شرک کا آغاز ہو گیا خدا بے مثل ذات ہے نہ اس کی کوئی مثال ہے نہ اس کی ذات اور کنہ کا کسی کو ادراک ہے بخلاف انبیاء کے ــــ وہ سب ذاتاً انسان ہیں ان کے اجسام تھے ــــ ان کے اجسام لوگوں نے دیکھے ــــ انہیں آتے جاتے دیکھا ــــ ان کے نکاح ہوتے دیکھے ــــ ان کی اولاد دیکھی ــــ وہ غیر مدرک بالکنہ کبھی نہیں قرار دیئے گئے ــــ ان کے لیے خدا کی مثال لانا یہی تو وہ غلطی ہے جس میں بریلوی علماء پڑے ہوئے ہیں ــــ یاد رکھو شرک کا گناہ کبھی نہ بخشا جائے گا۔ جب تم سوال و جواب میں معذور ہو جاؤ اور خدا کی مثال لانے پر آجاؤ تو سمجھو کہ تم الحاد کی دہلیز پر آکھڑے ہوئے ہو ــــ حضورؐ کو حاضر و ناظر ماننے کے لیے اب جو تم خدا کی مثال دے رہے ہو کیا یہ شرک نہیں ہے؟

طالب علم: مجھے سمجھ آگئی ہے بس حضورؐ کو حاضر و ناظر ماننے کے لیے خدا کی مثال نہیں دیتا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف روح مبارک سے حاضر و ناظر ہیں جسم کے ساتھ

نہیں جسم آپ کا صرف قبر مبارک میں ہے۔

دوسرا طالب علم : (پہلے کو مخاطب کرتے ہوئے) نہ ایسا نہ کہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ آپ آدھے حاضر و ناظر ہیں۔ انسان روح و بدن کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب آپ صرف روح سے حاضر و ناظر ہوئے تو آپ پورے حاضر و ناظر نہ ہوئے

ہمارا سوال : اچھا آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف روح اقدس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو کب سے حاضر و ناظر ہیں ؟ وفات کے بعد سے ؟ یا وفات سے پہلے بھی آپ کی روح مبارک بدن مبارک سے جدا دنیا میں ہر جگہ پھیلی تھی ؟ بے شک تمہارے پاس علم نہیں ـــ اور تمہارے علماء بھی تمہیں بتاتے نہیں ـــ لیکن یہ تمہارا ایک عقیدہ ہے تو اس کا کچھ خاکہ تو تمہارے ذہن میں ہونا چاہیئے۔

طالب علم : میرا خیال ہے آپ وفات کے بعد ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ وفات سے پہلے آپ کی روح مقدسہ آپ کے بدن میں تھی۔

سوال : اچھا آپ اگر اپنی وفات کے بعد ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا شروع ہوئے تو یہ عقیدہ تمہیں بتایا کس نے ؟ آپ کی وفات کے بعد ہونے والی بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی ؟ دین تو وہی ہے جو آپ نے اپنی حیات طیبہ دنیویہ میں بیان کیا اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتری اور دین مکمل ہونے کا اعلان ہوگیا۔ اب یہ وفات کے بعد آپ نے کیا عقیدہ ترتیب دے لیا اور تمہیں یہ عقیدہ بتا کون گیا ؟

طالب علم : یہ عقیدہ ہمارے بریلوی علماء نے بتایا ہے۔

جواب : علماء کا کام مسئلہ بتانا ہوتا ہے مسئلہ بنانا نہیں ہوتا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد جو یہ مسئلہ بنا کہ حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی یہاں کی زندگی میں ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے ؟

طالب علم: ہاں اس سے تو پتہ چلا کہ یہ عقیدہ ہی بالکل بے بنیاد ہے جس میں ہمیں ہمارے مولویوں نے ڈال رکھا ہے

دوسرا طالب علم: نہیں اس طرح بات نہیں. حضورؐ کی روح مبارک زندگی میں صرف بدن میں نہ تھی بدن سے باہر بھی ہر جگہ پھیلی تھی اور آپ اس وقت بھی حاضر و ناظر تھے.

سوال: اگر آپ کی روح اقدس دنیا میں ہر جگہ پھیلی تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ دنیا میں اور کوئی چیز موجود نہ ہو. کیونکہ جو چیز بھی ہو گی وہ کوئی جگہ لے گی جگہ گھیرے گی تو ایک جگہ دو چیزیں بیک وقت کیسے موجود ہو سکتی ہیں. اگر آپ عالم ارواح میں بھی ہر جگہ موجود تھے تو کیا عالم ارواح میں اور ارواح نہیں تھیں؟ اگر تھیں تو کچھ سوچو. ایک جگہ میں بیک وقت دو روحیں کیسے ہو سکتی ہیں. ایک چیز کوئی جگہ گھیرے تو دوسری چیز تو وہاں موجود نہیں ہوتی.

طالب علم ۲: خدا بھی تو ہر جگہ موجود ہے تو کیا اس سے تمام مخلوقات کی نفی ہو گئی؟

طالب علم ۱: نہ نہ — خدا کی مثال نہ دو. وہ تو بے مثل ذات ہے. اس کی مثال دو تو واقعی شرک ہو جائے گا.

سوال: اچھا اگر آپ کی روح اقدس شروع سے ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو یہ بتائیں کہ حضرت مریم کی والدہ اپنی بیٹی مریم کو بیت المقدس میں رہنے کے لیے چھوڑنے آئیں اور وہاں کے رہنے والے بچی کی پرورش کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کر رہے تھے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں حاضر و ناظر تھے یا نہ؟

طالب علم ۲: کیوں نہیں؟ جب آپ شروع کائنات سے روح مبارک کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوئے تو وہاں حاضر و ناظر کیوں نہ ہوں گے.

اس پر ہم نے کہا. لاؤ قرآن کریم میں دیکھیں اس وقت آپ اس موقع پر وہاں موجود تھے یا نہ؟ — قرآن کریم کھولا گیا:

وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون. (پ۳ آل عمران آیت ۴۴)

ترجمہ۔ اور آپ اس وقت ان کے سامنے نہ تھے جب وہ اپنے قلم تیرنے کے لیے ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کو اپنی کفالت میں لے اور آپ وہاں نہ تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

طالب علم ۲: ہو سکتا ہے یہ آیت منسوخ ہو چکی ہو۔ قرآن کی بعض آیتیں ناسخ و منسوخ بھی تو ہیں۔

جواب: نسخ احکام میں ہوتا ہے واقعات اور اخبار میں نہیں۔ حکم دیا جائے کہ یہ کام کرو اور بعد میں کہا جائے کہ اب نہ کرو تو اس میں کوئی تعارض نہیں۔ لیکن خبروں میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے کہ کبھی کہا جائے کہ آپ وہاں نہ تھے اور پھر کہا جائے کہ آپ وہاں تھے۔

طالب ۱: تو پھر یہ آیت متشابہات میں سے ہو گی۔ کیا قرآن میں بعض آیتیں متشابہات میں سے نہیں ہیں؟

جواب: یہ آیت واقعات میں سے ہے متشابہات میں سے نہیں اسے امر واقع کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ واقعات میں متشابہات نہیں ہوتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ یوسف کے نازل ہونے سے پہلے کیا حضرت یوسف کے اس سارے واقعہ کا کہ کس طرح آپ کو آپ کے بھائیوں نے کنویں میں گرایا علم تھا؟ اگر آپ اس وقت بھی ہر آن حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھے تو کیا آپ ان کے احوال سے بے خبر رہ سکتے ہیں؟

طالب علم ۲: نہیں؟ آپ یقیناً یہ سب واقعات دیکھ رہے تھے۔

جواب: اچھا اب آیئے قرآن کریم میں دیکھیں۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھٰذا القرآن وان

كنت من قبله لمن الغافلين۔ (پ ۱۲ یوسف آیت ۳)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

طالب علم: میں تو مطمئن ہو گیا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع سے ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں چلے آ رہے۔ لیکن وفات کے بعد آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گئے ہوں تو اسے ماننے میں کیا حرج ہے؟

جواب: اس پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ وفات کے بعد حاضر و ناظر ہوئے تو زندگی میں تو آپ ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے — اب یہ وفات کے بعد کا عقیدہ آپ کو کن بتا گیا ہے؟ (اس پر دونوں طالب علم خاموش ہو گئے اور جانے سے پہلے انہوں نے یہ سوال کیا)۔

سوال: صحابہ کرامؓ حضورؐ کی زندگی میں آپ کو ہر جگہ حاضر اور موجود سمجھتے تھے یا وہیں آپ کو حاضر سمجھتے جہاں آپ موجود ہوتے تھے؟

جواب: جہاں حضورؐ موجود ہوتے وہاں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر سمجھتے اور جہاں آپ سامنے نہ ہوتے تو وہ (صحابہ کرامؓ) آپ کو حاضر اور موجود نہ سمجھتے تھے۔

سوال: اس پر کوئی حوالہ آپ دکھا سکتے ہیں؟ کسی حنفیوں کی کتاب سے دکھائیں۔ وہابیوں کی کوئی کتاب نہ ہو؟

(اتفاق سے ہمارے پاس حافظ ابو بکر احمد بن علی الجصاص رازیؒ (د ۳۷۰ھ) کی کتاب احکام القرآن کی دوسری جلد موجود تھی۔ ہم نے ان طلبہ کو مع ان علماء کے جو ہمارے ساتھ تھے اس کے ص ۲۱۲، ص ۲۱۳ سے یہ حوالہ دکھایا:-

عن عقبة بن عامر قال جاء خصمان الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

فقال اقض بينهما يا عقبة۔

ترجمہ: عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاکؐ کے پاس دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے۔ آپؐ نے فرمایا اے عقبہ ان دونوں میں فیصلہ کردو۔

یہ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا امر فرمایا ہے: اس صحابی نے تعجب سے کہا کیا آپ کے سامنے میں فیصلہ کروں یعنی یہ میرے لائق نہیں کہ آپ کی موجودگی میں اس کا فیصلہ میں کروں۔ میں کس طرح اس کی ہمت کر سکتا ہوں اس کے لیے عقبہ بن عامرؓ نے جو الفاظ کہے وہ یہ ہیں:۔

يا رسول الله اقضي بينهما وانت حاضر[1]

اس سے پتہ چلا کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھتے تھے۔ جب حضورؐ سامنے ہوں تو وہ سمجھتے تھے کہ حضورؐ یہاں حاضر ہیں۔ جب سامنے نہ ہوں تو وہ آپ کو وہاں سے غائب (غیر حاضر) جانتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا اور انہیں عدالتی فیصلوں کی تربیت دی۔ حضورؐ نے خود مدینہ ہونا تھا اور انہوں نے یمن میں آپ کی عدم موجودگی (حاضر و ناظر نہ ہونے) میں فیصلے کرنے تھے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کے ذمہ آپ کے سامنے یہ فیصلہ کرنے کا کام لگا۔

فقہاء نے اس سے دو طرح کے اجتہاد کا استدلال کیا ہے:۔

(۱) حضورؐ کی عدم موجودگی میں فیصلے کرنا۔

(۲) آپؐ کی موجودگی (آپ کے سامنے) فیصلہ کرنا۔

---

[1] رواہ الجصاص الرازی فی احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۱۳ قال حدثنا عبد الباقی بن قانع قال حدثنا اسلم بن سہل قال حدثنا محمد بن خالد بن عبد اللہ قال حدثنا ابی عن حفص بن سلیمان عن کثیر بن شنظیر عن ابی العالیۃ عن عبد اللہ بن عامر۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا آپؐ کے ہر وقت ہر جگہ موجود رہنے (حاضر و ناظر ہونے) کا عقیدہ نہ تھا۔ امام جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:۔

فاما الحالان اللتان کان یجوز فیهما الاجتهاد فی حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فی حال غیبتهم عن حضرته کما امر النبی معاذا حین بعثه الی الیمن ..... والحال الاخری ان یامره النبی بالاجتهاد بحضرته[1]۔

ترجمہ: یہ جو دو حالتیں ہیں جن میں حضورؐ کے اس دنیا میں ہوتے ہوئے اجتہاد جائز ہے ان میں (۱) ایک حالت وہ ہے جب حضورؐ وہاں موجود نہ ہوں جیسا کہ نبی پاکؐ نے معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور (۲) دوسری حالت یہ ہے کہ حضورؐ وہاں حاضر ہوں اور دوسرا اجتہاد کرے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کا آپ سے اس طرح عرض کرنا اقضی بینهما وانت حاضر بتاتا ہے کہ حضورؐ کبھی صحابہؓ کے سامنے ہوتے تھے اور کبھی ان سے غائب ہوتے تھے اور صحابہؓ اس وقت آپ کو غائب میں سمجھتے تھے حاضر و ناظر نہ سمجھتے تھے جب آپ پاس ہوتے تو ان میں سے کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہ رکھتا جب صحابہؓ آپ سے دور ہوتے تو وہ آپ سے غائب رہتے اور آپ ان سے غائب ہوتے کیا ہر جگہ حاضر ہونے والا بھی کسی سے غائب ہو سکتا ہے۔

وقد مات من الصحابة خلق کثیر وهم غائبون عنه[2]۔

خدا کا شکر ہے کہ طالب علموں کو مسئلہ سمجھ میں آگیا اور انہوں نے اس بریلوی عقیدے کو اچھی طرح سمجھ لیا اور انہوں نے کہا ہمارے مولوی پراپیگنڈے میں اسی وقت تک چل سکتے ہیں کہ عوام اس مسئلہ کو سمجھتے نہیں اور ہمارے علماء جان کر ان کو سمجھاتے نہیں بس ایک بھیڑ کی بھیڑ ہے جو عقیدہ حاضر و ناظر کے نعرے لگا رہی ہے اور اس کا مطلب نہ یہ نعرے لگانے والے سمجھتے ہیں نہ لگوانے والے ۔۔ ضعف الطالب والمطلوب۔ وما قدروا الله حق قدره۔

---

[1] ایضاً ص ۲۱۳ [2] عینی شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۱۱۹

طلبہ چلے گئے اور اپنے پیچھے تنقیح مسئلہ کی یہ اچھی تفصیل چھوڑ گئے۔ افادہ عوام کے لیے ہم نے اس پرانی یاد کو اس بحث میں شامل کر لیا ہے۔ اس تنقیح سے اس مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

بریلوی علماء کا عقیدہ بھی ہر جگہ حاضر و ناظر بالوجود الموجود کا نہیں

مولانا احمد سعید کاظمی (ملتان) کہا کرتے تھے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجسدہ العنصری ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں مانتے۔ آپ حاضر و ناظر بالعلم ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ذرے ذرے کا آپ کو علم ہے اور آپ اس کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

یہ اپنی جگہ سے ہر چیز کا مشاہدہ فرمانا اور خود ہر جگہ نہ ہونا اسے کوئی ناظر تو کہا جا سکتا ہے حاضر نہیں۔ اگر آپ خود ہر جگہ موجود نہ ہوں صرف ذرے ذرے کو دیکھ رہے ہیں اسے حاضر و ناظر نہیں کہہ سکتے صرف ناظر کہیں تو یہ اور بات ہے۔

ان کے ایک پیر صاحب نے اس موضوع پہ ایک رسالہ تنویر الخواطر لکھا ہے اس میں انہوں نے اپنے اس موقف پر اپنے خیال میں بہت سے دلائل دیئے ہیں ایک دلیل آپ بھی سُن لیں۔ موصوف لکھتے ہیں:-

قرآن مجید میں ابلیس لعین کے بارے میں ہے۔

انہ یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم۔ (پ۸ الاعراف ۲۷)

ترجمہ۔ بے شک ابلیس اور اس کا قبیلہ اس طرح سے تمہیں دیکھتا ہے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

یعنی ابلیس اپنے مقام سے ہی تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے اور اسی طرح سیدنا عزرائیل علیہ السلام کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے

کہ تمام روئے زمین ان کے سامنے ایک طشتری کی طرح ہے وہ اپنے مقام سے ہی سب انسانوں اور حیوانوں کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ سو یہ بات عقلاً بھی بعید نہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام سے ہی سب کا مشاہدہ فرماتے ہوں [1]

دیکھئے بریلوی اپنے اس غلط عقیدے میں کس قدر پریشان اور سراسیمہ ہیں کہ انہیں حضورؐ کے ہر جگہ ناظر ہونے کا عقیدہ وضع کرتے ہوئے شیطان کی مثال پیش کرنے میں بھی کوئی حجاب نہیں ہوا۔ جب عقل ماری جاتی ہے تو گستاخ ابلیس اور پیغمبر میں بھی فرق نہیں کر پاتے۔

اس وقت ہم آپ کے ہر جگہ ناظر ہونے پر بحث نہیں کر رہے۔ آپ کے ہر جگہ حاضر ہونے یا نہ ہونے پر گفتگو ہو رہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ بریلوی علماء خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر اور موجود نہیں مانتے۔ تبھی تو یہ ناظر ہونے کی تاویل اختیار کر رہے ہیں ناظر ہونا عیسائیوں کی ایک اصطلاح تھی جسے اب بریلویوں نے اپنا رکھا ہے۔ عیسائی لوگ کا ترجمہ غیب دان کرتے تھے۔ جب دیہاتی عورتیں کسی تلاش میں کسی نبی کے پاس آتیں تو آپس میں کہتیں چلو غیب دان کے پاس چلیں [2] نبی کا ترجمہ غیب دان کرنا اُن دنوں ان کا کام تھا اور ان دنوں بریلویوں کا یہ محبوب مشغلہ ہے۔

بریلویوں نے حاضر و ناظر کی بات حاضر سے ختم کر کے استدلال کا سارا بوجھ اب ناظر پہ ڈال دیا ہے اور ناظر کا معنی یہ کیا ہے کہ آپ اپنی جگہ پہ رہتے ہوئے کل کائنات کو دیکھ رہے ہیں۔ بریلوی بڑی مشکل سے اس مقام پہ پہنچے ہیں۔

مگر افسوس کہ صاحب تنویر الخواطر نے انہیں اس عقیدہ پہ بھی نہ رہنے دیا۔ مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور جھوٹے کسی ایک بات پہ نہیں جمتے ___ موصوف علماء دیوبند

---

[1] تنویر الخواطر ص ۱۱۵ [2] سموئیل باب ۹ ورس ۹-۱۰

پر برستے ہوئے لکھتے ہیں :۔

لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ بہتان تراش مارا کہ بریلوی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت عالم ماکان ومایکون مانتے ہیں. حاشا للہ اہلسنت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے[1]

جب ہر وقت عالم ماکان ومایکون نہیں تو ظاہر ہے کہ ہر وقت اور ہر آن ماکان وما یکون کے ناظر بھی نہ ہوں گے اور اسے حاضر ناظر بالعلم ہونے کا عقیدہ بھی جاتا رہا.

مخالف لشکروں سے تصادم تو دنیا دیکھتی ہی آئی ہے لیکن اپنے آپ سے تصادم اور اپنی مذہبی خودکشی کا یہ منظر شاید اب تک اس سے زیادہ کسی نے نہ دیکھا ہو.

آنحضرتؐ کا اپنے لیے لفظ غائب کا استعمال

آنحضرتؐ کی باندی ماریہ قبطیہؓ کے چچازاد بھائی حضرت مابورؓ تھے مصری رواج کے مطابق ان کا اپنی بہن کے ہاں آنا جانا رہتا. منافقین نے اسے کچھ اور رنگ دے دیا. آنحضرتؐ کا بھی یہی خیال ہوا. یہاں تک کہ آپؐ نے مابور کے قتل کا حکم دے دیا. حضرت علیؓ نے آپ کو آکر بتایا کہ مابور مرد نہیں اور انہوں نے اسے قتل نہ کیا. اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

الشاہد یریٰ مالا یری الغائب.[2]

ترجمہ. جاکر دیکھنے والا وہ چیز دیکھ لیتا ہے جسے غائب نہیں دیکھ رہا ہوتا.

اس حدیث میں آپ نے اپنے لیے غائب کا لفظ استعمال کیا ہے اور حضرت علیؓ کے لیے شاہد کا. جو وہاں گئے تھے اور صورت حال دیکھ آئے تھے.

فکف علیٌ عنہ ثم اتی النبیؐ فقال یا رسول اللہ انہ لمجبوب.[3]

---

[1] تنویر الخواطر ص۲۱ [2] مسند امام احمد ص اسنادہ رجال ثقات البدایہ جلد۵ ص۳۰ [3] صحیح مسلم جلد۲ ص۳۶۸

ترجمہ۔ پس حضرت علیؓ اس سے رک گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ وہ تو مرد نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہوتے تو اپنے ذات کے لیے کبھی غائب کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ حضرت علیؓ مجتہد تھے اور مجتہد کی نظر علت پر ہوتی ہے وہ علت پر نظر کر کے اگر کبھی خلافِ نص کرے تو اسے نص کا مخالف نہ جاننا چاہیئے اور جو کچھ ہوا حضورؐ کی زندگی میں ہوا اور آپ نے بھی حضرت علیؓ کو اس خلافِ نص اجتہاد پر کچھ توبیخ نہ فرمائی۔

سلف صالحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غائب کا لفظ بولنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے۔ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ فوت ہوئیں تو حضورؐ اس وقت مدینہ میں نہ تھے۔ آپ واپس آئے تو آپ نے اس کی قبر پہ پھر سے نماز پڑھی ملا علی قاریؒ اسے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

ولولی الاعادۃ او کانت من خواصہ ولقول سعید بن المسیب ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا ...... وقد مضی لذلک شہر [1]

ترجمہ۔ ولی کو جنازہ دوبارہ پڑھنے کا حق حاصل ہے یا آپ کو یہ خصوصی حق حاصل تھا اور حضرت سعید بن المسیبؒ کی روایت بھی ہے کہ جب ام سعدؓ کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے غائب تھے جب آپ آئے تو اس کی قبر پہ آئے اور اس پہ پھر نماز پڑھی اور اس پہ ایک ماہ گزر چکا تھا۔

---

[1] رواہ البیہقی وقال ہو مرسل صحیح وقد روی موصولاً عن ابن عباس والمشہور ہو المرسل وہو مقبول عندنا کمانی شرح النقایہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ طبع دیوبند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھاتے تو دُعا میں کہتے :۔

اللّٰھم اغفر لحیّنا ومیّتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا وانثانا۔

ترجمہ۔ اے اللہ تو بخش دے ہمارے زندوں کو اور ہمارے مُردوں کو اور ان کو جو ہمارے پاس ہیں اور ان کو جو ہم سے غائب ہیں۔

اگر کچھ لوگ آپ سے غائب ہوتے تھے جن کے لیے آپ دعا کر رہے ہوتے تھے تو آپ بھی تو ان سے غائب ہوتے ہوں گے اگر وہ لوگ آپ سے غائب تسلیم کر لیے جائیں تو آپ کو بھی تو ان سے غائب تسلیم کرنا پڑھے گا۔ پھر کہاں گیا بریلویوں کا حضوؐر کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ۔ آنحضرتؐ نے خطبہ عرفات میں بھی فرمایا تھا :۔

فلیبلغ الشاھد الغائب۔[1]

ترجمہ۔ جو یہاں ہمارے پاس حاضر ہے وہ ہماری یہ باتیں ان تک پہنچا دے جو ہم سے غائب ہیں

آنحضرتؐ اپنے سے قریب و بعید کے فاصلوں کا برابر لحاظ رکھتے تھے نماز پڑھاتے بھی یہ صُورت قائم کرتے کہ بڑی عمر کے اور سنجیدہ لوگ آپ کے قریب کھڑے ہوں۔

اگر آپ کا حضُور و شہود ہر جگہ برابر اور یکساں ہوتا تو آپ شاہد و غائب کے اس فرق کو کبھی اپنے ہاں جگہ نہ دیتے۔ بھلا حاضر و ناظر بھی کبھی اس طرح قریب و بعید کے فاصلوں کا لحاظ کرتا ہے۔

اس قسم کی روایات آپ کو متعدد ملیں گی بصورت مجموعی مضمون تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔

اب کوئی ملنگ یہ عقیدہ اختیار کرتا ہے کہ آنحضرتؐ بالوجود موجود ہوتے تھے تو اس کا جواب حساب کے دن اس کے ذمہ ہوگا۔ ہم اپنی بساط کے مطابق اس کی وضاحت کر چکے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۱۹

علمِ غیب
اس علم کا نام ہے جو کسی کا عطا کردہ نہ ہو
علمِ غیب کی کوئی قسم عطائی نہیں

مقدمہ

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امّا بعد،

غیب کے مقابلے میں لفظ شہود ہے۔ شہود کے معنی دکھائی دینا اور غیب کے معنی دکھائی نہ دینا — جو جہاں ہمیں دکھائی دے رہا ہے وہ عالم شہادت ہے اور جو دکھائی نہیں دے رہا وہ عالم غیب ہے۔ یہ دکھائی دینے اور دکھائی نہ دینے کی نسبتیں ہمارے لیے ہیں اللہ کے لیے نہیں۔ یؤمنون بالغیب اللہ سے ڈرنے والے بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں۔

اللہ عالم الغیب والشہادہ کس نسبت سے

جب ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ چیز جو بندوں سے غائب ہے اور جو بندوں کے سامنے ہے وہ اسے جانتا ہے۔ ہم جو یہ الفاظ بولتے ہیں تو بندوں کی نسبت سے بولتے ہیں۔ ورنہ وہ کون سی چیز ہے جو خدا کے سامنے نہیں۔ ہم اسے عالم الغیب اپنی نسبت سے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے غائب ہے وہ اسے بھی دیکھنے والا ہے اور شہادت تو ہے ہی۔

کشف میں غیب سے پردہ اُٹھتا ہے

غیب اور شہود میں ایک پردہ ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ پردہ اُٹھ جاتا ہے یہ کشف ہے۔ کشف سے عالم غیب پردے میں نہیں رہتا شہادت میں آجاتا ہے۔ کشف سے غیب کی بات جاننے والے کو اس کا علم نہیں دیا جاتا اس کا منظر دکھایا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ اسے جان لیتا ہے۔ یہ غیب جاننا پردے کے اُٹھنے کے واسطہ سے ہے علم دیئے

جانے کی راہ سے نہیں. اطلاع علی الغیب اور کشف عن الغیب میں جوہری فرق ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا.

عالمِ غیب کی کشفی جھلکیاں

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس ہوئے اور آپ نے اپنے راتوں رات بیت المقدس جانے کا واقعہ بیان کیا تو مشرکین آپ سے بیت المقدس کے خدوخال پوچھنے لگے اللہ رب العزت نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے کر دیا اس کا پردہ اٹھا دیا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے جاتے تھے اور بتاتے جاتے تھے. یہ آپ کی غیب پر اطلاع نہ تھی کشف عن الغیب تھا.

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اور آپ کا ارسال کردہ ایک لشکر بمقام موتہ کفّار سے لڑ رہا تھا. مسلمانوں کے سالار حضرت زیدؓ. حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ باری باری شہید ہو گئے اور اب کمان حضرت خالد بن ولیدؓ نے سنبھال لی.
آنحضرتؐ نے کشفی طور پر اس منظر کو دیکھا اور آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے. آپ کو اس غیبی واقعہ کی خبر نہ دی گئی تھی. درمیان کے پردے اُٹھا دیئے گئے تھے اور آپ نے بدوں اس کا علم دیئے جانے کے ــــ اس حال کو خود دیکھا.

(۳) دُنیا میں جنّت اور دوزخ کی ایک جھلک

حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا :-

لقد رأیت الاٰن منذ صلیت بکم الصلوٰة الجنة والنار ممثلتین فی قبلة هٰذا الجدار.[۱]

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۳

ترجمہ: میں نے ابھی جب تمہیں نماز پڑھائی جنت اور دوزخ کو اس دیوار کی سمت قبلہ میں پھیلے دیکھا ہے۔

انه صورة لي الجنة والنّار حتى رايتهما وراء الحائط۔[1]

ترجمہ: جنّت اور دوزخ میرے لیے متشکل ہوئیں یہاں تک کہ میں نے انہیں اس دیوار کے پیچھے پھیلے دیکھا۔

صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:-

رأيت فى مقامى هٰذا كل شيء وعدتم حتى لقد رأيتنى اريد ان أخذ قطفاً من الجنة حين رأيتمونى جعلت اقدّم۔[2]

ترجمہ: میں نے اپنے کھڑا ہونے کی اس جگہ ہر چیز دیکھی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس طرح دیکھا کہ میں نے جنّت کے پھلوں کے کسی خوشے کو پکڑنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تم نے مجھے کچھ آگے بڑھتے دیکھا۔

یہ اس عالمِ شہادت میں عالمِ غیب کی ایک جھلک ہے جو آپؐ نے بارا رتِ الٰہی دیکھی۔ جنت و دوزخ، ملائکہ اور عرش و کرسی عالمِ غیب کی چیزیں ہیں اس جہاں کی نہیں ـــــ دریائے علم کی مثالی صُورت ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ یہ عالمِ غیب کی چیزیں دریائے علم کے آئینہ میں منعکس ہوں اور عالمِ شہادت کے رہنے والے انہیں یہاں دیکھ پائیں۔

④ زمین پر آسمانی باتوں کا سُنا جانا

صرف زمین کے نہیں آپ کے لیے بعض دفعہ ملاء اعلیٰ کے پردے بھی اُٹھے اور آپ نے فرشتوں کو آپس میں باتیں کرتے پایا اور آپ نے وہ باتیں یہاں بیان کیں۔ یہ غالباً خواب

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۹۴۱، صہ ۱۰۵۰   [2] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۹۶

کا ایک واقعہ ہے۔

ملاء اعلیٰ میں فرشتے مذاکرہ میں تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ سے پوچھا فرشتے آپس میں کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ آنحضرتؐ نے عرض کی میں نہیں جانتا۔ اپنے سے علم غیب کی نفی کی۔ آپ کہتے ہیں اللہ رب العزت نے اپنے بے مثل ہاتھ کو میرے دو شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی اور پھر میں نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانا۔ اللہ رب العزت نے پھر پوچھا کیا تم جانتے ہو ملاء اعلیٰ کے رہنے والے کس بات میں آپس میں تکرار کر رہے ہیں؟ اب میں نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ وہ کفارات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کر رہے ہیں:۔

هل تدری فیم یختصم الملاء الاعلیٰ قال قلت لا قال فوضع یده بین کتفی حتی وجدت برد ما بین ثدی فعلمت ما بین السموات والارض قال یا محمد تدری فیم یختصم الملاء الاعلی قلت نعم فی الکفارات [۱]

ترجمہ: کیا آپ جانتے ہیں اوپر والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے نہیں آپ نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے مابین رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی اس سے میں نے جان لیا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا یہ اوپر والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں یہ ان امور میں باتیں کر رہے ہیں جن سے گناہ جھڑتے ہیں۔

یہ عالم غیب کی کشفی جھلک تھی جو آپ نے دیکھی اور آپؐ کے سامنے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

---

[۱] جامع ترمذی جلد ا ص ۱۵۶

عالمِ شہادت کی مخفی جہات

① کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص سامنے ہے اس کے دل کا فوٹو بھی لیا جارہا ہے مگر اس کے دل کی بات اس کے دل کے اندر ہی ہے۔ قرآن کریم (پ ۱۲ سورۃ ہود رکوع ۶) میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے۔ حضرت ابراہیمؑ کو وہ عالمِ خواب میں نہیں عالمِ شہادت میں دکھائی دیئے۔ مگر ان کا فرشتہ ہونا پھر بھی حضرت ابراہیمؑ سے مخفی رہا جب تک کہ انہوں نے خود نہ کہا۔

انا ارسلنا الی قوم لوط۔ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

② آگ نہ تھی ذاتِ باری کی ایک تجلی تھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے آگ سمجھا وہ ذاتِ باری کی ایک تجلی تھی آگ پتوں کو جُھلس کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن اس تجلی سے درخت کے پتوں پر تازگی اور بڑھتی تھی موسیٰ علیہ السلام اسے جان نہ سکے۔ جب تک کلام خود جلوہ پیرا نہ ہوا۔

③ جبریل ایک عام انسان کی ادامیں

حضرت مریمؑ کے پاس حضرت جبریلؑ ایک عام انسانی شکل میں آئے لیکن ان کا فرشتہ ہونا آپ پہ مخفی رہا۔ آپ اسے حیرت زدہ ہو کر دیکھتی ہیں

قالت انی اعوذ بالرحمٰن منکَ ان کنت تقیاً۔ (پ ۱۶ مریم آیت ۱۸)

ترجمہ۔ مریمؑ نے کہا میں تجھ سے خدا کی پناہ میں آتی ہوں اگر تجھے خدا کا خوف ہے۔

حضرت مریمؑ سے اُس کا فرشتہ ہونا مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اس نے پھر خود بتایا اس نے کہا:۔

قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلامًا زكيًا. (پ۱۶ مریم آیت ۱۹)

ترجمہ. انہوں نے کہا. میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹے (کی خبر) بخشوں.

④ حضرت جبریلؑ ایک عام بدوی کی ادامیں

حضرت جبریلؑ جب ایک عام بدوی کی ادامیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے. اور ایمان. اسلام. احسان اور قیامت کے بارے میں سوال کیئے تو انہیں کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ حضرت جبریل ہیں. آنحضرتؐ نے فرمایا.

والذی بعث محمدًا بالحق ھدًی وبشیرًا ماکنت اعلم بہ من رجل منکم وانہ لجبریل علیہ السلام نزل فی صورۃ دحیہ الکلبی[1]

ترجمہ. قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ ہدایت اور بشارت بنا کر بھیجا میں تم میں سے اسے کسی دوسرے سے زیادہ جاننے والا نہ تھا یہ بے شک حضرت جبریل تھے جو دحیہ کلبی کی صورت میں اترے تھے.

حضرت مریمؑ سے فرشتہ ہونا مخفی رہا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو چیز ہم سامنے دیکھ رہے ہیں وہ اگر چند جہات سے ہمارے سامنے ہے تو اس کی لاتعداد جہات ایسی بھی ہوں گی جو ہم سے مخفی ہوں گی. مرئی چیز کا کوئی پہلو پردے میں نہ رہے یہ صرف علم محیط کی شان ہے اور علم محیط خاصہ باری تعالیٰ ہے.

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صد ۲۲۶ کتاب الایمان والشرائع

غیب وہ ہے جو بندوں سے غائب ہو

ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ غیب کا لفظ جہاں بھی استعمال ہو وہ بندوں کی نسبت سے ہوتا ہے ــــ ورنہ وہ کون سی چیز ہے جو خدا سے غائب ہو ــــ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادہ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ وہ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو بندوں کے سامنے ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو بندوں سے غائب ہو. غیب و شہود بندوں کی نسبت سے ہیں. اللہ رب العزت سے کوئی چیز غائب نہیں. اس کے اس نسبت کے اطلاق پر ہمارے پاس صدیوں کی شہادت موجود ہے.

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ غیب وہ ہے جو بندوں سے غائب ہو.

عن اناس من اصحاب النبیؐ اما الغیب فما غیب عن العباد ــ من امر الجنة وامر النار.[۱]

ترجمہ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ سے مروی ہے کہ غیب وہ ہے جو بندوں سے غائب ہو ــــ یہ جنت اور دوزخ کے امور ہیں.

حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں :۔

(عالم الغیب) ماغاب عن العباد ویقال ما یکون (والشھادۃ) ماعلمه العباد ویقال ماکان.[۲]

ترجمہ. غیب اسے کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہو اور یہ اس پر بولا جاتا ہے جو چیز ابھی ہونیوالی ہو اور شہادت (سامنے ہونا) اسے کہتے ہیں جسے بندوں نے جان لیا ہو اور اس پر بولا جاتا ہے جو چیز ہو چکی ہو.

(۲) مفسر کبیر حافظ ابن جریر (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں :۔

عالم ما غاب عن ابصار خلقه فلم یروہ.[۳]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صا۴ [۲] تنویر المقیاس جلد ۲ ص۱۹۲ [۳] تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ ص۹۱

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جاننے والا ہے جو اس کی مخلوق کی آنکھوں سے غائب ہے اور وہ اسے دیکھ نہ پائے۔

(۳) آیئے اب اگلی صدی میں چلیں۔ ابو منصور عبدالمالک بن محمد الثعالبی (۴۲۹ھ) لکھتے ہیں:۔

کل ما غاب عن العیون وکان محصلاً فی القلوب فھو غیب۔[1]

ترجمہ۔ ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو اور دلوں میں اس کی حقیقت کا اقرار ہو وہ غیب ہے۔

(۴) علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:۔

استعمل فی کل غیب عن الحاسر ۔ ۔ ۔ ۔ یقال للشئ غیب وغائب باعتبارہ الناس لا باللہ تعالیٰ فانہ لا یغیب عنہ شیء۔[2]

ترجمہ۔ غیب کا لفظ ہر اس چیز کے لیے آتا ہے جو حواس سے غائب ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی چیز کو غیب یا غائب بندوں کی نسبت سے کہا جاتا ہے خدا کی نسبت سے نہیں کیوں کہ اس سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے۔

چھٹی صدی کے جلیل القدر مفسر امام فخر الدین الرازی (۶۰۶ھ) کی شہادت بھی لیجیے:۔

قول الجمہور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائباً عن الحاسۃ ثم ھذا ینقسم الیٰ ما علیہ دلیل والیٰ ما لا دلیل علیہ۔[3]

ترجمہ۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ غیب، وہ ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو پھر یہ دو قسموں پہ ہے۔ ۱۔ جس پر ظاہری دلیل دی جا سکے اور وہ ۲۔ جس پر دلیل قائم نہ ہو۔

آیئے اب ساتویں صدی میں چلیں۔ علامہ ابو الفتح ناصر المطرزی (۶۱۶ھ) لکھتے ہیں:۔

الغیب ما غاب عن العیون وان کان محصلاً فی القلوب۔[4]

ترجمہ۔ غیب وہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہو گو اس کی حقیقت کا اقرار دل میں موجود ہو۔

---

[1] فقہ اللغۃ صہ ۱ [2] المفردات صہ [3] تفسیر کبیر جلد ۱ صہ [4] المغرب جلد ۲ صہ ۸۳

مشہور مفسر قاضی بیضاوی (۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

والمراد به الخفی الذے لایدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل وهو قسمان قسم لادلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالیٰ وعنده مفاتح الغیب لایعلمها الاهو وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الاٰخر واحواله وهو المراد به فی الاٰیة۔[1]

ترجمہ غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جسے نہ حواس پا سکیں اور نہ بداہت عقل اسے ثابت کرتی ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو کسی طرف سے معلوم نہ ہو پائے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (کہ غیب کے خزانے اسی کے پاس ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) میں وہی مراد ہے اور دوسری قسم وہ ہے۔ جس پر دلائل قائم ہیں جیسے پیدا کرنے والے کو اور اس کی صفتوں کو جاننا اور قیامت اور اس کے احوال پر اطلاع پالینا۔۔۔ اس آیت (یومنون بالغیب) میں مراد یہ غائب ہے۔

کسی اللہ کے بندے پر کچھ غیب کھل جائیں اور کچھ باقی رہیں جنہیں اس کی حس نہ پا سکے تو بھی اس کے لیے غیب کا دائرہ باقی رہا اور اس کی عبدیت بھی قائم رہی ۔۔۔ ماغاب عن العباد کا ضابطہ اپنی جگہ قائم رہا۔ قاضی بیضاوی ایک دوسرے مقام پر نبی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ویجوز ان یطلع علی بعض الغائبات من غیر سابقة تعلیم وتعلم۔[2]

ترجمہ۔ اور جائز ہے کہ نبی بغیر کسی پہلی تعلیم کے اور سیکھنے کے بعض غیبی باتوں پر اطلاع پا جائے۔

علامہ نسفی (۶۸۶ھ) اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب والشہادہ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں:۔

(عالم الغیب) مایغیب عن الناس (والشهادة) مایشاهدونه[3]

---

[1] تفسیر بیضاوی [2] مطالع الانظار شرح طوالع الانوار صفحہ ۴۰۸ [3] مدارک جلد ۲ صفحہ ۱۹۴

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

وللہ غیب السمٰوات والارض ای یختص بہ علم ما غاب فیہما عن العباد وخفی علیہم علمہ۔[1]

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کا غیب ـــ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بندوں سے غائب ہے اور ان سے پردے میں ہے اس کا علم اللہ ہی سے مختص ہے۔

اور بندوں کو جو کچھ دلائل و شواہد سے پتہ چلے وہ ظن سے آگے کی چیز نہیں اور اس کا نام غیب نہیں رکھا جا سکتا۔

وما یدرک بالدلیل لا یکون غیباً علیٰ انہ مجرد الظن والظن غیر العلم۔[2]

آیئے اب آٹھویں صدی میں چلیں۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :۔

اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنۃ والنار وما ذکر فی القرآن۔[3]

ترجمہ۔ غیب اسے کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہو جیسے جنت اور دوزخ کے معاملات اور وہ باتیں جو (اس جہان کی) قرآن میں ذکر کی گئی ہیں۔

ان امور کو ہم یہاں نہ اپنے حواس سے پا سکتے ہیں نہ اپنی عقل سے ان کا ادراک کر سکتے ہیں۔

وقال عطاء وابن ابی رباح من اٰمن باللہ فقد اٰمن بالغیب۔[4]

علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں :۔

وبالجملہ العلم بالغیب امر تفرد بہ اللہ تعالیٰ لا سبیل الیہ للعباد الا باعلام منہ او الہام بطریق المعجزۃ او الکرامۃ او ارشاد الی الاستدلال بالامارات فیما یکن فیہ ذٰلک۔[5]

ترجمہ۔ حاصل اینکہ علم غیب ایسی چیز ہے جو اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے

---

[1] مدارک جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ [2] تفسیر مدارک جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۱ [4] ایضاً [5] شرح عقائد صفحہ ۱۲۲

بندوں کے لیے اس تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں مگر یہ کہ وہی اس میں سے کچھ بتادے۔ یہ بتانا معجزہ یا کرامت کی راہ سے ہو گا یا اس پر جہاں تک ہوسکے علامات سے استدلال کیا جاسکے۔

اب نویں صدی میں چلیں۔ امام لغت علامہ مجدالدین فیروزآبادی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں:-

الغیب کل ما غاب عنك۔[1]

ترجمہ۔ غیب ہر وہ چیز ہے جو تجھ سے غائب ہو۔

اب اگلی صدی میں چلیے۔ حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

فاذا کان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام لا یعلمون فغیر جائز ان یصح دعویٰ غیرھم من کاھن او منجم العلم وانما یعلم الانبیاء من الغیب ما اعلموا به بوجه من الوحی۔[2]

ترجمہ۔ پس جب انبیاء کرام بھی غیب نہیں جانتے تو دوسروں کا دعویٰ علم غیب وہ کاہن ہوں یا نجومی کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور انبیاء بھی غیب کی وہی بات جانتے ہیں جو انہیں وحی کے ذریعہ اس کا کوئی انداز کیوں نہ ہو بتائی جائے

دسویں صدی کے جلیل القدر مفسر خطیب شربینی (۹۷۷ھ) سے بھی اسکی شہادت لیجئے:-

و لله لا لغیرہ غیب السموات والارض وھو ما غاب عن العباد بان لم یکن محسوسا و لم یدل علیه محسوس۔[3]

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اور کسی کے پاس نہیں اور غیب سے مراد وہ ہے جو بندوں سے غائب ہو وہ کسی طرح حواس میں نہ آئے اور نہ اس پر کوئی محسوس چیز دلالت کرے (جیسے دھواں آگ پر دلالت کرے تو آگ غیب نہ رہے گی)۔

---

[1] القاموس جلد ۱ صفحہ ۱۱۲ [2] عینی علی البخاری جلد ۱۱ صفحہ ۴۱ [3] السراج المنیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۰

شارح بخاری علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ای انہ تعالیٰ یعلم ما غاب عن العباد من الثواب والعقاب والاٰجال والاحوال۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو چیز بندوں سے غائب ہو۔ اعمال کے ثواب و عقاب اور اوقات و احوال کہ ایسا ہونا کب ہوگا اور اس کے حالات کیا ہوں گے

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) علیہ رحمۃ ربہ الباری۔

ما اظھرہ اللہ علیٰ بعض احبائہ لوحۃ علمہ وخرج ذٰلک عن الغیب المطلق وصار غیبًا اضافیًا۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ دوستوں پر اپنے لوحِ علم سے کچھ ظاہر فرما دے یہ بات غیب مطلق سے نکل جاتی ہے اب یہ غیب اضافی ہے۔

غیب اضافی میں بتلانے والے کا نام ساتھ چلے گا یہ نہیں کہ اس کے بغیر کہا جا سکے کہ خدا کا یہ دوست غیب جانتا ہے۔ اس کی بجائے یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو یہ غیب کی بات بتلائی ہے:

اسلام کی دس صدیوں تک غیب کا یہی معنی سمجھا گیا کہ غیب وہ چیز ہے جو بندوں سے غائب ہو۔ اس میں کسی اور معنی کی گنجائش نہیں دیکھی گئی لیکن گیارہویں صدی میں شیخ عبدالکبیر یمنی نے اسے غیب کے معنی میں لیا اس پہ امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) سخت برہم ہوئے۔ آپ نے فرمایا:۔

فی الحقیقت تکذیب است مرحق را۔ غیب را معنی دیگر گفتن از شناعت بر نمے آرد کبرت کلمۃ تخرج عن افواھھم۔[3]

ترجمہ۔ یہ حقیقت میں اللہ رب العزت کو جھٹلانا ہے غیب کے کچھ اور معنی کرنا قائل کو برائی سے نہ بچا سکے گا۔ یہ بہت بڑی جسارت کی بات ہے جو ان لوگوں

---

[1] ارشاد الساری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۵ [2] مرقات جلد ۱ صفحہ ۶۲ [3] مکتوبات مکتوب نمبر ۱۰۰

کے منہ سے نکل رہی ہے۔

آیئے اب آپ کو بارہویں صدی میں لے چلیں۔ علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی (۱۱۲۲ھ) کہتے ہیں کہ غیب وہی ہے جو بندوں سے غائب ہو

ماغاب عن العباد۔[۱]

علامہ اسماعیل حقی (۱۱۳۳ھ) بھی یؤمنون بالغیب کے تحت لکھتے ہیں:۔

وھو ما غاب عن الحس والعقل[۲] غیب وہ ہے جو حِس اور عقل میں نہ آئے۔

تیرہویں صدی میں بھی آپ غیب کا یہی ایک معنی سُنیں گے۔ شارح قاموس علامہ مرتضیٰ الزبیدی (۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد تکرر فی الحدیث ذکر الغیب وھو کل ما غاب عن العیون سواء کان محصلاً فی القلوب او غیر محصل۔[۳]

ترجمہ۔ حدیث میں غیب کا ذکر بار بار آیا ہے وہ پردہ کی چیز ہے جو آنکھوں سے غائب ہو دلوں میں اس کا اقرار ہو یا نہ ہو۔

تیرہویں صدی کے جلیل القدر مفسر و فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

الغیب یعنی ما غاب عن مشاعرھم ولم یقم علیہ دلیل عقلی۔[۴]

ترجمہ۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو انسانوں کے حواس سے غائب ہو اور اس پر کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو سکے۔

اس صدی کے دوسرے جلیل القدر امام علامہ سید محمد آلوسی (۱۲۷۰ھ) بھی کہتے ہیں غیب وہی ہے جسے مخلوقات میں سے کوئی نہ جانے۔

بالجملہ علم الغیب بلا واسطہ کلاً او بعضاً مخصوص باللہ جل وعلا

---

[۱] زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ [۲] تفسیر روح البیان جلد ۱ صفحہ [۳] تاج العروس جلد ۱ صفحہ ۴۱۶ [۴] تفسیر مظہری جلد ۷ صفحہ ۱۲۶

لا یعلمہ احد من الخلق اصلاً۔ [۱]

ترجمہ۔ خلاصہ یہ کہ بلا واسطہ کسی غیب کی چیز کو جاننا کل ہو یا بعض یہ صرف اللہ جل وعلا کے ساتھ مخصوص ہے اسے مخلوقات میں سے کوئی نہیں جانتا۔

اب چودھویں صدی میں چلیں شیخ صابونی (ھ) لکھتے ہیں:۔

الغیب ماغاب الحواس وکل شیء مستور فھو غیب کالجنۃ والنار والحشر والنشر قال الراغب الغیب مالا یقع تحت الحواس۔ [۲]

ترجمہ۔ غیب ہے حواس انسانی کی گرفت میں نہ ہو ہر چھپی چیز غیب ہے جیسے جنت اور دوزخ۔ حشر ونشر کے حالات علامہ راغب نے کہا ہے غیب وہ چیز ہے جو حواس میں نہ آئے۔

اسلام میں غیب کے اُصولی تقاضے

جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب والشہادہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم عالم غیب اور عالم شہادۃ پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ نے وحی والہام سے اپنے بندوں کو خبر دی ہے وہ عالم غیب ہے۔ ہم اس جہاں میں رہتے ہوئے مکلف ہیں کہ اُس عالم غیب پہ ایمان لائیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے خبر دی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام میں غیب کی بہت اہمیت ہے اور اسے مانے بغیر کوئی شخص ایمان کا دعوے دار نہیں ہو سکتا۔ عالمِ شہادت کو ماننا مشاہدہ ہے اور عالم غیب کو ماننا ایمان۔

ایمان اور غیب کا آپس میں ربط اور تعلق

آپ سامنے کسی چیز کو دیکھیں اسے ایمان نہیں کہتے یہ مشاہدہ ہے اسے مانیں۔ جو چیز

---

[۱] روح المعانی جلد ۲۰ صہ ۱۲ [۲] صفوۃ التفاسیر جلد ۱ صہ ۳۱

بندوں سے غائب ہے یہ ایمان ہے ـــ اسے کیوں مانیں؟ اسے اس لیے مانیں کہ ان امُور کی پیغمبروں نے ہمیں خبر دی ہے اور ان کو اللہ رب العزت نے وحی و الہام سے اس جہاں پر اطلاع بخشی ہے. سو ایمان تبھی قائم ہو گا کہ کچھ حقیقتیں نظروں سے غائب رہیں اور ہم انہیں بن دیکھے محض پیغمبروں کی تصدیق سے تسلیم کریں. قرآن کریم میں اسے ایمان کا اصل الاصول قرار دیا گیا ہے.

ذٰلك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب.

(پ البقرہ آیت ۳)

ترجمہ. وہ (بلند مرتبہ) کتاب. کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں. ہدایت ہے ڈر والوں کے لیے جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں.

کیا پیغمبر ایمان سے سرفراز ہوتے ہیں؟

یہ صحیح ہے کہ پیغمبروں پر وحی آتی ہے اور انہیں بہت سی غیبی حقیقتوں پر مطلع کیا جاتا ہے اور وہ انہیں بنا بر اطلاع خداوندی بن دیکھے مانتے ہیں. ایمان بالغیب کی آسمانی خلعت ان پر اُترتی ہے اور انہیں اپنے بارے میں خدا کے بندے ہونے کا یقین ہوتا ہے ـــ اور ماغاب عن العباد کو وہ اطلاعِ خداوندی سے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں. یہ ان حضرات (انبیاء کرام) کا ایمان ہے اور یہ بن دیکھے ایمان ہے.

اس بیان کی رُو سے رسالت، عبدیت عباد سے بعض امُور کا حسًّا غائب ہونا اور ان کا ان پر ایمان لانا، یہ سب حقیقتیں آپس میں متقارب اور مرتب ہیں. پیغمبر اگر بندے نہ ہوں اور کچھ امور اُن سے غائب نہ ہوں تو وہ ایمان بالغیب کیسے پا سکیں اور ان پر ان کا ایمان لانا کیسے ہو سکے گا. اور وہ بنی آدم کو اپنی نبوت و رسالت کی کیسے دعوت دے سکیں گے؟ ـــ جب ایمان بن دیکھے ان حقیقتوں کو ماننا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائیں تو اگر انبیاء ان کو بن دیکھے ماننے والا نہ سمجھا جائے اور انہیں ہر جگہ برابر حاضر و ناظر مانا جائے تو کیا یہ ان سے ایمان کی نفی نہ ہو گی. ایمان تو

ہے ہی بن دیکھے ماننے کا نام ـــــ اور اگر ان سے کوئی چیز بھی غائب نہ ہو تو کیا یہ ان کی عبدیت کی نفی نہ ہوگی؟ وہ ماغاب عن العباد کو ماننے والے کیسے قرار دیئے جاسکیں گے؟ ـــــ سو علم غیب اور حاضر و ناظر یہ وہ دو عقیدے ہیں جن سے بالآخر ان کی نبوت و رسالت اور پھر ان کے ایمان ہی کا انکار لازم آجائے گا. جسے تسلیم کرنے والا کوئی شخص خود مسلمان نہ رہ سکے گا. حالانکہ انبیاء کرام کو مومن ماننا ہر حال میں ضروری ہے.

بریلویوں کی ایک غلط تاویل

اس بوجھ سے نکلنے کے لیے بعض بریلوی یہ کہتے ہیں کہ بن دیکھے ایمان لانا یہ امت کی صفت ہے. پیغمبر سب کچھ دیکھ کر ایمان لاتے ہیں ـــــ ہم کہتے ہیں دیکھ کر ایمان لانا کوئی شے نہیں. ایمان میں جس عالم غیب کو مانا جاتا ہے یہ وہی عالم غیب ہے جسے پوری امت نے چودہ سو سال ماغاب عن العباد قرار دیا ہے اور اسی کو ایمان سے متعلق کیا ہے ـــــ یومنون بالغیب میں اسی کا بیان ہے. دیکھ کر ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ تو مشاہدہ ہے. ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا. اولم تؤمن؟ کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا ـــــ ایمان کے بدلے دیکھنے کی طلب کیا؟ حضرت ابراہیم نے عرض کیا ایمان تو ہے ہی محض طمانیت قلبی چاہتا ہوں ـــــ اس واقعہ میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ ایمان ہوتا ہی وہ ہے جو بن دیکھے ہو ـــــ آگے تمام طمانیت ہے.

انبیاء کو مومن ماننا ضروری ہے کے اعتقادی تقاضے

سو انبیاء کرام اگر ہر چیز کو دیکھتے ہوں یا وہ بندے نہ ہوں ـــــ یا کوئی چیز اُن سے غائب نہ ہو تو کسی طرح ان کا ایمان قائم نہ ہو سکے گا ـــــ بریلویوں کا یہ دعویٰ کہ انبیاء کے لیے

ایمان لانے کا لفظ کہیں نہیں ملتا اور ملے بھی تو ان کا ایمان لانا اور طرح کا ہوگا اور امت کا اور طرح کا ـــــ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ایمان حقیقت میں دونوں (پیغمبر اور اُن کی امت) جمع ہوں یہ ہرگز صحیح نہیں ـــــ ہم بن دیکھے ایمان لانے پر سورۃ البقرہ کی پہلی آیات پیش کر چکے ہیں اب سورۃ البقرہ کی آخری آیات بھی دیکھ لیں. کیا ان میں آنحضرتؐ کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے؟ اور کیا قرآن کریم نے آپ کو اور آپ کی امت ایک ایمان میں جمع نہیں فرمایا؟ یاقوم الیس منکم رجل رشید.

اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کلٌّ اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ. (پ البقرہ آیت ۲۸۵)

ترجمہ. یہ رسول ایمان لائے ہر اس پر جو اُن کی طرف اُن کے رب کی طرف سے اُتاری گئی اور تمام مومن بھی (ایمان لائے) ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننا مجبور کرتا ہے کہ ہم ان کے ایمان کے بھی قائل ہوں اور انہیں مومن مانیں اور ان کے ایمان کے قائل ہم تبھی ہو سکتے ہیں کہ مانیں آپ بعض آفاقی حقیقتیں بن دیکھے محض وحی سے ملنے ہوئے تھے اور جو امور بندوں سے غائب ہیں. (ماغاب عن العباد) ان پر آپ کا بھی ایمان تھا ـــــ اور آپ جس طرح اللہ کے رسول ہیں اس طرح اللہ کے بندے بھی ہیں ـــــ یہ نہیں کہ آپ کو عبدہ ورسولہ کہتے کسی کی پشت میں تیر پیوست ہونے لگے. مولانا احمد رضا خاں نے یہ کیا کہہ دیا. اس پر ہمیں افسوس ہے:.

اشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ عبدہٗ پہلے ہے رسولہٗ بعد کو کہ عبدہٗ کے درجے سے نہ بڑھا دینا...... میں سچ کہتا ہوں کہ اس سے مجھے سخت ناگواری ہوتی ہے گویا تیر سینے سے پیٹھ کو نکل گیا.[1]

---

[1] ملفوظات حصہ ۴ صـ ۳۷، صـ ۳۷۷

علم غیب اور علم محیط صرف اللہ کی شان ہے

جس طرح علم غیب بطور کلیہ کے کہ جب چاہے کسی غیب کی بات کو معلوم کرلے کسی کو حاصل نہیں، اسی طرح علم محیط بھی کسی کو نہیں دیا گیا. علم غیب کے مبادی سب اللہ کے قبضے میں ہیں. اس لیے اس نے غیب جاننے کی کنجیاں کسی کے ہاتھ میں نہیں دیں. مخلوقات میں سے کسی نے غیب کی باتوں پر اطلاع پائی تو وہ اطلاعات جزئیات کے درجے میں ہوں گی. علم غیب بطور کلیہ خاصہ باری تعالیٰ ہے. مولانا احمد رضا خاں بھی اس باب میں ہمارے ساتھ ہیں :-

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف نے کر دی ہے۔[1]

آنحضرتؐ کی غیبی اطلاعات سب جزئیات ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے غیبی امور کی خبر دی ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غیبی اطلاعات گو کروڑوں ہوں سب جزئیات ہوں گی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کو بطور کلیہ جاننے کا نہ کبھی دعوے فرمایا اور نہ اس وقت کے مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) نے کبھی اسے اپنے اعتقاد میں جگہ دی. بطور کلیہ آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ غیب کو جاننے والا صرف خدا ہے اور کوئی علم غیب نہیں رکھتا.

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ. وما یشعرون ایان یبعثون. (پ۲۰ النمل آیت ۶۵)

ترجمہ. آپ کہہ دیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کو نہیں جانتا مگر ایک خدا اور لوگ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے.

---

[1] ملفوظات حصہ ۳ صہ۳۶

ترجمہ: آپ کہہ دیں آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا مگر ایک اللہ اور بندے یہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

آنحضرتؐ کا اللہ کی عطا سے بہت سے غیبی اُمور کی اطلاع دینا اور گاہ گاہ دیتے رہنا اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔ کیونکہ یہ سب اطلاعات جزئیات شمار ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور کلیہ غیب جاننے کا کبھی دعوے نہیں کیا ہے اور آیت مذکورہ بالا ایک کلیہ بیان کر رہی ہے کہ زمین و آسمان کے غیوب کو جاننے والا صرف اللہ رب العزت ہے اور کوئی بطور کلیہ غیب نہیں جانتا۔ غیب کی جزئیات گو وہ کروڑوں اور اربوں ہوں سب غیب کے لواحق ہیں مبادی نہیں اور علم غیب انہیں مبدء سے جاننا ہے لواحق سے نہیں۔

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ان للغیب مبادی ولواحق فمباءیھا لا یطلع علیہ ملکٌ مقرب ولا نبی مرسل واما اللواحق فھو ما اظھرہ اللہ تعالیٰ لبعض احبابہ لوحۃ علمہ وخرج بذٰلکَ عن الغیب المطلق وصار غیبًا اضیافیًا وذٰلکَ اذا تنورت الروح القدسیّۃ وازداد نورانیتھا واشراقھا بالاعراض عن ظلمۃ عالم الحدث وبتجلیۃ القلب عن صداء الطبعۃ۔[1]

ترجمہ: غیب کا مبدء اور اس کے متعلقات علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں اس کے مبدء پر کوئی اطلاع نہیں رکھتا وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل ہو اور جو اس کے لواحق ہیں یہ وہ خبریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اپنے لوحِ علم سے دی ہیں۔ اب یہ غیب مطلق نہ رہا غیب اضافی ہو گیا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب روح قدسی چمکے اور اس کی نورانیت اور روشنی عالم حدوث کی تاریکیوں سے بچ کر بڑھنے لگے اور طبیعت کے زنگ سے دل روشنی پانے لگے

---

[1] مرقات جلد ا صفحہ ۵۴

آنحضرتؐ کا اپنا دعویٰ بطور کلیہ غیب جاننے کا نہ تھا

قرآن کریم میں آپ کا دعویٰ کہ میں غیب نہیں جانتا اس طرح مذکور ہے :۔

قل لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔

(پ ۹ الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اگر میں علم غیب رکھتا ہوتا تو ہر طرح کے فائدے اکٹھے کر پاتا اور کوئی (دنیوی) تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

یہاں یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ یہ ذاتی علم غیب کی نفی ہے کیونکہ اس غیب نہ جاننے پر جو نتیجہ مرتب فرمایا ہے وہ لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ہے اور یہ عطائی طور پر غیب جاننے کی بھی نفی کرتا ہے جو عطائی غیب رکھتا ہو۔ کیا وہ ہر نقصان وہ صورتِ حال سے نہیں بچ سکتا؟ کیا نقصان دہ صورتِ حال سے وہی بچتا ہے جو ذاتی طور پر اسے جانتا ہو؟

ذاتی اور عطائی میں ایک سا انجام

ایک مثال پر غور فرمائیں۔ کسی شخص کو ذاتی طور پر پتہ نہ تھا کہ راستے میں ڈاکو بیٹھے ہیں لیکن اسے بتادیا گیا کہ راستے میں ڈاکو بیٹھے ہوں گے۔ اب آپ ہی بتائیں کیا وہ اس پیش آمدہ خطرے سے بچنے کی کوشش نہ کرے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ مہالک سے بچنا صرف ذاتی علم پر موقوف نہیں مہالک کی اطلاع بھی ہو جائے تو انسان اس پیش آمدہ صورتِ حال سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ سو اس آیت میں مطلق علم غیب کی نفی ہے۔ جزئیات پر کبھی اللہ تعالیٰ اطلاع دیتا ہے۔ یہ آیت جس میں آپ نے بطور کلیہ اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے بطور جزئیات حاصل ہونے والی غیبی خبروں کے منافی نہیں۔

سائنسی اکتشافات سے غیب کے پردوں کا اٹھنا

آج سائنسی اکتشافات نے بہت سی ان حقیقتوں کو جو پہلے محض بناء پر ایمان مانی جاتی تھیں۔ عام انسانی ذہن کے قریب کر دیا ہے۔ پہلے آنحضرتؐ کا بجسدِ عنصری معراج پر جانا صرف بناء پر ایمان مانا جاتا تھا۔ آج دنیا عام انسانوں کا چاند پر جانا آنکھوں دیکھ چکی ہے۔ پہلے یاساریہ الی الجبل کی آواز محض بناء پر ایمان تسلیم کی گئی تھی۔ آج مشرق و مغرب کے لوگ ہزاروں لاسلکی پیغام لے اور دے رہے ہیں ـــــ ذرّے کی قوت کا راز جو آج کھلا ہے کل کسے معلوم تھا؟ یہ سب اسی کائنات کی باتیں ہیں۔ ملاء اعلیٰ اس سے وراء ہے ـــــ تاہم ان اکتشافات نے اتنا ضرور کیا ہے کہ اب عام انسانوں کی نظروں میں ان سے بہت سے پردے اٹھ گئے ہیں اور وہ حقائق جو پہلے محض بناء بر قدرت خداوندی تسلیم کیے جاتے تھے۔

اب ان کی ایک جھلک ان سائنسی اکتشاف میں دیکھ جا رہی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ سائنس کی گستاخ فکر ان اکتشافات کے پیچھے خدا کا پتہ نہیں دیتی اور انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھوں پر خدا کے قدرت کے ہزاروں نمونے خدا کو دکھا چکے ہیں یہ معجزات ہیں اسلام میں معجزات فعل خداوندی تسلیم کیے جاتے ہیں اور انہیں انبیاء کی صداقت کی سند سمجھتا ہے۔ یہ افعال ان کی تخلیق نہیں ہوتی نہ یہ ان کی قدرت سمجھے جاتے ہیں ؎

وہ فکرِ گستاخ جس نے عُریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

یومنون بالغیب کی شان اسی وقت تک ہے جب تک عالم غیب موجود ہو گو اس پر ہزاروں دبیز پردے پڑے ہوں۔ جوں جوں یہ پردے اٹھتے جائیں گے غائبات کا دائرہ مختصر ہو جائے گا اور جب بہت ہی مختصر رہ جائے گا یہ دنیا قائم رہنے کے لائق نہ رہے گی۔

غائبات کا دائرہ دن بدن تنگ ہو رہا ہے

جب غیب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شہود کے مقابلہ کی چیز ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا شہود اپنا اپنا ہے۔ اس نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی اپنا اپنا ہوگا۔ ہر ایک کے سامنے ایسی حقیقتیں ہوتی ہیں جو دوسروں سے پردے میں ہوتی ہیں۔ کوئی چیز کسی کا غیب ہے تو وہ دوسرے کا شہود ہے۔ اب جوں جوں علم روشن ہو رہا ہے اور سائنسی تحقیق سے غیب کے پردے اُٹھتے جا رہے ہیں غائبات کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ جس شخص کا دائرہ علم جس قدر وسیع ہوگا اسی نسبت سے اس کا دائرہ غیب چھوٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے۔ کہ اس کے لیے کوئی چیز غیبت نہیں۔ اس لیے اس کا غیب و شہود ایک ہے اسے عالم الغیب والشہادہ صرف بندوں کی نسبت سے کہا جاتا ہے کہ جو چیز بندوں سے غائب ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ بندوں کے سامنے ہے وہ اسے بھی جاننے والا ہے خود اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔

انسانوں کے لیے جوں جوں علم کی وسعت زیادہ ہوگی اس کی غائبات کا دائرہ مختصر ہوتا جائے گا۔

کیا غیب کے پردے کُھلنے پر ایمان کا اعتبار ہو سکتا ہے

فرعون ڈوبنے لگا اور اگلا جہان اس کی آنکھوں کے سامنے کُھلا تو وہ کہہ اُٹھا میں اب خدا پر ایمان لاتا ہوں۔

حتّٰی اذا ادرکہ الغرق قال اٰمنت انہ لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین۔

(پ ۱۱ یونس آیت ۹۰ ع ۹)

ترجمہ: جب اسے ڈوبنے نے آلیا۔ بولا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر ایمان لائے بنو اسرائیل اور میں ہوں ماننے والوں میں سے۔

یاد رکھیے ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے:۔

فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راؤا بأسنا سنة الله التی قد خلت فی عباده وخسر هنالك الكافرون۔ (پ۲۴ المومن آیت ۸۵ ع ۹)

ترجمہ: تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آرہی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

قبضِ روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا ایمان غرغرہ یا ایمان بأس یا ایمان یاس کہلاتا ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نافع نہیں۔ شیخ عبدالوہاب الشعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں فتوحاتِ مکیہ سے عبارت نقل کی ہے جس میں ایمانِ فرعون کی بابت یہ ہی تصریح ہے۔۔۔۔۔ اخیر وقت میں فرعون سے لفظ آمنت کہلا کر حضرت موسیٰ کی دعا فلا یؤمنوا حتیٰ یروا لعذاب الالیم کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کرا دیا۔[1]

یؤمنون بالغیب کی صدا کب تک سنی جا سکتی ہے؟

جب تک بندوں کے لیے غیب کا کوئی پردہ باقی ہے وہ یومنون بالغیب کی دولت رکھتے ہیں لیکن جب کوئی پردہ باقی نہ رہے تو پھر ایمان بالغیب نہ رہ سکے گا۔ پیغمبروں کا دائرہ غیب اور انسانوں سے مختصر ہوتا ہے۔ ان کے سامنے ہزاروں وہ حقیقتیں کھلی ہوتی ہیں جو اور

---

[1] تفسیر عثمانی صـ ۲۸۳

انسانوں سے پردے میں ہوں. بایں ہمہ ان سے بھی کچھ امور ضرور مخفی ہوتے ہیں جن کے باعث ان کا ایمان بالغیب قائم رہتا ہے اور وہ اس دولت سے برابر مالامال ہوتے ہیں.

تفسیر ماجدی میں ہے :-

پیغمبر چونکہ تمام دوسرے انسانوں سے داناتر و عالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک و معرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے. اس لیے قدرت انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لیے تمام تر مجہول (نہ جانی ہوئی) ہوتی ہیں. لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے اور دائرہ غیب ان کا بھی شروع ہو جاتا ہے. غیب پر ایمان لانا تو آیت (یومنون بالغیب) میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے. اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں متقیوں کے سردار اور پیشوا ہوتے ہیں. ان کا ایمان بھی اگر مغیبات و مخفیات پر نہ ہوگا تو کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب انہیں کے ظرف اور مرتبہ و لبساط کے موافق ہوتا ہے. ما و شما کا سا غیب ان کا نہیں.

دین کا مغز کیے یا ایمان کی روح یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالم مادی سے ماوراء اس کائنات حسی سے اوپر کچھ ایک عالم ہے ضرور ـــــ اور جو اس عالم کے وجود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں اور سب سے بڑا غیب تو خود وجود باری ہے ـــــ سب سے بڑھ کر روشن و عیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی اور نہاں. بڑے سے بڑے عالم و عارف کے لیے بھی اسکے مرتبہ علم و معرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہو جاتے ہیں.

غیب کے پردے اُٹھنے کے پیچھے قیامت کے قدموں کی آہٹ

جُوں جُوں غیب کے پردے اُٹھ رہے ہیں اور کائنات کی فطرت عیاں ہو رہی ہے قیامت قریب سے قریب تر ہو رہی ہے. جب تک قیامت میں ایمان بالغیب کی صورتیں باقی ہیں یہ دُنیا باقی رہے گی. جب غیب کا پُورا پردہ اٹھنے والا ہو گا جوتی کا تسمہ بھی اس طرح باتیں کرے گا. جیسے آج کل ریڈیو بولتا ہے درخت بھی بولے گا کہ اس کے پیچھے یہودی چھپا ہے اور جب قیامت کا سائرن بج جائے گا تو رب سے بڑا غیب بھی جسے یہاں نہ آنکھیں دیکھ سکیں نہ ہمارے حواس اس تک پہنچ سکیں شہود میں ہو گا

ایمان کا تعلق غیب سے ہے سامنے کی چیز مشاہدہ میں ہوتی ہے جب تک غائب قائم ہے لوگ یومنون بالغیب کی صف میں آسکتے ہیں جب کوئی چیز پردہ میں نہ رہے گی تو ایمان بھی قائم نہ رہ سکے گا یہ وقت دنیا کی فنا کا ہو گا یہاں نبی اور صحابہؓ ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں. امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون. (پ۳ البقرہ ۲۸۵)

هل ینظرون الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام والملٰئکة وقضی الامر والی الله ترجع الامور (پ۲ البقرہ آیت ۲۱۰ ع ۲۵)

ترجمہ. کیا وہ اس کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور پھر طے ہو جائے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں سب کام.

یہ تب ہو گا جب دنیا کی عمر پُوری ہو جائے گی اور طے ہو جائے گا سارا قصہ ———— پہلے افراد ہی مرتے رہے ہیں لیکن وہ وقت بھی آئے گا جب دُنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی.

عمر کی سعیٔ مسلسل کارگر ہوتی گئی — زندگی لحظہ بہ لحظہ مختصر ہوتی گئی
سانس کے پردے پہ یوں بجتا رہا سازِ حیات — موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

ایمان کی شان اسی وقت تک ہے جب تک غیب کے پردے باقی رہیں

جب ایمان کی حقیقت ایمان بالغیب ہے تو ایمان اور غیب ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ٹھہرے۔ جب غیب کا کوئی جہان نہ رہے گا ایمان کا کوئی موضوع بھی باقی نہ رہے گا۔ سو ایمان کی شان اسی وقت تک ہے جب تک غیب کے کچھ پردے موجود ہوں۔ جنت میں اللہ کی حمد و ثنا تو باقی ہوگی لیکن ایمان کی نہ دعوت ہوگی نہ اجابت —— اقرار توحید و رسالت بطور ایمان نہیں مومنین کی لذتِ طبعی کا سامان ہوگا۔

غیب کی خبریں علم غیب نہیں ہیں

کسی کے غیب کی بات بتلانے سے غیب کا پردہ نہیں اُٹھ جاتا۔ صرف اس کی خبر ملتی ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ پردہ اٹھنے پر انکار نہیں ہو سکتا اور خبر سچی بھی ملے تو کئی لوگ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے کیونکہ حقیقت ان پر کھلی نہیں ہوتی۔ انہیں صرف اس کی خبر ملی ہوتی ہے ہمیں کتاب و سنت سے لوح و قلم کی خبر ملی ہے۔ ہمارے لیے لوح و قلم سے پردہ نہیں اٹھا —— غیب کی چیز خود جاننا یہ علم غیب ہے اور کسی کے بتانے پر جاننا یہ خبر غیب ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت خاتم النبیین کو جو غیب کی باتیں بتلائیں وہ سب غیب کی خبریں رہیں علم غیب نہیں اور حضورؐ نے صحابہؓ کو جو غیب کی باتیں بتلائیں ان کے لیے بھی وہ غیب کی خبریں تھیں نہ کہ یہ علم غیب ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیه الیک وماکنت لدیهم اذ یلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم وماکنت لدیهم اذ یختصمون۔ (پ۳ آل عمران آیت ۴۴)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں اور تم اس وقت وہاں نہ تھے جب وہ اپنے قلموں سے قرعہ ڈال رہے تھے کہ مریم کس کی

پرورش میں رہے اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

مخلوق پر جب غیب کی کوئی بات کھلے تو کوئی صاحبِ علم اسے علم غیب نہ کہے گا اسے اس کے سبب کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ خدا کے بتلانے سے ایسا ہوا۔ علم غیب ذاتی علم کو کہتے ہیں۔ جو بات عالمِ بالا سے لوحِ قلب پر اُترے اسے علم غیب نہیں کہتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

الوجدان الصریح یحکم بان العبد عبدٌ وان ترقی وان الرب رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمۃ للوجوب ولا یعلم الغیب الا ان ینطبع شیء فی لوح صدرہ ولیس ذلک علماً بالغیب انما ذلک الذی یکون من ذاتہ والا فالانبیاء والاولیاء یعلمون لامحالۃ بعض ما یغیب عن العامۃ۔[1]

ترجمہ۔ وجدانِ صریح بتلاتا ہے کہ بندہ کتنی روحانی ترقی کیوں نہ کر جائے بندہ ہی رہتا ہے اور ربّ اپنے بندوں کے کتنا قریب کیوں نہ ہو جائے وہ ربّ ہی رہے گا۔ بندہ واجب الوجود کی صفات یا وجوب کی صفاتِ لازمہ سے کبھی متصف نہیں ہوتا۔ علم غیب وہ جانتا ہے جو از خود ہو (کسی دوسرے کے بتلانے سے نہ ہو) ورنہ انبیاء و اولیاء یقیناً ایسی بہت سی باتیں جانتے ہیں جو دوسرے عام لوگوں کی رسائی میں نہ ہو۔

پتہ چلا کہ غیب کی بات معلوم ہونے میں اگر کوئی اس کا بتلانے والا ہو تو اسے علم غیب نہ کہیں گے نہ علم غیب کی کوئی قسم ہے اسے خبر غیب کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک۔ (پ ۱۳ یوسف ع ۱۱)

ترجمہ۔ یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس۔

---

[1] تفہیماتِ الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۵

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی صرف خبر غیب ہے علم غیب نہیں تو اور کون ہے جو علم غیب کا دعوے کرے علم غیب صرف خدا کے لیے ہے جو ہر بات کو خود جانے۔

اس تفصیل سے علم غیب کے معنی معلوم ہو گئے کہ وہ اپنے طور پر غیب کی بات کو جانتا ہے جو کسی مخلوق کے لیے خواہ وہ پیغمبر ہو یا کوئی فرشتہ یا کوئی جن، علم غیب کا دعوے بالکل غلط ہو گا علم کا لفظ جب غیب کی طرف مضاف ہو تو یہ اسی علم کے لیے آتا ہے جو اپنا ہو کسی کا عطا کردہ نہ ہو حضرت علامہ ابن عابدین الشامیؒ لکھتے ہیں۔

ان علم الانبیاء والاولیاء انما هو باعلام من الله تعالیٰ لهم و علمنا بذلك انما هو باعلامهم لنا وهذا غير علم الله تعالیٰ الذی تفرد به وهو صفة من صفاته القديمة الازلية الدائمة الابدية المنزهة عن التغيير وسمات الحدوث والنقص المشاركة والانقسام بل هو علم واحد علم به جميع المعلومات كلياتها وجزئياتها ما كان منها وما يكون ليس بضروری ولا كسبی ولا حادث بخلاف علم سائر الخلق. اذا تقرر ذلك فعلم الله المذكور هو الذی يمدح به واخبر فی الآيتين المذكورتين بانه لا يشاركه فيه احد فلا يعلم الغيب الا هو وما سواه ان علموا جزئيات منه فهو باعلامه واطلاعه لهم وحينئذ لا يطلق انهم يعلمون الغيب اذ لا صفة لهم يقتدرون بها على الاستقلال بعلمه وايضا هم ما علموا وانما علموا۔[1]

ترجمہ۔ بیشک انبیاء اور اولیاء کا علم انہیں خدا تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے اور ہمیں جو علم ہوتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کے بتلانے سے ہوتا ہے اور یہ علم اُس

---

[1] مجموعہ رسائل ابن عابدین شامی جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ ان الله سبحانه تعالیٰ منفرد بالغيب المطلق المتعلق بجميع المعلومات وانما يطلع رسله على بعض غيبه المتعلقة بالرسالة اطلاعا جليا واضحا لا شك فيه بالوحی الصريح صفحہ ۳۱۴

علم خداوندی سے مختلف ہے جس کے ساتھ صرف ذاتِ باری تعالیٰ متصف ہے،
خدا تعالیٰ کا علم اس کی ان صفاتِ قدیمہ ازلیہ دائمہ و ابدیہ میں سے ایک صفت ہے
جو تغیر اور علاماتِ حدوث سے منزہ ہے اور کسی کی شرکت اور نقص انقسام سے
بھی پاک ہے وہ علم واحد ہے جس سے خدا تعالیٰ تمام معلومات کلیہ و جزئیہ
ماضیہ و مستقبلہ کو جانتا ہے نہ وہ بدیہی ہے نہ نظری اور نہ حادث، بخلاف تمام
مخلوق کے علم کے کہ وہ بدیہی و نظری اور حادث ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو
گئی تو خدا تعالیٰ کا علم مذکور جس کے ساتھ وہ لائق ستائش ہے اور جس کی مذکورہ
دو آیتوں میں خبر دی گئی ہے ایسا ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں سو
غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے علاوہ اگر بعض حضرات نے غیبی
باتیں جانیں تو وہ خدا تعالیٰ کے بتلانے اور اطلاع دینے سے جانیں۔

اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ علم غیب رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کی کوئی ایسی صفت نہیں
جس سے وہ مستقل طور پر کسی چیز کو جان لیا کریں اور بات بھی ہے کہ انہوں نے اسے خود نہیں جانا
بلکہ انہیں یہ باتیں بتلائی گئی ہیں۔

علامہ شامیؒ کے اس بیان کے بعد کسی اور بیان کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی فقہاء
کی بات آپ کے سامنے آ چکی۔ اب آیئے کتب عقائد میں بھی دیکھئے۔ شرح عقائد نسفی کی مشہور شرح
النبراس میں ہے:۔

والتحقیق ان الغیب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری و العلم الاستدلال
وقد نطق القرآن بنفی علمہ عمن سواہ تعالیٰ فمن ادعیٰ انہ یعلمہ کفر ومن
صدق المدعی کفر واما علم بحاستہ او ضرورۃ او دلیل فلیس بغیب ولا
کفر فی دعواہ ولا فی تصدیقہ علی الجزم فی الیقینی والظن فی الظنی عند
المحققین وبہذا التحقیق اندفع الاشکال فی الامور التی یزعم انہا من

الغیب ولیست منہ لکونہا مدرکۃ بالسمع او البصر او الدلیل فاحدھا اخبار الانبیاء لانہا مستفادۃ من الوحی ومن خلق العلم الضروری فیھم او من انکشاف الکوائن علی حواسھم۔[1]

ترجمہ۔ اور تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو ہمارے حواس اور علم بدیہی اور نظری سے غائب ہو۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے علم غیب کی نفی کی ہے پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے وہ کافر ہے اور جو ایسے شخص کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ٹھہرے گا ــــ باقی جو علم حواس خمسہ میں سے کسی راہ سے آئے یا بداہۃً حاصل ہو یا کسی دلیل سے ملے وہ علم غیب شمار نہ ہو گا نہ محققین کے نزدیک ایسے علم کا دعوے کفر ٹھہرے گا نہ ایسے دعویٰ کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ اس تحقیق سے ان اُمور سے متعلق اشکال رفع ہو گیا جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ علم غیب میں سے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ علم غیب میں سے نہیں۔ کیونکہ یہ سمع و بصر یا دلیل سے حاصل ہوئے۔ انہی امور میں سے اخبار انبیاء بھی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو خبریں وحی سے ملتی ہیں یا ان میں علم ضروری پیدا کر دیا جاتا ہے یا ان کے حواس پر حقائق کائنات منکشف ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے جو غیب کی خبریں ملتی ہیں وہ انہیں اللہ رب العزت سے ملی ہوتی ہیں ــــ اس میں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے پر ایک ہی دفعہ غیب کے جملہ دروازے کھول دے کہ آئندہ اسے غیب کی بات جاننے میں کسی اور ذریعہ علم کا احتیاج نہ رہے غیب جاننے کی ایسی استعداد اللہ تعالیٰ نے کسی میں پیدا نہیں کی نہ اپنے کسی مقرب کو اس کی چابی عطا کی ہے جب کسی کو ضرورت ہوئی اس نے بطور جزئی اللہ رب العزت سے اس کی خبر پالی۔

---

[1] النبراس علی شرح العقائد ص ۳۴۲ ۵

علم کا لفظ مطلق ہو تو اس سے ذاتی علم مراد ہوتا ہے

علم اور خبر کا فرق آپ جان چکے۔ علم کا لفظ جب مطلق ہو خصوصاً جب کہ وہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد غیب کی چیز کو از خود جاننا ہے اور یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ غیب کی باتوں کو از خود جانے — علم غیب ہے ہی وہ جو ذاتی ہو۔ عطائی علم غیب علم کی کوئی قسم نہیں انسان کو غیب کی کسی بات کا علم ملے تو اس کا نام خبر غیب ہو جائے گا علم غیب نہ رہے گا۔

علم کا لفظ غیب کی طرف مضاف ہو کر کبھی عطائی علم کے لیے نہیں آتا۔ اُسے اگر علم کہا جائے گا تو غیب کے لفظ کے بغیر یہ دونوں لفظ (علم اور غیب) اکٹھے ہو کر قرآن و حدیث میں کہیں عطائی علم کے لیے نہیں آئے اور جب انہیں کبھی غیب کی بات کہا گیا تو خبر غیب کے عنوان سے مخلوق کے کسی غیب کی بات جاننے کو لسانِ شریعت میں کہیں علم غیب نہیں کہا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں:۔

> علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف نے کردی ہے۔[1]

یہاں صریح طور پر حضور کو بتائی گئی غیب کی باتوں کو انباء الغیب (غیب کی خبریں) کہا ہے اسے علم غیب نہیں کہا۔ پھر لفظ وحی (نوحیه الیک) کی بھی تصریح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم وحی ہے نہ کہ علم غیب۔ مگر بریلویوں کا اصرار دیکھئے کہ اسے علم غیب ہی کہتے ہیں۔ ان کے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:۔

> اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے علوم عطا فرمائے۔[2]

مولانا احمد رضا خاں نے ترجمہ بے شک غیب کی خبریں کیا ہے۔ مگر اس میں آپ بھی ایک خفیہ چال چل گئے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

---

[1] ملفوظات حصہ سوم ص ۳۶ [2] حاشیہ کنز الایمان ص

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں[1]

کیا وحی کا لفظ یہاں نہ لایا جا سکتا تھا. خفیہ طور پر کے الفاظ اختیار کرنے میں خان صاحب کیا ابہام دینا چاہتے ہیں. یہی نا کہ یہ وحی نہ تھی اندر ہی اندر کا ایک معاملہ تھا.

پیش نظر رہے کہ یہاں اس آیت سے پہلے بھی اور بعد بھی فرشتوں کی آمد مذکور ہے ـــــ جو حضرت مریم سے باتیں کر رہے تھے ـــــ سو یہ وحی کا وہ انداز نہیں جسے خفیہ کارروائی کہا جا سکے. بریلویوں نے اس ترجمے میں جو خفیہ چال چلی ہے اس پر ہم سوائے افسوس اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

بریلویوں کی عطائی علم کو علم غیب کہنے کی ضد

بات میں ہرگز کوئی پیچیدگی نہیں. بریلویوں کی یہ صرف ضد ہے کہ وہ خبر غیب اور علم وحی پر علی الاطلاق علم غیب کا لفظ بولتے ہیں اور جب انہیں کہا جائے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے تو اپنے پاس سے علم غیب کی ایک قسم عطائی علم غیب گھڑ لیتے ہیں. حالانکہ یہ علم غیب کی کوئی قسم نہیں ـــــ بریلوی ایسا کیوں کرتے ہیں؟ صرف شرک کی راہ ہموار کرنے کے لیے.

اس حقیقت سے کوئی طالب علم انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو ہزاروں اور کروڑوں غیب کی خبریں دی ہیں. بایں ہمہ قرآن کریم میں مخلوق سے علم غیب کی نفی کا عنوان مطلق ہے اور غیب کی خبروں کا اس سے استثناء معنوی ہے. کہیں ایسا نہیں کہ مخلوق کے غیب جاننے کا عنوان مطلق ہو اور ذاتی طور پر نہ جاننے کی تقیید معنوی ہو.

سو چاہیئے کہ ہر مخلوق سے وہ بڑا ہو یا چھوٹا علم غیب کی نفی کا عنوان مطلق رہے اور جو جو باتیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلائیں ان اخبار غیبیہ کی تقیید معنوی رہے. شیخ سعدی نے اسی ادا کو اپنایا ہے.

---

[1] کنز الایمان

علم غیبی کس نمے داند بجز پروردگار ہر کسے گوید کہ مے دانم از باور مدار
مصطفےٰ ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبریل جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

ترجمہ۔ علم غیب اللہ پروردگار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو کہے کہ میں بھی جانتا ہوں تم اسے باور نہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی جو خبریں بتائیں وحی سے بتائیں اور حضرت جبریل بھی کچھ نہ کہتے رہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں نہ بتائے۔

لفظ علم غیب کی اس علمی تشریح کے بعد اب ہم عقیدہ علم غیب پر کچھ بحث کرتے ہیں۔ اولاً ہم اس پر کچھ مختصر تبصرہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے غیبی خبریں پانے والے مقربین بارگاہِ ایزدی خود اس باب میں کیا عقیدہ رکھتے تھے۔

عقیدہ علم غیب تاریخ انبیاء کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

عقائد تمام انبیاء کرام کے ہمیشہ ایک سے رہے ہیں. شرائع اور مسائل میں بے شک اختلاف ہوا. لیکن عقائد اور فضائل اخلاق سب کے ہمیشہ ایک سے رہے ہیں ـــــ دین ایک رہا مذاہب بدلتے رہے. یہ اس طرح سمجھو جس طرح یہ حضرات علاتی بھائی ہوں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں (شرائع) مختلف ـــــ دین کی مشروعیت سب میں ایک سی رہی ہے.

آیئے اب عقیدہ علم غیب کا تاریخ انبیاء کی روشنی میں کچھ مطالعہ کریں. واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق.

(۱) ـــــ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ہیں. اللہ تعالیٰ نے آپ پر علم آدم الاسماء کلہا کی عبا ڈالی اور فرشتے جو اپنے آپ کو عمل میں افضل سمجھتے تھے ان کے سامنے عاجز اور سربسجود ہوتے. اس عظیم خلعت پانے کے باوجود شیطان نے جب انہیں کہا.

ما نہٰکما ربکما عن ھٰذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین. وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین. فدلّٰھما بغرور.

(پ الاعراف آیت ۲۰ ع ۲)

ترجمہ. نہیں روکا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت کے قریب جانے سے مگر اس لیے کہ کہیں تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور انہیں شیطان نے قسم دی کہ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں. پھر اس نے آمادہ کر لیا ان دونوں کو دھوکہ سے.

کل اسمار کا علم جاننے کے باوجود حضرت آدم کو علم نہ ہو سکا کہ یہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے

آپ بطورِ کلیہ غیب جاننے والے ہوتے تو اس کی باتوں میں نہ آتے۔ علم محیط علم الہٰی کی شان ہے۔

(۲) ــــ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں طوفان کے وقت اپنے بیٹے کو کشتی میں لینا چاہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے استدعا کی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا۔ مجھ سے ایسی باتوں کا سوال نہ کر جن کا تمہیں علم نہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے اس سوال سے ناراض ہوں گے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کا علم ہر چیز کو محیط نہ تھا۔ غیب کی باتیں بس اتنی ہی جانتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ نے بتا دیں۔ ان سے زیادہ ذرہ بھر جاننا آپ کے بس میں نہ تھا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فلا تسئلن ما لیس لك به علم انی اعظك ان تكون من الجاهلین

قال رب انی اعوذبك ان اسئلك ما لیس لی به علم۔ (پ ۱۲ ہود آیت ۴۶)

ترجمہ۔ سو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں کہ تو عہدِ جاہلیت میں نہ رہے۔ نوح نے کہا۔ اے میرے رب! میں پناہ لیتا ہوں تیری کہ تجھ سے مانگوں جو مجھے معلوم نہ ہو۔

(۳) ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرتبہ نبوت و امامت سے کون واقف نہیں۔ قرآن کریم میں ہے آسمانوں اور زمین کے ملکوت آپ پر روشن تھے:۔

وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ (پ الانعام آیت ۷۵)

ترجمہ۔ اور ہم اسی طرح دکھاتے ہیں ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمین کے اور اس لیے کہ وہ ہو جائے عین الیقین والوں میں سے۔

ہاں جب فرشتے قوم لوط پر حکم عذاب لے کر جا رہے تھے اور رہ راہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے تو حضرت ابراہیم انہیں پہچان نہ سکے۔ آپ نے انہیں اوپرا جانا۔ اور دل میں سہمے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود اپنی حقیقت کھول دی۔

نکرھم واوجس منھم خیفۃ ۔ قالوا لا تخف انا ارسلنا الیٰ قوم لوط۔

(پ۱۲ ہود آیت ۷۰)

ترجمہ۔ ابراہیم نے انہیں نہ پہچانا اور ان سے جی میں سہمے رہے۔ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے ملکوت روشن کیے وہ بھی علم غیب نہیں رکھتا نہ اسے علم محیط حاصل ہے کہ جو چیز چاہے جان لے علم غیب اور علم محیط صرف علم الٰہی کی شان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے اس وقت انہیں ہرگز اس بات کا علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسمٰعیل کے بدل میں جنت سے دنبہ بھیج دیں گے اور ظاہر میں یہ واقعہ بس اتنا ہی پورا ہو گا جس قدر کہ خواب میں دیکھا تھا۔ خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ آپ بیٹے کو ذبح کر چکے ہیں۔ بس یہ دیکھا تھا کہ ذبح کر رہے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیم علم غیب رکھتے تھے تو پھر یہ واقعہ قربانی نہیں ڈرامہ قرار پاتا ہے۔ ڈرامہ وہ ہوتا ہے جس کے جملہ کردار پہلے سے جانتے ہوتے ہیں کہ بات کہاں ختم ہو گی۔

(۴) ـــــ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب سیر کو جانے لگے اور والد سے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لینے کو کہا تو والد نے کہا۔

انی لیحزننی ان تذھبوا بہ واخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون۔ (پ۱۲ یوسف آیت ۱۳)

ترجمہ مجھے یہ چیز غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ ـــــ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اسے بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے غافل رہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خدشہ کیوں نہ ہوا کہ اسے شیر نہ کھا جائے یا کوئی ڈاکو نہ پڑ جائے۔ انہوں نے عین وہی بات کہی جو بھائیوں نے بعد میں بنائی اور باپ کو آ کر کہی ـــــ معلوم

ہوتا ہے کہ آئندہ واقع ہونے والے عمل کی جھلک حضرت یعقوب کی لوحِ فراست پر اُتر رہی تھی.
اور اسی روحانی قوت سے آپ اس واقع ہونے والی گفتگو کو پہلے سے سُن رہے تھے ـــــ
اس عظیم روحانی قوت اور فراستِ صادقہ کے باوجود آپ یہ نہ جان سکے کہ واقع میں بیٹے اسی
طرح آکر کہیں گے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہ کہ یوسف واپسی پر اُن کے ساتھ نہ ہوگا ـــ
یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ آپ علم غیب نہ رکھتے تھے. ورنہ وہ اپنے لختِ جگر کو کبھی ان کے ساتھ
نہ بھیجتے ـــ پھر بیٹوں نے آکر جو کہا وہ بھی واقع کے مطابق نہ تھا. آپ کی فراستِ صادقہ نے یہ
تو کہہ دیا بل سوّلت لکم انفسکم امرا. مگر یہ پتہ پھر بھی چل نہ پایا کہ قریب کے فلاں کنوئیں میں
یوسف پڑا ہے اور آپ ہمت کرکے کسی بیٹے کو ساتھ لے جاکر اسے کنوئیں سے نکال لاتے.

یہ واقعہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام علم غیب نہ رکھتے تھے. ورنہ
سالہا سال فراقِ فرزند میں اپنی آنکھیں سفید نہ کر لیتے.

(۵) ـــ حضرت موسےٰ علیہ السلام اور تورات کا نام کس نے نہیں سُنا. آپ صاحبِ شریعت
جلیل القدر پیغمبر ہیں. آپ کا حضرت خضر علیہ السلام کے ہمسفر ہونے کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے ـــ
حاملِ تورات حضرت موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور جو اسرار حضرت خضر
پر کھلے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے ناواقف محوِ حیرت سراپا انتظار ہیں کہ کب ان اسرار سے
پردہ اُٹھتا ہے. حضرت خضرؑ نے انہیں پہلے سے کہہ دیا تھا.

قال انك لن تستطيع معى صبرا. وكيف تصبر على مالم تحط به خبرا. قال
ستجدنى ان شاء الله صابرًا ولا اعصى لك امرا. قال فان تبعتنى فلا
تسئلنى عن شئ حتى احدث لك منه ذكرا. (پ۱۵ الکہف آیت ۶۹)

ترجمہ. کہا اس نے آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیسے
صبر کریں گے جس کی خبر آپ کو نہ ہوگی. کہا موسےٰ علیہ السلام نے اللہ چاہے تو
آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ چلوں گا. اس نے

کہا اگر آپ میرے ساتھ چلے تو مجھے کسی بات کا نہ پوچھنا جب تک میں خود
تمہارے سامنے اس کا ذکر نہ کروں۔

اس میں صراحت ہے کہ اللہ کے نبی (موسیٰ) غیب نہ جانتے تھے اور ان باتوں سے
واقف نہ تھے جنہیں حضرت خضرؑ جانتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حضرت خضرؑ
علم غیب رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ کو ان باتوں کا علم نہ تھا۔ حضرت موسیٰ کا نبی ہونا قطعی اور
یقینی ہے۔ جب کہ حضرت خضر کی نبوت میں کئی اقوال ہیں۔ جو لوگ نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا کرتے ہیں
کیا وہ یہاں حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کا انکار کریں گے جو یقیناً نہ جانتے تھے کہ مسکین کی کشتی کیوں
توڑی جارہی ہے۔ ایک معصوم جان کیوں لی جارہی ہے اور ایک یتیم کی دیوار کس لیے مرمت ہو
رہی ہے۔ علم غیب کی اس نفی سے اب کیا ان کی نبوت کا انکار روا ہوگا؟ یہ سوال اس لیے اٹھتا
ہے کہ بریلوی حلقوں میں نبی کے معنی غیب جاننے والے ہی کیے جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
غیب نہ جانتے تھے ورنہ حضرت خضر سے کیوں بار بار پوچھتے۔

اے تری چشم جہاں بیں پر وہ طوفان آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشتی مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

اب حضرت خضرؑ کے علم کی سنیئے۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ علم تورات نہیں رکھتے
تھے۔ علم لدنی کی کتنی وسعتیں ان کی نظروں میں کیوں نہ ہوں یہ حقیقت ہے کہ وہ سب جزئیات ہوں
گی بطور کلیہ غیب کی بات کو جان لینا ان کے بس میں نہیں دیا گیا تھا۔ علم غیب اور علم محیط صرف علم الٰہی
کی شان ہے۔ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہہ دیا تھا۔

یا موسیٰ انی علیٰ علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علیٰ علم من علم اللہ لا اعلمہ[1]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۸ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۹

ترجمہ۔ اے موسیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس علم پر فائز ہوں جو اس نے مجھے دیا ہے آپ اسے نہیں جانتے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دیئے اس علم پر فائز ہیں جسے میں نہیں جانتا۔

یہ علم تکوین اور علم تشریع کے دو علیحدہ علیحدہ دائروں کی بات تھی۔

حضرت موسیٰ نے ایک قبطی کو مکا مارا اور وہ مرگیا۔ کیا آپ کو مکا لگاتے وقت علم تھا کہ یہ اس سے مرجائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں؟ اس کا علم انہیں نہ تھا۔ غیب کا علم نہ رکھنے کے باوجود وہ نبی تھے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا کرنے کی صورت میں کیا یہاں حضرت موسیٰ کی نبوت کا عقیدہ سالم اور محفوظ رہ سکتا ہے؟ نہیں ——— اور انکارِ نبوتِ موسیٰ کیا کھلا کفر نہیں ہے؟

جب حضرت موسیٰ طور سے واپسی پر اپنے بھائی حضرت ہارون پر ناراض ہوئے کہ انہوں نے کیوں قوم کو بچھڑے کی عبادت کرنے دی۔ سختی سے کیوں نہیں روکا۔ تو اس کا جو جواب حضرت ہارون کے پاس تھا کیا اس کا حضرت موسیٰ کو پہلے سے علم تھا؟ نہیں جیساکہ اس کے بعد کی ردیہ سے ظاہر ہوا ——— حق یہ ہے کہ علم غیب اور علم محیط صرف علم الٰہی کی شان ہے اور کوئی مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا کسی کو بطور کلیہ علم غیب نہیں دیا گیا کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کر لیا کرے ——— اگر آپ نے یہ جانتے ہوئے قبطی کو مکا مارا تھا تو کیا یہ قتل عمد نہیں؟ اور کیا وہ قبطی واقعی واجب القتل تھا؟ ——— ان باتوں پر پہلے غور کرلیں اور پھر نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا کیا کریں۔

(۶) ——— حضرت داؤد علیہ السلام وہ نبی ہیں جنہیں زبور دی گئی۔ آپ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آکھڑے ہوتے۔ داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت وشوکت کے یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا اُٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے۔ آدمی ہیں تو بے وقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیوار پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی۔ خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت سے آئے ہیں ———

آنے والوں نے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

هل اتٰك نبوء الخصم اذ تسوروا المحراب۔ اذ دخلوا علیٰ داؤد ففزع منهم قالوا لا تخف خصمٰن بغیٰ بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واهدنا الیٰ سواء الصراط۔ (پ۲۳ ص آیت ۲۱)

ترجمہ۔ اور کیا تم کو پہنچی خبر دعوے والوں کی جب وہ دیوار کود کر آئے عبادتخانہ میں۔ جب گھس آئے داؤد کے پاس تو وہ ان سے گھبرایا۔ وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر۔ سو فیصلہ کر دے ہم پر انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام اگر آنے والوں کو جان نہ سکے، تو کیا وہ نبی تھے یا نہیں ـــــ نبی کے معنی غیب جاننے والا کیے جائیں تو قرآن پڑھنے والا یہاں سوال کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پھر حضرت داؤد نے کیوں نہ پہچانا کہ یہ خلاف عام وضع آنے والے اور دیوار پھاندنے والے انسان ہیں یا فرشتے ـــــ وہ کیوں گھبرا اُٹھے اور ان آنے والوں کو کیوں کہنا پڑا کہ آپ ڈریں نہیں ـــــ

(۷) ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام وہ پیغمبر ہیں جن کا جنات پر بھی قبضہ تھا۔ ایک دفعہ دربار میں انہوں نے ہدہد کو غیب پایا۔ وہ حیران تھے کہ ہدہد انہیں نظر کیوں نہیں آرہا یا وہ واقعی وہاں ہے ہی نہیں ـــــ پھر ہدہد نے آکر آپ کو ملک سبا کی خبر دی اور صاف کہا کہ میں وہ خبر لایا ہوں جو آپ کو پہلے نہیں ملی ـــــ سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علم غیب نہ جاننے کی وجہ سے نبی رہے یا نہ ـــــ نہ انہیں پتہ چل سکا کہ ہدہد کہاں ہے اور نہ انہوں نے ہدہد کو کہا کہ میں ملک سبا کے حالات تجھ سے پہلے جانتا ہوں تو کیوں کہہ رہا ہے کہ میں آپ کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو اب تک آپ نہیں جان پائے۔

قرآن کریم میں ہے:-

وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین .....
فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبأ
بنبأ یقین. (پ۱۹ النمل آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ نے پرندوں کی خبر لی تو کہا مجھے کیا ہوا کہ ہدہد نظر نہیں آرہا یا وہ واقعی آیا ہی نہیں..... سو زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ آیا اور اس نے کہا میں لایا ہوں ایک ایسی چیز کی خبر کہ آپ کو اس کی خبر نہ تھی اور میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آپ کے پاس ہوں۔

حضرت سلیمان نے ہدہد کی تردید نہیں کی کہ تو کس طرح کہتا ہے کہ مجھے ملک سبا کا حال معلوم نہیں۔ مجھے تو معلوم ہے آپ نے ایسا نہیں کہا بلکہ اس پر امر ذمہ داری ڈالی کہ میرا یہ خط ان تک لے جاؤ پھر دیکھتا ہوں کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے۔

قال سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین. اذھب بکتبی ھذا
فالقہ الیھم ثم تول عنھم فانظر ماذا یرجعون. (پ۱۹ النمل آیت ۲۸)

ترجمہ۔ حضرت سلیمان نے کہا اب ہم دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے میرا یہ فرمان لے جا اور اسے ان پر ڈال دے۔ پھر اسے الگ ہٹ کر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

(۸)—— حضرت یونس علیہ السلام نے نینوا میں خدا کے نام کی آواز لگائی قوم نہ مانی۔ حضرت یونس ناراض ہو کر ان سے نکل گئے اور کہہ گئے کہ تم پر اب عذاب اُترے گا۔ قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو حق قبول کر لیا اور توبہ کر لی۔ مگر حضرت یونس وہاں نہ تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا نکلنے کا فیصلہ وحی خداوندی سے نہیں اپنے اجتہاد پر تھا۔ وہ کشتی میں سوار ہوئے مگر نہ جانا کہ کشتی میں ہی ان پر آزمائش آجائے گی۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اور

ایک آدمی کو نکالنا ضروری ہوگیا ورنہ سب ڈوبتے ۔۔۔ کس کو اُتارا جائے۔ یہ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام نکلا۔ ڈوبتے لوگ مچھلیوں کا لقمہ بنتے ہیں۔ مگر یہاں مچھلی اپنے اندر حفاظت خانہ لے کر حاضر تھی یہ گو حضرت یونس کے لیے قید خانہ تھا۔ مگر اس کے بغیر بچنے کی بھی تو اور کوئی راہ نہ تھی۔

اگر حضرت یونس علیہ السلام علم غیب جانتے ہوتے تو کبھی اس کشتی میں بیٹھنے یا بلا اجازت خداوندی اپنی بستی سے نکلتے۔ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا ہونا نہیں۔ نبی بس اتنا ہی غیب جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ بتائے۔ اللہ رب العزت نے غیب دانی کی کنجیاں کسی کو نہیں پکڑائیں کہ جب چاہیں اور جو چاہیں معلوم کر لیا کریں۔ علم غیب اور علم محیط صرف علم الٰہی کی شان ہے۔

وذا النون اذ ذھب مغاضباً وظن ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین (پ ۱۷ الانبیاء آیت ۸۸)

ترجمہ۔ اور ذوالنون (مچھلی والے پیغمبر) کو یاد کرو جب چلا غصے میں پھر گمان کیا اس نے ہم اس پر سختی نہ کریں گے پھر وہ اندھیروں میں پکارا کہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پاک ہے تیری ذات بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ اس پر ہم نے اس کی پکار سُن لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔

(۹) ۔۔۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں حضرت مریم کی کفالت کی تھی ان کے پاس خلاف موسم جنت کے میوے آتے تھے۔ حضرت زکریا نے انہیں دیکھ کر اللہ رب العزت سے بڑھاپے میں جوانی کا پھل مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ حضرت زکریا اب حیرت میں تھے ۔۔۔ عرض کی اے اللہ! مجھے کوئی نشان دے تا سمجھ پاؤں کہ بیوی اب اُمید سے ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نشان یہ ہے کہ آپ متواتر تین دن راتیں لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔

قال اٰیتك ان لاتکلم الناس ثلث لیالٍ سویاً۔ (پ۱۶ مریم آیت ۱۰)

ترجمہ: کہا اللہ تعالیٰ نے تو تین رات دن لوگوں سے بات نہ کر سکے گا ٹھیک ٹھاک ہوتے ہوئے۔

اگر نبی کا ترجمہ غیب جاننے والا ہے ___ اور زکریا علیہ السلام یقیناً نبی تھے ___ تو انہیں پہلے سے ہی علم ہوتا کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا ___ پھر حضرت مریم کے پاس رکھے پھلوں کو دیکھ کر دعا کی ضرورت کیا تھی؟ اور پھر یہ نشان معلوم کرنا کہ بیوی واقعی امید سے ہو چکی ہے اس کی کیا ضرورت تھی ___ اس سے پہلے آپ نے جب حضرت مریم کے پاس غلاف موسم میوے دیکھے تھے تو یہ کیوں کہا۔

یامریم انی لك ھٰذا۔ (پ۳ آل عمران ۳۷)

اے مریم تیرے پاس یہ پھل کہاں سے آگئے؟ یہ جنت سے آئے ہوئے تھے۔

انبیاء کرام کی مجموعی تاریخ اسی بات کو دہراتی ہے کہ یہ حضرات پاکیزہ صفات ہرگز علم غیب نہ رکھتے تھے اور نہ اس کے مدعی تھے۔ بطور کلیہ غیب کی ہر بات کو جاننا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے اور وہی ہے جس کا علم ماکان و مایکون کو محیط ہے۔

(۱۰) ___ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ یہ میرا دین قبول نہ کریں گے تو آپ نے آواز دی۔ من انصاری الی اللہ ___ کون دینِ الٰہی کو رواج دینے میں میری مدد کرے گا؟ پہلے دو شخص حضرت عیسیٰ کے تابع ہوئے پھر حواری بارہ تک ہو گئے۔ پھر ان میں یہودا اسکریوتی بھی تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے سے جانتے ہوتے کہ یہ یہ میرے ساتھ ملیں گے تو انہیں پہلے نام لے کر بلا لیتے اور اپنے ساتھ کھڑا کرتے۔ اُن کی یہ صدا بے کسی کے انداز میں تھی۔ گویا وہ شخص آواز دے رہا ہے جس کا سننے والا کوئی نہ ہو۔ ان حواریوں میں ایک وہ بھی ہے جو انجامِ کار آپ سے بے وفائی کرے گا۔ ابھی آپ کو اس کا علم بھی نہ تھا اور یہ بھی علم نہ تھا کہ یہود کے ناپاک ہاتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھو نہ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوصلہ دیا کہ میں تجھے

پورا لوں گا اور تو یہاں سے (دُنیا سے) بقبض روح جاتے ہیں میں تجھے روح و بدن سے پورا لوں گا ـــــ وہ اس طرح ہوگا کہ تجھے اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تجھے کافروں سے پاک رکھوں گا ان کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے ـــــ یہ حالات بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام علم غیب نہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ قدم قدم پر انہیں سہارا دے رہے تھے۔

اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیك و رافعك الی ومطھرك من الذین کفروا. (پ۳ آل عمران آیت ۵۵ ع ۲)

ترجمہ. جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تجھے پورا لوں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تجھے کافروں کے ہاتھوں سے پاک رکھوں گا۔[۱]

حضرت علامہ شعبی (۱۰۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبریل سے پوچھا. قیامت کب آئے گی؟ آپ یہ سُنتے لرز گئے اور کہا جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ـــــ یعنی اس وقت کے نہ جاننے میں تو اور میں برابر ہیں اس خاص وقت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

فانتفض با جنحته وقال ما المسئول عنہا باعلم من السائل[۲]

ترجمہ. حضرت جبریل نے اپنے بازو جھٹکے اور کہا میں اسے تم سے زیادہ نہیں جانتا۔

قرآن کریم کی ان دس شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علم غیب صرف علم الٰہی کی شان ہے. انبیاء پر غیب اتنے ہی کھلے جتنے اللہ رب العزت نے کھولے. بطور کلیہ غیب جان لینے کی صفت رب العزت

---

[۱] متوفیك کے معنی عام استعمال کے مطابق ممیتك کے ہوتے ہیں مگر جب یہ لفظ رافعك کے ساتھ آئے تو اس کے معنی پورا لینے کے ہوں گے قرآن و حدیث اور استعمال عرب میں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ توفی جب رفع کے ساتھ آئے تو اس کے معنی موت کے ہوں جنہوں نے اسے یہاں بھی موت کے معنی میں سمجھا. پھر انہیں ترتیب وقوع بدلنا پڑی کہ رفع پہلے ہوگا اور وفات بعد میں آئے گی۔

[۲] رواہ الحمیدی فی النوادر عینی علی البخاری جلد ا صفحہ ۲۹۱ فتح الباری جلد ا صفحہ ۱۱۴ در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۵

نے کسی کو نہیں دی۔ اگر کسی برگزیدہ ہستی کو اس نے ہزاروں لاکھوں مغیبات پر بھی مطلع کیا تو یہ سب غیب کی خبریں تھیں جزئیات تھیں۔ غیب کی چابیاں اس نے کسی کے ہاتھ میں نہ دیں کہ جب چاہے وہ غیب کی بات معلوم کر لیا کرے۔

عقیدہ علم غیب تاریخ انبیاء کی روشنی میں کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے اس کا اجتماعی مظاہرہ حشر کے دن ہوگا۔ جب پہلے پچھلے سب پیغمبر ایک جگہ جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ ان کی بات کہاں تک مانی گئی۔

حشر کے دن انبیاء کا نفی علم غیب کا اجتماعی اقرار

یوم یجمع اللہ الرسل ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب۔

(پ المائدہ آیت ۱۰۹ ع ۱۵)

ترجمہ: جس دن اللہ سب پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا تمہیں کیا جواب ملا (کہاں تک تمہاری بات مانی گئی) سب کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں غیبوں کا جاننے والا ہونا تیری ہی شان ہے۔

ہر پیغمبر کو اپنے دعوت کے کام اور اس کے انجام کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو معلوم ہوگا۔ مگر ان امور کا بھی تفصیلی علم انہیں نہ ہوگا پھر یہ کہ ان کی بات پھر دنیا میں کہاں کہاں تک پھیلی اور ان کے ماننے والوں پر کیا کیا حالات گزرے۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کی انہیں ہرگز تفصیلی خبر نہ ہوگی۔ علم و تجربہ کی ان جزئیات کو اللہ کے حضور پیش کرنا وہ خلاف ادب الہٰی سمجھیں گے۔ بس ایک ہی بات اس دن ان کی زبان پر ہوگی کہ اے اللہ ہم علم غیب نہیں رکھتے کہ ہم پوری بات کہہ سکیں جو کچھ بندوں سے غائب ہے اس سب کو جاننے والا تو ہی ہے۔

اب نبی کا ترجمہ اگر غیب جاننے والے کے کیے جائیں تو کیا یہ انبیاء کرام حشر کے دن (معاذ اللہ) جھوٹ بولیں گے کہ یا اللہ ہم علم غیب نہیں رکھتے علم غیب بے شک تیری ہی شان ہے۔ تو ہی

عالم الغیب والشہادہ ہے جو غیب کی بات کو بھی جانے اور کھلی بات کو بھی ــــ یہاں عطائی غیب کی بھی تاویل نہیں چل سکتی۔ کیونکہ عطائی علم بھی تو جاننے ہی کا نام ہے۔

حضرت خاتم النبیینؐ کو لایعنی علوم سے بالا رکھا گیا

آیئے اب قرآن کریم کی روشنی میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ وسلم کے بارے میں معلوم کریں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں جو شان نبوت کے لائق نہ تھیں اور ان کا جاننا انسان کو کوئی عزت اور شرف نہیں بخشتا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو وہ علم بھی عطا کیے تھے؟ ــــ اور اگر کوئی علم سفلی تو نہیں مگر اس کا تحمل آپ کے لیے نہایت گراں اور بوجھل ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے حضورؐ کو گرانبار کیا تھا؟ مسئلہ زیر بحث کو جاننے کے لیے ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری۔ علم غیب کی رٹ لگانا آسان ہے مگر حقائق دین تک رسائی ان رٹ لگانے والوں کے نصیب ہی نہیں۔

کیا کوئی ایسے علوم بھی ہیں جو رسالت کے لائق نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگی ہے جو نفع نہ دے۔ اس سے پتہ چلا کہ واقعی کچھ ایسے علوم ہیں جو آنحضرتؐ کی شان اور آپ کے مزاج کے مطابق نہ تھے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں حضورؐ یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰھم انی اعوذبک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو نفع نہ دے اور اس دل سے بچنا چاہتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو اور اس جان سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبولیت نہ پائے۔

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۷۲ وصفحہ ۲۲

آپ نے صحابہؓ کو بھی ایسے علوم سے بچنے کی نصیحت فرمائی. حضرت جابرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

سلوا اللہ علماً نافعاً وتعوذوا باللہ من علم لا ینفع.[1]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ سے وہ علم مانگو جو تمہیں نفع دے اور بس علم سے اللہ کی پناہ میں آؤ جو تمہیں نفع نہ پہنچائے.

آپؐ نے ایک جگہ لوگوں کا جمگھٹا دیکھا. پوچھا کون ہے. آپ سے عرض کیا گیا علامہ ہے ایک عالم انساب بیان کر رہا تھا. حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:-

علم لا ینفع وجہالۃ لا تضر.[2]

ترجمہ. یہ ایک ایسا علم ہے جو ہو تو اس کا فائدہ نہیں نہ ہو تو اس کا کوئی ضرر نہیں.

علم نجوم مذموم ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:-

من اقتبس علماً من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر زاد ما زاد.[3]

ترجمہ. جس نے علم نجوم کچھ بھی سیکھا اس نے جادو کے ایک پہلو کا اقتباس کیا اب جتنا وہ اور زیادہ کرتا جائے.

رہا سحر کا علم سیکھنا اسے جمہور علمائے اسلام حرام بتلاتے ہیں. سو یہ کسی طرح پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہو سکتا کہ وہ جادو جانتا ہو.

جلیل القدر محدث علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:-

علم النجوم المنہی عنہ ما یدل علیہ اہل التنجیم من علم الکوائن والحوادث التی لم تقع کمجیئ الامطار وتغیر الاسعار واما ما یعلم بہ اوقات الصلوٰۃ وجہۃ القبلۃ فغیر داخل فیما نہی عنہ.[4]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۲۸۳ [2] کنز العمال جلد ۵ ص۲۲۵ [3] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص... ابن ماجہ ص۲۶۳

[4] معالم السنن جلد ۵ ص۳۷۱

ترجمہ۔ علم نجوم جس سے منع کیا گیا وہ ہے جس سے نجومی لوگ خبر دیتے ہیں ہونے والے واقعات اور حادثات جو ابھی واقع نہ ہوئے ہوں جیسے بارشوں کا آنا اور نرخوں کا بدلنا۔ البتہ اتنا علم ستارگان جس سے نماز کے اوقات اور جہاتِ قبلہ جانی جا سکیں وہ اس منع کی حدود میں داخل نہیں۔

دنیوی امور میں آپ کا علم اگر دوسرے عام انسانوں کے برابر ہو یا آپ ان کے علوم کے کسی خاص شعبہ کو نہ جانیں تو اس سے آپ کی شان میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ یہ اس لیے نہیں کہ آنحضرتؐ کی شان میں کوئی کمی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیوی علوم آپ کی زندگی کا موضوع نہیں ہیں نہ آپ کی شان کے لائق ہیں۔

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) کے بعد امام غزالی (۵۰۵ھ) کی شہادت لیجئے۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ بعض علم مذموم ہیں پھر فیصلہ کیجئے کہ انہیں حضورؐ کی طرف نسبت کرنے میں حضورؐ کی عزت ہے یا کسرِ شان ــــ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں :-

واما المذموم منہ فعلم السحر و الطلسمات وعلم الشعبذة والتلبیسات۔[۱]

ترجمہ۔ جو علم مذموم ہیں ان میں جادو طلسم شعبدہ بازی اور دھوکہ و فریب سب داخل ہیں۔

امام غزالی (۵۰۵ھ) کے بعد قاضی عیاض مالکی (۵۴۴ھ) کی شہادت قلمبند کیجئے :-

فاما ما تعلق منہا بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمة من عدم معرفة الانبیاء ببعضہا او اعتقادہا علی خلاف ما ھی علیہ ولا وصم علیہم فیہ اذ ھمتہم متعلقة بالاٰخرة وانباءھا وامر الشریعة وقوانینہا وامور الدنیا تضادھا بخلاف غیرھم من امر الدنیا۔[۲]

ترجمہ۔ وہ علوم جن کا صرف دنیا سے تعلق ہے تو ان میں نبیوں کے لیے معصوم ہونا

۱؎ احیاء العلوم جلد ا صفحہ ۱۴ ۲؎ الشفا صفحہ ۲۵۴

شرط نہیں کہ انبیاء ان میں سے بعض کو بالکل نہ جانتے ہوں یا بعض اُمور کو خلاف واقع اعتقاد کیے ہوئے ہوں اور اس سے ان پر کوئی الزام نہیں آتا ان کی ساری ہمت آخرت اور اس کے حالات سے متعلق ہوتی ہے اور وہ شریعت اور اس کے قوانین میں ہی منہمک رہتے ہیں اور دنیا کے امور اس کے برعکس ہیں بخلاف دوسرے لوگوں کے جو انہیں بہتر جانتے ہیں۔

اور آگے یہ بھی لکھا ہے۔

ولیس فی هٰذا کله نقصة ولا محطة وانما هی امور اعتیادیة یعرفها من جربه وجعلها همه وشغل نفسه بها والنبی مشغول القلب بمعرفة الربوبیة ملآن الجوانح بعلوم الشریعة[1]

ترجمہ: اور ان تمام باتوں میں کوئی نقص اور گراوٹ کی بات نہیں امور عادی ہیں جنہیں وہی جانتا ہے جس نے ان پر تجربہ کیا ہو اور اس پر توجہ لگائی ہو اور اپنے آپ کو اس میں مشغول کیا ہو اور نبی کا قلب تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مشغول ہوتا ہے اور اس کا سینہ علوم شریعت سے بھرپور رہتا ہے۔

قاضی عیاض کے بعد اب امام نووی (۶۷۶ھ) کی رائے بھی ملاحظہ ہو:۔

قالوا و رأیه صلی اللہ علیه وسلم فی امور المعائش وظنه کغیره فلا یمتنع وقوع مثل هذا و لا نقص فی ذٰلك و سببه تعلق بالاٰخرة ومعارفها[2]

ترجمہ: علماء نے کہا ہے کہ آپ کی دنیوی امور کے بارے میں رائے اور گمان دوسری چیزوں کی طرح نہیں۔ ان میں ایسے حالات اور نتائج کا پیدا ہو جانا کوئی امر ممتنع نہیں اور اس سے مقام نبوت پر کوئی حرف بھی نہیں آتا اور اس کا سبب آپ کا تعلق بالآخرہ اور دنیا کی حقیقتوں کو پہچاننا ہے۔

---

[1] الشفاء صفحہ ۳۰۲ [2] شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۴

آیئے اب آٹھویں صدی میں چلیں۔ علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) رقمطراز ہیں:۔

ان الانبیاء وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ابعد الناس عن الصنائع وانہم لا یتعرضون للاخبار عن الغیب الا ان یکون من اللہ فکیف یدعون استنباطہ بالصناعۃ ویشیرون بذلک لتابعیہم من الحق[1]

ترجمہ۔ انبیاء کرام اپنی فطرت میں دوسرے لوگوں کی نسبت صنعتوں سے بہت دور رہتے ہیں۔ اخبار غیبیہ سے تعرض نہیں کرتے (ان میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے) مگر یہ کہ کوئی خبر اللہ رب العزت کی طرف سے ہو پس کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان صنعتوں سے استنباط کرنے لگیں اور اپنے حق ماننے والے ساتھیوں کو بھی ان کی طرف متوجہ کر دیں۔

فجعلت الشریعۃ باب السحر والطلسمات والشعوذۃ باباً واحداً لما فیہما من الضرر وخصتہ بالحظر والتحریم[2]

ترجمہ۔ پس شریعت نے جادو طلسم اور شعبدہ بازی کو ایک ہی باب ٹھہرایا ہے کیوں کہ اس میں نقصان ہے اور شریعت اسے ممنوع محظور اور حرام ٹھہراتی ہے۔

آگے نویں صدی میں چلیں۔ حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کی کتاب مسایرہ اور اس کی شرح مسامرہ لابن ابی شریف المقدسی (۹۰۵ھ) میں ہے:۔

فہم فیہ کغیرہم من البشر فی جواز السہو والغلط ھذا الذی علیہ اکثر العلماء خلافاً لجماعۃ المتصوفۃ وطائفۃ من المتکلمین حیث منعوا السہو والنسیان والغفلات والفترات جملۃ فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ ویجوز کونہم ای الانبیاء غیر عالمین بلغات کل من بعثوا الیہم الا لغۃ قومہم وجمیع مصالح امور الدنیا ومفاسدھا وجمیع الحرف والصنائع۔[3]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص [2] ایضاً ص ۵۰۳ [3] المسایرہ مع المسامرہ جلد ۲ ص ۸۷

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام جواز سہو اور وقوع غلط (جو دنیوی چیزوں میں ہو) میں عام دوسرے انسانوں کی طرح ہیں۔ یہ اکثر علماء کا فیصلہ ہے لیکن کچھ متصوف قسم کے لوگ اور متکلمین اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ وہ پیغمبر پر سہو و نسیان اور کسی بات میں بے توجہی اور سستی کو ممنوع قرار دیتے ہیں ..... اور یہ جائز ہے کہ پیغمبر جن جن کی طرف مبعوث ہوئے ان میں اپنی قوم کے سوا دوسروں کی زبانیں نہ جانتے ہوں۔ اسی طرح ضروری نہیں کہ جملہ دنیوی امور کے مصالح اور مفاسد اور تمام پیشے اور فنون انہیں معلوم ہوں۔

حافظ ابن نجیم (۹۶۹ھ) کی شہادت

بعض علم ہیں جن کا سیکھنا فرضِ عین ہے اور بعض کا سیکھنا فرضِ کفایہ اور بعض کا سیکھنا مستحب ہے اور وہ بھی ہیں جن کا سیکھنا حرام ہے۔

وحراماً وھو علم الفلسفہ والشعبذۃ والتنجیم والرمل وعلم الطبعین والسحر۔[1]

اب دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

یحرم فعل السحر بالاجماع واما تعلیمہ وتعلمہ ففیہ ثلاثۃ اقوال الاول الصحیح الذی قطع بہ الجمہور انہما حرامان۔[2]

ترجمہ: جادو کا عمل بالاجماع حرام ہے اس کے سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں تین قول ہیں۔ ان میں پہلا قول اور صحیح بات جو جمہور کا صحیح فیصلہ ہے یہ ہے کہ دونوں حرام ہیں۔

آپ ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:۔

---

[1] الاشباہ والنظائر ص ۲۷۹ مصر [2] شرح فقہ اکبر ص ۱۴۴

ای فلیس لی اطلاع علی المغیبات وانما ذٰلک قلته بحسب الظن المشهودی اذ ذالک الی مسبب الاسباب وفی الحدیث دلالة علی انه علیه السلام ماکان یلتفت الا الی الامور الاخرویة۔[1]

ترجمہ مجھے تمام مغیبات پر اطلاع نہیں وہ بات میں نے صرف ظن شہودی سے کہی تھی بات مسبب الاسباب تک پہنچتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری توجہ صرف امور اخروی کی طرف رکھتے تھے۔

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را التفاتے نبود بامثال ایں امور دنیویہ و متعلق نبود غرض وے بداں از جہت عدم تعلق سعادت دنیا و آخرت بداں و اہتمام وے نبود مگر بہ بیان امور متعلق بدیں۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے دنیوی امور کی طرف توجہ نہ تھی۔ اور آپ کی کوئی غرض ان سے متعلق نہ ہوتی تھی سعادت دنیا و آخرت کا اس سے کوئی جوڑ نہیں اور آپ کی فکر صرف انہی امور کو بتلانا ہوتا تھا جو کہ دین سے متعلق ہوں۔

شارح شفا حضرت علامہ شہاب الدین الخفاجی (۱۰۶۹ھ)

واذا امرتکم بشیء من رای ان یکون رایًا فی امور الدنیا الصرفة فانما انا بشر مثلکم قد اری رایًا والامر بخلافه فی امور الدنیا فلا یجب اتباعه۔[3]

ترجمہ۔ اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں اور وہ رائے خالص دنیوی امور کے متعلق ہو تو انسان ہوں جیسے تم۔ میں ایک بات اپنی رائے سے کہتا ہوں اور دنیوی پہلو سے بات اسکے خلاف ہو تو میری بات اس بات کی پیروی تمہارے ذمہ نہیں۔

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ [3] نسیم الریاض جلد ۴ صفحہ ۲۵۶

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

ومن سیرتھم ان لا یستغلوا بما لا یتعلق بتھذیب النفس وسیاسۃ الامۃ کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والھالۃ و عجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیۃ وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوھا۔[1]

ترجمہ۔ اور انبیاء کی سیرت یہ ہے کہ ان امور میں مشتغل نہ ہوں جن کا تعلق تہذیب اخلاق اور سیاستِ امت سے نہیں جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کو بیان کرنا جن کے تحت بارش۔ سورج گرہن۔ ہالہ اور نبات وحیوان کے عجیب واقعات اور سورج اور چاند کا چلنا اور دن رات کے حادثات کا واقع ہونا۔

اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

واما علم النجوم فانہ لا یضر جھلہ۔[2]

ترجمہ۔ رہا علم نجوم تو یہ وہ علم ہے جس کا نہ جاننا کوئی ضرر نہیں دیتا۔

علامہ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ) کی شہادت

وما یتوقف ھی علیہ من احوال الاخرۃ التی من جملتھا قیام الساعۃ والبعث وغیر ذلک من الامور الغیبیۃ التی بیانھا من وظائف الرسالۃ واما ما لا یتعلق بھا علی احد الوجھین من الغیوب التی من جملتھا وقت قیام الساعۃ فلا یظھر علیہ احدا ابدا۔[3]

ترجمہ۔ اور نبوت جن احوالِ آخرت کے بیان پر موقوف ہے ان میں سے ایک قیامت کا واقع ہونا اور مرنے کے بعد اٹھنا بھی ہے اور ان جیسے اور امورِ غیبیہ جن کا بیان وظائفِ رسالت میں سے ہے لیکن غیب کی جو چیز کسی طرح نبوت سے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ [3] روح البیان جلد صفحہ

متعلق نہیں جن میں سے ایک وقت قیامِ قیامت ہے (کہ وہ گھڑی کب واقع ہوگی) وہ اللہ تعالیٰ کسی پر اظہار نہیں فرماتا یعنی قیامت کس وقت واقع ہوگی اس کا کوئی تعلق نبوت و رسالت سے نہیں۔

اب تیرہویں صدی میں چلیے۔ علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد عد عدم علمه صلی اللہ علیه وسلم بامر الدنیا کمالاً فی منصبه اذا الدنیا باسرها لا شیٔ عند ربه[1]

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی باتوں کو پوری طرح نہ جاننا آپ کے منصب کا کمال سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے رب کے ہاں یہ پوری دنیا لاشیٔ ہے۔

اس میں کمال کی کونسی جھلک ہے اگر یہ پہلو کسی بھی کمال کا حامل ہوتا تو نبوت کو ضرور اس پر مطلع کیا جاتا۔ جب نبی کو ان علوم سے کوئی دلچسپی نہیں تو ان کے آپ کو نہ دیئے جانے میں آپ کی کوئی تخفیف نہیں۔

اب چودھویں صدی میں چلیے۔ مولانا احمد رضا خاں علم سیمیا (علم نظر بندی) کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

نہایت ناپاک علم ہے۔[2]

جب یہ ناپاک علم ہے تو یہ حضرت خاتم النبیین کی شان کے کیسے لائق ہو سکتا ہے۔ احترام رسالت اسی میں ہے کہ آپ کو ان علوم سے بالا رکھیں۔

اسلام کی یہ چودہ سو سال کی شہادت ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے کہ وہ علوم جو منصب نبوت کے مبادی اور احکام سے تعلق نہ رکھتے ہوں ان کا پیغمبر کو علم نہ ہونا ان کے منصب نبوت میں کبھی کوئی نقص اور عیب نہیں سمجھا گیا اور جو علوم اپنی ذات میں ناپاک ہوں پیغمبر کو ان کا علم دیا جانا ان کی شان کے خلاف ہے کتنے علوم سفلی ہیں جو کالے علم کی فروع ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبروں کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔ انبیاء کرام میں ان علوم رذیلہ کا اثبات ان کی شان میں نقص پیدا کرتا ہے سو ان کا ان میں اثبات ہرگز ہرگز ان نفوسِ قدسیہ کی تعظیم نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۹ ص ۱۲۱ [2] ملفوظات حصہ دوم ص ۴۱

وہ علوم جو آنحضرتؐ کو نہ دیئے گئے

قرآن کریم نے ان علوم کا ذکر کیا ہے جو آپ کو نہ دیئے گئے تھے۔ وہ علوم جو آپ کو نہ دیئے گئے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو آنحضرتؐ کی شان کے لائق نہ تھے۔ دوسرے وہ جن کا تحمل آپ کے لیے گراں تھا اور وہ نبوت کے مبادی اور احکام میں سے بھی نہ تھے۔ پہلی قسم میں علم شعر آتا ہے اور پہلے پیغمبروں کی تفصیل وار کہانیاں بھی اسی قبیل سے ہیں۔ اور دوسری قسم میں وقت قیامت کا علم ہے یہ اللہ رب العزت نے خاص اپنے پاس رکھا ہے یہ زمین و آسمان پر بھاری ہے۔

(۱) آنحضرتؐ کو علم شعر نہیں دیا گیا

قرآن کریم میں ہے :-

وما علمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر و قرآن مبین۔

(پ ۲۳ یٰسین آیت ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے وہ تو ایک نصیحت اور روشن کتاب ہے۔

علم الٰہی میں طے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیرو مھتدون ہوں گے۔ غاوون نہ ہوں گے۔ آپ کو علم شعر اس لیے نہ دیا گیا کہ شعر و شاعری کرنے والوں کو غاوون کے سوا کوئی پیرو نہیں ملتے۔ کوئی خوش قسمت ہوں گے جو غوایت سے بچے ہوں گے۔ حضورؐ کے صحابہؓ کو خدا مھتدون رکھنا چاہتا تھا۔ شاعروں کو پیرو کیسے ملتے ہیں۔ اس میں عام قاعدہ وہی ہے۔ قرآن کریم میں دیکھیئے :-

والشعراء یتبعهم الغاوون۔ الم تر انهم فی کل واد یهیمون۔ وانهم یقولون ما لا یفعلون۔ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات۔ (پ ۱۹ الشعراء ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور شاعروں کے پیچھے تو بہکے لوگ ہی لگتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جس پہ خود عمل نہیں کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی شہادت :۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضورؐ کے سامنے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں پیش کیا۔

اشهد انك رسول الله ما علمك الشعر وما ينبغي لك۔[1]

ترجمہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس نے آپ کو علم شعر نہیں دیا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔

آنحضرتؐ کو شعر سے اس قدر دوری تھی کہ اسے کبھی برداشت نہ کرتے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر پہ جا رہے تھے عرج آیا تو وہاں کوئی شاعر تھا اس نے شعر پڑھے۔ حضورؐ نے فرمایا پکڑو اس شیطان کو صحیح مسلم میں ہے :۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خذوا الشيطان لان يمتلئ جوف رجل قيحاً خير له من ان يمتلئ شعراً۔[2]

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکڑو اس شیطان کو۔ کسی شخص کے پیٹ میں قیح بھری رہے یہ بہتر ہے اس سے کہ اس میں شعر سمائے ہوں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ آیت پڑھی :۔

الشعراء يتبعهم الغاوون ۔ شاعروں کی پیروی بہکے لوگ ہی کرتے ہیں۔[3]

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :۔

ولهذا ورد انه صلى الله عليه وسلم كان لا يحفظ بيتاً على وزن منتظم بل ان انشده زحفه اولم يتمه۔[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ص   الدر المنثور جلد ص   [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۰   [3] صحیح بخاری جلد ۹ ص ۹۰۹
[4] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۷۸

ترجمہ. حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شعر اس کے وزن منتظم پر یاد نہ رکھتے تھے. بلکہ اگر پڑھتے تو زحاف کرتے یا پورا نہ پڑھتے تھے.

مولانا احمد رضا خاں کی شہادت :۔

بلکہ شعر گوئی حضور کو عطا نہ ہوا اور اس پر بھی اللہ رب العزت نے دفع وہم فرمایا کہ یہ کوئی خوبی نہ تھی جو ہم نے ان کو نہ دی[1]

نظریہ ضرورت کے تحت شعر کہنے کی اجازت

نظریہ ضرورت کے تحت آپؐ نے حضرت حسانؓ کو شعر کہنے کا کہا: مگر آپ نے خود شعر نہ کہا نہ کبھی آپ کی زبان پر آیا. بطور رجز کوئی موزوں کلام آپ کی زبان پر جاری ہو گیا تو محققین اسے شعر نہیں کہتے.

۲ آنحضرت کو بعض داستانیں نہ بتلائی گئیں

عربوں کو پرانے واقعات اور داستانیں یاد رکھنے اور سنانے کا بڑا ملکہ حاصل تھا نسب نامے وہ بڑی ترتیب سے پڑھتے تھے. آنحضرتؐ داستان گوئی سے طبعاً دور رہتے پچھلے انبیاء میں سے صرف کچھ ناموں کا آپ کو پتہ دیا گیا اور ان کے واقعات بھی صرف اسی قدر آپ کو بتائے گئے جو منصب نبوت کے مبادی اور لواحق سے کسی پہلو سے متعلق ہوں تفصیلاً ان کی کہانیاں پر آپ پر مکمل نہ کی گئیں. یہ داستان گوئی آپ کی رفعتِ شان کے خلاف تھی :۔

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك. (پ ۲۴ المومن آیت ۷۷، ع ۸)

ترجمہ. اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کتنے رسول بھیجے ان میں ہیں وہ جن کا

---

[1] ملفوظات حصہ دوم ص ۵۷

حال ہم نے آپ سے ذکر کیا اور وہ بھی جن کا حال ہم نے آپ کو نہیں بتلایا۔

یہ آیت مکی ہے۔ آپ جب مدینہ آئے تو پھر یہی بات کہی گئی:۔

ورسلاً قد قصصناھم علیك من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیك۔

(پ ۶ النساء آیت ۱۶۴ ع ۲۳)

ترجمہ۔ اور رسول جن کا ذکر ہم پہلے آپ سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں کو جن کا ذکر ہم نے تجھ سے نہیں کیا۔

آپ کو اجمالاً یہ تو بتایا گیا کہ کل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ہوئے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ ان سب کے نام آپ کو یاد ہوں۔ جن کے نام قرآن کریم میں آئے ہیں ان کے واقعات بھی پوری تفصیل سے آپ پر نہیں کھولے گئے ـــــ ایسا کیوں؟ ـــــ یہ اس لیے ان داستانوں اور قصوں کی تفصیل منصب نبوت کے نہ مبادی میں سے ہے نہ لواحق میں سے ـــــ اور انبیاء کرام کو وہی علوم دیئے جاتے ہیں جو منصب نبوت کے لائق ہوں۔ دوسرے دنیوی علوم میں تو پیغمبر بھی عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان باتوں کو کوئی غیر پیغمبر کسی پیغمبر سے زیادہ مان لے

تبع اور ذوالقرنین کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ نبی اور رسول تھے یا کچھ اور تھے ـــــ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ وقائع ماضیہ کو اس تفصیل سے جاننا منصب نبوۃ سے متعلق نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ما ادری تبع نبیاً کان ام لا وما ادری ـــــ ذوالقرنین انبیاً کان ام لا۔[1]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں اور میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں۔

عقائد کی درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:۔

ظاھر الکتاب وھو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔[2]

---

[1] مستدرک جلد ۲ ص ۳۶ [2] شرح عقائد ص ۱۰۲

ترجمہ: قرآن کریم میں نمایاں طور پر ہے کہ بعض انبیاء کرام کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا گیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

یعنی تھوڑے پیغمبروں کا احوال کہا اور بعضوں کا نام ہی کہا اور قصہ نہ کہا اور بعضوں کا احوال اور نام کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔[1]

علامہ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:۔

ومنهم من لم نخبرك عن قصصهم واخبارهم۔[2]

ترجمہ: اور ان انبیاء میں ایسے بھی ہیں جن کے واقعات اور حالات ہم نے تم کو نہیں بتائے۔ علم غیب تو ایک طرف رہا یہاں بعض اخبار غیبیہ کی بھی نفی کی ہے کہ وہ خبریں آپ کو نہیں پہنچیں۔

(۳) امورِ ملأ اعلیٰ اور علمِ قضاء و قدر

ما كان لى من علم بالملأ الاعلىٰ اذ يختصمون۔ (پ ۲۳ ص آیت ۶۹ ع ۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیں مجھے اوپر کی مجلس کی کوئی خبر نہیں جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں۔ مجھ کو تو یہی حکم دیا گیا ہے اور کچھ نہیں کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔

ملأ اعلیٰ (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصرفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں یعنی ملأ اعلیٰ میں نظام عالم کے فنا و بقا کے متعلق جو تدبیریں اور بحثیں اور قیل مقال ہوتی ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دیئے۔ جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک

---

[1] موضح القرآن ص ۹۸/۴ [2] صفوۃ التفاسیر جلد ۳ ص ۱۱۱ جلد ا ص ۳۲

مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کر دوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی نہ انذار کے لیے اس کی ضرورت ہے نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی۔[۱]

علم روح اور عالم امر

انا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین فیها یفرق کل امر حکیم۔

(پ ۲۵ الدخان آیت ۳)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے جس میں محکم فیصلے بانٹ دیئے جاتے ہیں۔

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۸۵ ع ۱۰)

ترجمہ۔ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔ آپ ان سے کہہ دیں روح عالم امر کی چیز ہے اور تم بہت کم علم دیئے گئے ہو۔

ینزل الملئکة بالروح من امره علی من یشاء من عباده۔ (پ ۱۴ النحل ع ۱)

ترجمہ۔ وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے امر سے اُتارتا ہے ان بندوں پر جن پر وہ چاہے۔

الا له الخلق والامر فتبارک الله احسن الخالقین (پ ۸ الاعراف ع ۷)

ترجمہ۔ جان لو! خلق اور امر دونوں خدا کے حکم میں ہیں برکت والا ہے وہ جو بہترین خلقت دینے والا ہے

قضاء و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اس مبارک رات میں فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔ انہیں صرف

---

[۱] تفسیر عثمانی ص ۵۹۳

ایک سال کے احکام ملتے ہیں. اس سے پہلے انہیں کوئی علم نہیں ہوتا کہ آئندہ سال کے لیے قضا و قدر کیا ہے ـــــ روح کیا ہے جوہر ہے یا عرض. مادی ہے یا مجرد بسیط ہے یا مرکب. اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں. انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں. بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود مادہ کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے. روح مادہ سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اس کی اصل ماہیت اور کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جا سکتی ہے[1] (قالہ العلامۃ العثمانی) یہ چیزیں اپنی جگہ حقائق ہیں لیکن یہ منصب نبوت کے نہ مبادی سے متعلق ہیں نہ لواحق سے. اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حکمت کے پردے ڈال رکھے ہیں. اگر کسی کے لیے کوئی پردے اُٹھے بھی تو یہ ایک جھلک اور تجلی کی چمک ہے جسے کسی درجے میں علم قطعی نہیں کہا جا سکتا.

اسلام کے ائمہ کبار نے ان تمام حقائق و غوامض کو اللہ رب العزت کے اسرار کہا ہے جن پر وہ کسی فرشتے اور پیغمبر کو مطلع نہیں کرتا رہا. کبھی کبھار کسی کے لیے ان سے کوئی پردہ اُٹھتا تو اس سے علم و ادراک کی کوئی راہ نہیں نکلتی.

امام طحاوی (۳۲۱ھ)

واصل القدر سر اللہ فی خلقہ لم یطلع علیٰ ذٰلک ملک مقرب ولا نبی مرسل.[2]

ترجمہ. قضا و قدر مخلوق کے بارے ہیں وہ رازِ الٰہی ہے جس پر اس نے کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کو اطلاع نہیں دی.

امام نووی (۶۷۶ھ)

وقد طوی اللہ تعالیٰ علم القدر عن العالم فلم یعلم نبی مرسل ولا ملک مقرب[3]

---

[1] فوائد القرآن صفحہ ۳۹۶ [2] عقیدہ طحاویہ صفحہ ۴ [3] شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۴

ترجمہ. اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے فیصلے پوری دُنیا سے مخفی رکھے ہیں کسی نبی مرسل اور کسی مقرب فرشتے نے انہیں نہیں جانا.

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حضرت جنید بغدادی (۲۹۸ھ) سے نقل کرتے ہیں۔

الروح استاثر اللہ بعلمہ فلم یطلع علیہ احدًا من خلقہ.[1]

ترجمہ. علم روح اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ہی رکھا ہے اس پر اس نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو مطلع نہیں کیا.

شیخ قاسم بن قطلوبغا (۸۷۸ھ) حضرت عبداللہ بن بریدہ (ھ) سے نقل کرتے ہیں۔

ان اللہ لم یطلع علی الروح ملکًا مقربًا ولا نبیًّا مرسلاً.[2]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کسی پر مطلع نہیں کی نہ کسی فرشتے اور نہ کسی نبی مرسل کو.

ضابطہ یہی ہے کہ قضا و قدر اور روح و امر کے جملہ مظاہر بڑے بڑے فرشتے اور نبی مرسل سے پردہ میں ہیں لیکن ان غیوب سے کبھی پردہ اٹھتا بھی ہے اور وہ بجلی کی سی ایک چمک ہے جس میں دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن اس میں مرئیات کا احاطہ نہیں ہو سکتا. اس سے جو کچھ معلوم ہوگا وہ ظنی درجے میں ہوگا. اور یہ چمک اور جھلک کرامات میں سے ہوتی ہے.

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں۔

قد ینکشف علی بعض الاولیاء فی بعض الاحیان اللوح المحفوظ فینظرون فیہ القضاء المبرم والمعلق وقد یکون بمطالعۃ عالم المثال فی المنام او المعاملۃ.[3]

ترجمہ بعض اوقات بعض اولیاء اللہ پر لوح محفوظ کھل جاتی ہے اور وہ اس میں قضا و قدر مبرم پر یا معلق اسے دیکھ پاتے ہیں. اور کبھی خواب میں عالم مثال کے

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صـ ۳۰۶ [2] شرح مسائرہ جلد ۲ صـ ۱۰۸ [3] تفسیر مظہری جلد ۱۰ صـ ۶۹

مطالعہ سے انہیں اس پر اطلاع مل جاتی ہے اور بات کھل جاتی ہے۔

ان صورتوں میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ ظنی درجے میں ہوتا ہے اور ان معلومات اور چمک دجھلک میں کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جس کا تعلق نبوت کی ذمہ داریوں سے ہو۔ اس لیے یہ پردے زیادہ اولیاء کے لیے اٹھتے ہیں اور ان کا حاصل علم ظنی سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان تک رسائی نوری علم سے بھی ہوتی ہے اور کالے علم سے بھی ـــــ یہ صرف علم نبوت کی شان ہے کہ وہ قطعی بھی ہوتا ہے اور اس سے کئی شاخیں آگے پھوٹتی ہیں۔ اولیاء کے لیے یہ پردے مشقت اور جہد سے اٹھتے ہیں۔

اما بالجوع والریاضۃ ومخالفۃ النفس فحینئذ تنکشف الحجب عن بعض المغیبات فی بعض الاحیان او عن الصور المثالیۃ فیری ذلک عیانا فھو من العلم بالشہادہ ولیس من الغیب فی شیء۔[1]

ترجمہ۔ بھوک ریاضت اور مخالفت نفس سے ان پر بعض اوقات بعض غیبی امور کے پردے اٹھ جاتے ہیں یا مثالی صورتیں ان کے سامنے کھلتی ہیں سو اس صورت میں وہ انہیں کھلا دیکھتے ہیں اور کسی چیز کو سامنے سے دیکھتا ہے اور اس میں غیب کی بات نہیں پائی جاتی۔

کالے علم سے یہ پردے کیسے اٹھتے ہیں؟ اس کے لیے مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون المغربی (۸۰۸ھ) کی شہادت لیں۔

ونفوس الکھنۃ لھا خاصیۃ الاطلاع علی المغیبات بقوی شیطانیۃ۔[2]

ترجمہ۔ اور کاہن لوگوں کو ان شیطانی قوتوں سے بعض غیبی امور پر اطلاع ہو جاتی ہے۔

ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر اس کی جھلک اتارے تو یہ غیب اضافی ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے اطلاع علی المغیبات تو کہہ سکتے ہیں علم غیب نہیں۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۰ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۹۷

خرج بذٰلکَ عن الغیب المطلق وصار غیبًا اضافیًا وذٰلکَ اذا تنورت الروح القدسیۃ وازداد نورانیتھا واشراقھا . . . . ویطلع علی المغیبات[1]

ترجمہ. یہ صورت اب غیب مطلق سے نکل گئی اب یہ غیب اضافی ہے جب روح قدسیہ چمک اُٹھے اور اس کی نورانیت اور اشراق بڑھے تو اس حال میں وہ بعض امور غیبیہ پر اطلاع پا لیتے ہیں۔

ریاضت اور عبادت میں فرق

آفاقی غیوب پر اطلاع پانے کے لیے لوح قلب کا تصفیہ اور دل کا طبیعت کے زنگ سے تجلیہ کیا جاتا ہے۔ یہ حالات یکسوئی اختیار کرنے اور ریاضت سے میسر آتے ہیں۔ انبیاء کرام ان اغراض سے بہت بالا ہوتے ہیں۔ ان کے علوم منصب نبوت کے مبادی اور لواحق سے آگے چلتے ہیں عبادت میں اللہ کی رضا اور اس کے قرب کے سوا ان کی کوئی اور منزل نہیں ہوتی۔ ریاضت کچھ ان اغراض کے لیے بھی ہوتی ہے۔ جن کے لیے مسلمان درویش اور ہندو جوگی یکساں یکسوئی اختیار کرتے ہیں۔ چلّے کاٹتے ہیں اور مخالفت نفس کی آزمائش سے گزرتے ہیں ــــ انبیاء کرام کی طرف ان اغراض کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ نہ نبوت کے سائے میں یہ کھیل کھیلے جا سکتے ہیں۔ علامہ محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں:۔

وکذا یقال فی علم بعض المرتاضین من المسلمین والکفرۃ الجوکیۃ فان کل ما یحصل لھم من ذٰلکَ فانما ھو بطریق الفیض ومراتبہ واحوالہ لا تحصی والتاھل لہ قد یکون فطریًا وقد یکون کسبیًا وطرق اکتسابہ متشعبۃ لا تکاد تستقصی۔[2]

ترجمہ. اور ایسا ہی بعض ریاضت (مشق) کرنے والے مسلمانوں اور ہندو جوگیوں کا معاملہ ہے انہیں غیبی امور پر جو اطلاع ملتی ہے وہ توجہ باندھنے کے طریق

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۵۴ [2] روح المعانی جلد ۲۰ صفحہ ۱۱

سے ہوتا ہے اور اس کے احوال اور مراتب بے شمار ہیں. اس کے لیے اہلیت کبھی فطری (پیدائشی) ہوتی ہے اور اکتساب کے آگے کئی شاخیں ہیں قریب ہے کہ وہ شمار نہ کی جاسکیں.

یہ صحیح ہے کہ اس غیب اضافی پر اطلاع پانے کے لیے ریاضت اور چلوں کی ایک راہ ہے لیکن یہ بات کسی وقت بھی نہ بدلنی چاہیئے کہ وحی کے بغیر جو غیب کے پردے ہیں. ان سے کوئی قطعی بات حاصل نہیں ہوتی. نہ اس میں تقرب الٰہی کا کوئی دخل ہوتا ہے. یہ ایک مشق اور ریاضت ہے. جو بھی کرلے خدا تعالیٰ نے اس کے دروازے ہر کسی پر بند نہیں کیئے. وہ چلہ نشین درویش ہو یا ہندو جوگی یا راہب پادری یا کوئی شعبدہ باز متصوف. جسے لوگ صوفی کے نام سے جانتے ہوں ـــــ وحی کے بغیر جو غیب کی باتیں کسی پر کھلیں ان سے کوئی نظام مرتب نہیں ہوتا. نہ ان میں سے کسی کو کمال کی راہ ملتی ہے. یہ علم ظنی خدا کے حضور کوئی درجہ نہیں رکھتا ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے جن علوم سے حضرت خاتم النبیین کو نوازا. انہیں اپنا فضل فرمایا اور اس کی شان بہت اونچی ہے ـــــ یہاں علم کے عموم میں طلسمات سحر اور شعبدہ بازی کو داخل کرنا بہت بڑی زیادتی ہے.

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيمًا. (پ۵ النساء آیت ۱۱۳)

ترجمہ. اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو آپ پہلے نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت عظیم رہا.

سو انبیاء کرام کبھی قضا و قدر کی تختیاں نہیں پڑھتے نہ روح و امر کے جلووں میں اُلجھتے ہیں. روح کی بات وہ یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں. الروح من امر ربی اور عالم امر کا اتنا پتہ دینا کافی سمجھتے ہیں. الا له الخلق والامر.

قضا و قدر پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں. ان سے لا یرد القضاء الا الدعا کا سبق بھی ملتا ہے ـــــ اطلاع علی الغیب اور اضافی غیب جاننے کو وہ علم غیب نہیں سمجھتے ان کا ہر دفعہ یہی اعلان ہوتا ہے کہ علم غیب صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے.

قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون

ایان یبعثون۔ (پ ۲۰ النمل ۶۵)

اللہ رب العزت نے چلہ نشین جوگیوں اور راہب پادریوں کے ان روحی کھیلوں اور ریاضت کے مختلف جلووں سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے بالا اور پاک رکھا کہ یہ علوم حضرت کی شان کے ہرگز لائق نہ تھے. قضاء وقدر کے بارے میں عقیدہ اسلام وہی ہے جو ہم حضرت امام طحاوی کے حوالے پہلے لکھ آئے ہیں.

مسئلہ علمِ غیب

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے. اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو بھی غیب پر قبضہ نہیں دیا نہ غیب کی چابیاں کسی کے ہاتھ دیں کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کر لیا کرے اللہ تعالیٰ نے کئی عنوانوں سے انبیاء و مرسلین سے علم غیب کی نفی کی ہے. پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذاتِ گرامی سے بارہا علم غیب کی نفی فرمائی. صحابہ کرام اور امہات المؤمنین کا بھی آپ کے بارے میں یہی عقیدہ تھا کہ آپ بطور کلیہ علم غیب نہیں رکھتے. نہ بذاتِ خود آپ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں کہ کوئی چیز آپ سے غائب نہ ہو. اللہ تعالیٰ نے آپ کو لاکھوں کروڑوں غیبی خبریں دیں. مگر کسی نے ان سے آپ کے علم غیب کا عقیدہ قائم نہ کیا. سب اہل اسلام اسی عقیدہ پر رہے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے. ان میں سے کچھ علم پیغمبروں کو عطا ہوا تو وہ اخبار غیبیہ ہیں نہ کہ علم غیب ــــ فافھم ولا تکن من القاصرین.

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مسئلہ علم غیب قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم میں آپ اور جملہ مخلوقات سے علم غیب کی نفی کئی عنوانوں سے کی گئی ہے ہم مسئلہ زیر بحث مختلف عنوانوں سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں. واللہ ولی التوفیق.

(١) اختصاص علم تاریخ بذاتِ باری تعالیٰ

الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ. (پ ١٣ ابراہیم آیت ٩ ع ٢)

ترجمہ. کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جو پہلے ہوئے تم سے قوم نوح کی عاد کی اور ثمود کی. اور جو لوگ ان کے بعد آئے. کسی کو ان کی خبر نہیں مگر ایک اللہ کو.

صدیوں پہلی تاریخ کا ذرہ ذرہ کس کے آگے روشن ہے اور کائنات کا علم محیط کس کے پاس ہے. ایک اللہ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا.

وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین ولکنا انشأنا قروناً فتطاول علیھم العمر وما کنت ثاویاً فی اھل مدین تتلوا علیھم اٰیاتنا ولکنا کنا مرسلین وما کنت بجانب الطور اذ نادینا. (پ۲۰ القصص آیت ۴۵ ع ۵)

ترجمہ. اور تو نہ تھا غرب کی جانب جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور تو نہ تھا دیکھنے والوں میں. لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر ان پر طویل مدت گزری اور تو نہ رہتا تھا اہل مدین میں کہ سُناتا ان کو ہماری آیتیں لیکن ہم رسول بھیجتے رہے ہیں اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن یہ انعام ہے تیرے رب کا.

یعنی تو ان قرونِ متطاولہ میں ان مقامات پر نہ تھا اور آپ تک ان کی خبر نہ پہنچی تھی.

وما یعلم جنود ربک الا ھو وما ھی الا ذکریٰ للبشر. (پ۲۹ المدثر ع ۱)

ترجمہ. اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر صرف وہی اور وہ صرف سمجھاتا ہے بنی نوع انسان کو.

اس سے معلوم ہوا اللہ کے بے شمار لشکروں کی تعداد صرف اسی کو معلوم ہے تاریخ کے یہ دبیز پردے کسی مخلوق کے لیے اٹھے ہوئے نہیں اور کوئی شخص دنیا کے کسی حصے کا علم محیط تفصیلی نہیں رکھتا.

② کن کٹھن منزلوں سے گزرنا ہوگا یہ اسی کے علم میں ہے

قل ما کنت بدعًا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ وما انا الا نذیر مبین۔ (پ ۲۶ الاحقاف آیت ۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور مجھے معلوم نہیں کیا ہوتا ہے میرے ساتھ اور کیا گزرنا ہے تمہارے ساتھ۔ میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو مجھے حکم آتا ہے اور میرا کام یہی ہے ڈر سنانا کھول کر۔

یعنی مجھ پر اس دنیا میں لوگوں کے ہاتھوں کیا گزرے گی اور تم پر کیا حالات پیش آئیں گے یہ میں نہیں جانتا ان حالات زمانہ کو پہلے سے جاننا یہ میرا کام نہیں ہے اور نہ رسول اس قسم کے کاموں کے لیے آتے ہیں — یہ باتیں جو واقع ہونی ہیں واقع ہو کر رہیں گی۔

③ آنحضرتؐ کو تسلی دینا اور انجام کار کامیابی کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو انجام کار بہتر ہونے کی خوشخبری دی اور تسلی دی کہ انجام کار آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے اور آپ کے دشمن آپ کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ اللہ رب العزت نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے — یہ اس قسم کی تسلی اس لیے دی جا رہی ہے کہ آپ علم غیب نہ رکھتے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔

فستبصر ویبصرون بایکم المفتون۔ (پ ۲۹ القلم آیت ۶)

ترجمہ: سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ تھا۔

ما ودّعک ربک وما قلیٰ۔ وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ (پ ۳۰ والضحیٰ آیت ۳)

ترجمہ. تجھے تمہارے رب نے چھوڑا نہیں اور نہ تجھ سے ناراض ہوا اور بے شک تمہارے لیے پچھلی زندگی پہلی زندگی سے بہتر ہوگی اور اللہ تعالیٰ وہ کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے.

یہ انداز بیان بتلا رہا ہے کہ آپ کو آئندہ حالات پر اطلاع نہ تھی. یہ اعلام الٰہی ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ حالات بہتر فرمادیں گے. علم غیب رکھنے والے کو اس طرح تسلی نہیں دی جاتی نہ اگلے حالات اسے اس طرح بتلائے جاتے ہیں.

④ ہدایت کس کے نصیب میں اسے وہی جانتا ہے

آنحضرتؐ آخری وقت تک کوشاں رہے کہ ابو طالب ایمان لے آئیں یہ بات صرف علمِ الٰہی میں تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہ رکھنے کے باعث ان کے ایمان میں کوشاں رہے. سو یہ صرف اللہ کے علم میں ہے کہ ہدایت کس کے نصیب میں ہے. یہ آپ سے علم غیب کی کھلی نفی ہے

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء. (پ۲۰ القصص آیت ۵۶)

ترجمہ. بے شک یہ نہیں کہ تم اپنی طرف سے جسے چاہو ہدایت دے دو لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے.

آپ غیب جانتے ہوتے تو کبھی ابو طالب کے مسلمان ہونے کی تمنا آپ کے دل میں پیدا نہ ہوتی.

⑤ مخفیاتِ صدور کو صرف وہی جانتا ہے

مخفیاتِ صدور منجملہ مغیبات ہیں جو دوسروں سے مخفی اور اپنوں سے مختفی ہوتی ہیں. سینوں کھلی اور چھپی باتیں اور زمین و آسمان کے کھلے اور دبے امور سب اسی کے علم میں ہیں کوئی دوسرا

انہیں جان نہیں پاتا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

(۱) وان ربك ليعلم ماتكن صدورهم وما يعلنون. وهو الله لا اله الاهو له الحمد فى الاولى والآخرة۔ (پ۲۰ القصص آیت ۶۹)

ترجمہ۔ اور تیرا پروردگار جانتا ہے جو چھپاتے ہیں سینے ان کے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ جاننے والا ہے اور وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں دنیا اور آخرت میں بس حمد اسی کی ہے۔

(۲) وان ربك ليعلم ماتكن صدورهم ويعلنون وما من غائبة فى السماء والارض الا فى كتاب مبين۔ (پ۲۰ النمل آیت ۷۵)

ترجمہ۔ اور بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے جو چھپاتے ہیں سینے اُن کے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی چیز پوشیدہ آسمانوں میں اور زمین میں مگر وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔

(۶) مخفیات ارض وسما کو صرف وہی جانتا ہے

(۱) ان الله عالم غيب السموات والارض انه عليم بذات الصدور۔

(پ۲۲ الفاطر آیت ۳۸)

ترجمہ۔ تحقیق اللہ ہے جاننے والا آسمانوں اور زمین کے غیب کا بے شک وہی ہے جاننے والا سینوں کی باتوں کا۔

(۲) يعلم ما يلج فى الارض وما يخرج منها وما ينزل من السماء وما يعرج فيها وهو الرحيم الغفور۔ (پ۲۲ السبا آیت ۲)

ترجمہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہی ہے مہربان بخشش کرنے والا۔

۲۱/۵

(۳) واللہ یعلم مافی السموٰت ومافی الارض واللہ بکل شیء علیم۔

ان اللہ یعلم غیب السموٰت والارض واللہ بصیر بما تعملون۔

(پ ۲۶ الحجرات آیت ۱۸)

ترجمہ۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۱۶) بے شک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے غیب کو اور وہ تمہارے سب عملوں کو دیکھنے والا ہے۔

زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اس کا علم محیط تفصیلی صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ ان آیات کا موضوع اللہ رب العزت کا تعارف ہے۔ یہ آیات اللہ رب العزت کا پتہ دے رہی ہیں اور اس کی شان بیان کر رہی ہیں۔ اگر یہ صفات و شئون کسی اور میں بھی ہوں تو مضمون اپنے موضوع پر نہیں رہتا۔

(۷) آسمانوں اور زمین کے غیب صرف اسی کے آگے کھلے ہیں

(۱) لہ غیب السموٰت والارض ابصر بہ واسمع۔ (پ ۱۵ الکہف آیت ۲۶)

ترجمہ۔ واسطے اسی کے ہے علم غیب آسمان کا اور زمین کا۔ کیا خوب دیکھنے والا ہے اسے اور کیا خوب سننے والا ہے اسے۔ (ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ)

(۲) وللہ غیب السموٰت والارض وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب۔ (پ ۱۴ النحل آیت ۷۷ ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور واسطے اللہ کے ہے علم غیب آسمانوں کا اور زمین کا اور نہیں حال قیامت کا مگر مانند جھپکنے پلک کے یا وہ اس سے زیادہ قریب ہے۔

(۳) وللہ غیب السموٰت والارض والیہ یرجع الامر کلہ فاعبدہ وتوکل علیہ وما ربک بغافل عما تعملون۔ (پ ۱۲ ہود آیت ۱۲۳)

ترجمہ۔ اور واسطے اللہ کے ہیں پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور علم ان کا اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے کام سارا۔ پس عبادت کر اسی کی اور توکل کر اسی پر اور نہیں پروردگار تیرا بے خبر اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔

ان تینوں آیات میں ظرف مقدم ہے جو حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی آسمانوں اور زمین کا علم غیب بس اسی کے واسطے ہے اور کسی کے لیے یہ ثابت نہیں اور جو وہ کسی کو کسی غیب کی خبر دے تو یہ خبر غیب ہے علم غیب نہیں۔ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے اور یہ صرف اسی کی شان ہے۔

۸ علم غیب کا اطلاق صرف اللہ رب العزت کے لیے

علم غیب قلیل ہو یا کثیر اس کے جاننے والے کو عالم الغیب کہنے سے زبان مانع نہیں طب کا علم کسی کے پاس قلیل ہو کثیر اسے عالم طب کہہ سکتے ہیں تو جس کے پاس کچھ بھی علم غیب ہو اسے عالم الغیب کہنے سے لغت ہرگز مانع نہیں آتی ـــــ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی غیب کی خبریں رکھنے والے کو وہ قلیل ہوں یا کثیر کہیں عالم الغیب نہیں کہا گیا۔ آخر کیوں ؟ـــــ یہ اس لیے کہ اخبار غیبیہ کا جاننا اور بات ہے اور علم غیب اور بات ہے۔ مخلوقات کے لیے خبر غیب کی راہ تو کھلی ہے لیکن علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ اس لیے عالم الغیب کا اطلاق قرآن کریم میں صرف اللہ رب العزت کے لیے ہے اس کے سوا کسی اور کے لیے نہیں۔ وہی ایک ہے جو ہر اس بات کو جو انسانوں سے غائب ہو یا انسانوں کے سامنے کھلی ہو بطور کلیہ کے جانتا ہے اور غیب کے مبادی اس سے غائب نہیں۔

جب عالم الغیب صرف وہی ہے تو علم غیب بھی صرف وہی رکھتا ہے اگر آنحضرت ؐ کے لیے یا کسی اور بزرگ اور ولی کے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا جائے تو اس پر عالم الغیب کے اطلاق کو کسی طرح نہ روکا جا سکے گا۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہ اطلاق صرف اللہ رب العزت کے لیے ہوا ہے۔

عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات والارض ولا اصغر من ذٰلك ولا اکبر الا فی کتاب مبین. (پ۲۲ السبا آیت ۳)

ترجمہ. عالم الغیب ہے نہیں پوشیدہ اس سے برابر ایک مثقال کے کوئی ایک چیز بیچ آسمان کے اور نہ بیچ زمین کے. اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا مگر وہ ہے کتاب مبین میں.

عالم الغیب والشهادة. (پ۷ الانعام آیت ۷۳)

تردون الیٰ عالم الغیب والشهادة. (پ۱۱ التوبہ آیت ۹۴، ۱۰۵)

عالم الغیب والشهادة الکبیر المتعال. (پ۱۳ الرعد آیت ۹)

عالم الغیب والشهادة فتعالیٰ عما یشرکون. (پ۱۸ المومنون آیت ۹۲)

عالم الغیب والشهادة العزیز الرحیم. (پ۲۱ السجدہ آیت ۶)

ان الله عالم غیب السموات والارض انه علیم بذات الصدور (پ۲۲ فاطر آیت ۳۸)

قل اللّٰهم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشهادة. (پ۲۴ الزمر آیت ۴۶)

هو الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمٰن الرحیم. (پ۲۸ الحشر آیت ۲۲)

ثم تردون الیٰ عالم الغیب والشهادة. (پ۲۸ الجمعہ آیت ۸)

عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدًا الا من ارتضیٰ من رسول فانه یسلك من بین یدیه ومن خلفه رصدًا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربهم واحاط بما لدیهم واحصیٰ کل شیء عددًا. (پ۲۹ الجن آیت ۲۶)

عالم الغیب والشهادة. (پ۲۸ التغابن آیت ۱۸)

عالم الغیب کے ان اطلاقات کے مقابل ہمیں ایک مقام بھی ایسا نہیں ملتا جہاں کسی پیغمبر اور ولی کے لیے عالم الغیب کا لفظ استعمال ہوا ہے. علم غیب کی اگر کوئی قسم عطائی ہوتی تو اس قسم کے اعتبار سے کہیں تو ہمیں مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق ملتا. اُمید ہے قرآن پاک کی ان شہادتوں کے بعد

اس مسئلہ میں کوئی تردد نہیں رہتا۔ حق یہ ہے کہ علم غیب کی کوئی قسم عطائی نہیں ہے۔

بریلویوں نے عطائی علم غیب کی تاویل گھڑ کر اپنے عوام کو بڑا سخت مغالطہ دے رکھا ہے اگر عوام جان لیں کہ علم غیب کی کوئی قسم عطائی نہیں تو بریلویت ایک لمحہ کے لیے باقی نہ رہ سکے گی۔ اور یہ ریت پر بنا محل دھڑام سے زمین پر آ رہے گا۔

اہل السنۃ والجماعۃ جب بھی قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں کہ علم غیب صرف اللہ رب العزت کی صفت ہے تو بریلوی جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد ذاتی طور پر غیب جاننا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ علم غیب ہوتا ہی ذاتی ہے۔ اس کی کوئی قسم عطائی نہیں۔ ذاتی علم چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اس لیے علم غیب بھی صرف اسی کی صفت ہے۔

(۹) حضورؐ کو اپنے علم غیب کی نفی کرنے کا حکم

(۱) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔ (پ۷ الانعام آیت ۵۰ ع ۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں نہیں کہتا میں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو مجھے حکم دیا جا رہا ہے۔

(۲) ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ولا اقول للذین تزدری اعینکم لن یؤتیھم اللہ خیراً۔ اللہ اعلم بما انفسھم۔ (پ۱۲ ہود آیت ۳۱)

ترجمہ۔ اور نہیں کہتا ہوں میں تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہیں جانتا میں غیب کو اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں انہیں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی بھلائی نہ دے گا اور خوب جانتا ہے

جو کچھ ان کے جی میں ہے۔

اب کیا یہاں یہ معنی کیئے جائیں گے کہ میں ذاتی طور پر اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں؟ میں ذاتی طور پر علم غیب نہیں رکھتا؟ اور میں ذاتی طور پر فرشتہ نہیں ہوں؟ العیاذ باللہ. اللہ تعالیٰ نے جس پیرایہ میں آپ سے علم غیب کی نفی کرائی ہے اسی پیرائے میں آپ سے فرشتہ ہونے کا انکار کرایا ہے.
سو جس طرح آپ نہ ذاتی طور پر فرشتہ ہیں نہ خدا کے بنانے سے اسی طرح نہ آپ خود غیب جانتے ہیں نہ اللہ کے بتانے سے ــــ عطاء الٰہی سے بھی آپ کو غیب دانی کی چابیاں نہیں دی گئیں کہ جب چاہیں چابی لگالیں اور غیب کی بات معلوم کرلیا کریں ــــ اللہ تعالیٰ غیب کی باتوں کا علم دے وہ سب جزئیات ہوں گی. علم غیب ایک کلیہ ہے جس سے غیب کی بات خود معلوم ہوتی ہے مخلوقات میں بطور کلیہ غیب کو کوئی نہیں جانتا. نہ اللہ تعالیٰ نے بطور کلیہ کسی کو غیب دانی دی ہے. آپ نے جس طرح اپنے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے اسی پیرائے میں اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے.

⑩ زمین و آسمان کی کل مخلوق سے علم غیب کی نفی کا اعلان

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون. (پ۲۰ النمل آیت ۶۵ ع ۵)

ترجمہ. کہہ نہیں جانتا کوئی بیچ آسمانوں کے اور زمین کے غیب کو مگر اللہ اور نہیں جانتے کہ وہ کس وقت اٹھائے جائیں گے.

یہ جو دوسرا جملہ ہے کہ یہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے. کیا یہ صرف علم ذاتی کی نفی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خود جاننے سے یا کسی کے بتلانے سے جو صورت بھی ہو ان کو علم نہیں کہ کب اُٹھائے جائیں گے. اس میں جس طرح علم ذاتی کی نفی ہے عطائی کی بھی نفی ہے. سو پہلے جملے میں بھی علم غیب مطلق کی نفی ہے کہ جسے علم غیب کہتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی صفت ہے. اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا.

مولانا احمد رضا خاں کا دعویٰ کہ یہ آیت محکم نہیں

قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ۱۔ محکمات اور ۲۔ متشابہات ـــ محکمات وہ آیات ہیں جو اپنے مضمون میں نہایت واضح اور پختہ ہیں اور ان میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں ہوتا متشابہات وہ ہیں جن میں دو یا زیادہ معانی کے محتمل الفاظ اشتباہ پیدا کریں۔ اسلام کی چودہ صدیوں میں کسی معروف عالم نے اس آیت کو متشابہات میں سے نہیں لکھا۔ بلکہ بڑے بڑے علماء اثبات عقیدہ میں اس سے استدلال کرتے آئے ہیں۔ اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی تو اہل حق اس سے کبھی استدلال نہ کرتے۔ متشابہات سے استدلال وہی کرتے ہیں جو فتنہ چاہتے ہوں۔ اور اہل حق میں سے نہ ہوں قرآن کریم میں ہے۔

واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله۔ (پ۳ آل عمران آیت ۷)

ترجمہ۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں اس میں متشابہات کی گمراہی چاہنے کے لیے اور اس کی حقیقت جاننے کے لیے)

مولانا احمد رضا خاں تسلیم کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ بالا اپنے ظاہر کے اعتبار سے ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمات میں سے نہیں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

اسی طرح لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ کسی طرح کا علم غیب کسی کو نہیں سوائے رب عزوجل کے ..... سو یہ آیت اپنے عموم ظاہری پر محکم نہیں ہو سکتی [۱]

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں یہ الفاظ کسی طرح کا علم غیب کہاں سے لے آئے ہیں۔ جب

---

[۱] ملفوظات حصہ ۴ صد ۲۶

علم غیب کی کوئی دوسری قسم ہی نہیں ہے تو مولانا یہ الفاظ کسی طرح کا علم غیب، یہاں کہاں سے لے آئے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ آیت محکمات میں سے ہے اور انہوں نے کتب عقائد میں اس سے استدلال کیا ہے اور اس پر فتوے دیا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا قائل وہ اس آیت کا معارض ہے اور حکماً کافر ہے حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسائرہ ھ

ترجمہ: حنفیہ نے تصریح سے اسے کافر کہا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے یہ اس لیے کہ یہ عقیدہ معارض ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ آسمانوں اور زمین میں ایک اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ یہ بات مسائرہ میں ہے۔

پھر ملا علی قاری نے بھی شرح فقہ اکبر میں اسے نقل کیا ہے۔

ثم اعلم ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانًا ...... و ذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسائرہ۔[1]

مولانا احمد رضا خاں کی پریشانی کی وجہ

انبیاء کرام نے جو صدہا غیوب کی خبریں دی ہیں پڑھے لکھے لوگ انہیں اخبارِ غیبیہ کہتے ہیں، علم غیب نہیں کہتے۔ مولانا احمد رضا خاں کی یہ غلطی ہے کہ وہ انہیں اخبارِ غیبیہ نہیں علم غیب سمجھ رہے ہیں

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۲۲۵ مصری

اور ان کے ذہن کے مطابق ان کا علوم غیب میں سے ہونا آیت متذکرہ بالا سے ٹکرا رہا ہے۔ اگر مولانا شروع سے مخلوق کے علم پر علم غیب کا لفظ نہ بولتے تو انہیں ان کا عقیدہ آیت متذکرہ سے ٹکراتا محسوس نہ ہوتا ــــ افسوس کہ مولانا نے یہ نہ سوچا کہ اگر یہ نفی علم غیب کی آیت محکم نہ ہوتی تو پھر علمائے سلف میں سے کسی نے تو اس آیت کو متشابہات میں داخل کیا ہوتا ــــ مولانا احمد رضا خاں کے پورے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

اسی طرح لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ کسی طرح کا علم غیب کسی کو نہیں سوائے رب عزوجل کے۔ حالانکہ انبیاء کرام نے صدہا علوم غیب (اخبار غیبیہ) جنت و نار و ملائکہ و جن حساب ثواب عذاب عقاب میزان صراط اعراف کے متعلق بیان فرمائے تو معاذ اللہ کذب الٰہی لازم آیا تو معلوم ہوا کہ یہ آیت اپنے عموم پر ظاہر نہیں ...... یہ آیت اپنے عموم ظاہری پر محکم نہیں ہو سکتی۔[1]

مولانا کو اخبار غیبیہ پر صدہا علوم غیب کا اطلاق کر کے کچھ ہوش کی انگڑائی لینی چاہیئے تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ یونہی کذب الٰہی ثابت کرنے کے درپے ہو گئے کذب الٰہی محال ہے۔ کلام الٰہی اس امر سے بالا ہے کہ اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں۔

(۱۱) غیب کی سب کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ (پ الانعام آیت ۵۹ ع ۷)

ترجمہ۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں کوئی نہیں جانتا مگر وہی ایک۔

---

[1] ملفوظات حصہ ۴ ص ۴۲

اور جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی میں اور جو کچھ ہے سمندر میں اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ بیچ اندھیروں کے ـــ اور نہ کوئی تر چیز مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں ہے۔

⑫ وللہ غیب السمٰوات والارض والیہ یرجع الامر کلہ . (پ۱۲ ہود آیت ۱۲۳)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کا غیب اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ہر کام کا۔

یہ جو کہا اللہ ہی کے پاس ہے اسے حصر کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اور کوئی آسمانوں اور زمین کے غیب کو نہیں جانتا۔ للہ (اللہ ہی کے پاس ہے) پہلے آیا ہے۔ ظرف مقدم ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر یوں ہوتا غیب السمٰوات والارض للہ تو پھر بات اس طرح نہ رہتی۔ اس آیت شریفہ میں للہ (ظرف) مقدم ہے۔ سو یہ خاص علم اسی کے لیے ہے۔

آنحضرت کا اپنی ذات گرامی سے علم غیب کی نفی کرنا

① ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی روایت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمات آتے اور آپ سے دونوں فریق اپنی اپنی بات کہتے۔ اندر کی بات یا انہیں معلوم ہوتی یا اللہ رب العزت کو — آپ کے سامنے اگر کوئی شخص اپنی بات زیادہ بنا سنوار کر رکھے اور دوسرا اپنی بات زیادہ واضح نہ کر سکے اور آپ پہلے کے حق میں فیصلہ دے دیں اسے سچا سمجھیں تو وہ شخص یہ نہ سمجھے کہ میں اب اس کا حقدار ہو گیا ہوں اس طرح وہ جو کچھ لے کر جا رہا ہے وہ آگ کا ٹکڑا ہے — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیاخذها او یترکها۔[1]

ترجمہ۔ سو اس صورت میں کسی کو میں کسی دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو یہ اس کے لیے آگ کا ٹکڑا ہے اب وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ کسی طرح کی کوتاہی نہ سمجھی جائے گی کہ آپ نے اندر کی بات کو کیوں نہ پا لیا علم غیب صرف اللہ کی شان ہے۔ جب تک وہ کسی بات کی خود خبر نہ دے آپ خود اسے کیسے جان لیں گے۔ حضرت امام شافعی اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

ولی السرائر الله عز وجل فالحلال والحرام علی ما یعلمه الله تبارك وتعالی والحکم علی ظاهر الامر وافق ذلك السرائر او خالفها۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۵ مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۴ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ سنن کبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۳

[2] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۳۷

ترجمہ۔ اندر کی باتوں کو جاننے والا اللہ عزوجل ہی ہے سو کسی کا حق ملا یا حرام ہونا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظاہری امور پر ہوتا ہے وہ حقیقت الامر کے مطابق اُترے یا اُلٹ ہو۔

اُلٹ ہونے کی صورت میں ناجائز لینے والا اللہ رب العزت کے ہاں پکڑا جائے گا۔ کہ اس نے چالاکی سے دوسرے کا حق کیوں دبا لیا۔ وہ وہاں یہ نہ کہہ سکے گا کہ اے اللہ تیرے پیغمبر نے میرے حق میں فیصلہ دیا تھا کیونکہ امورِ باطنہ کو جاننا آپ کی ذمہ داری نہ تھی اور نہ آپ غیب جانتے تھے۔

بریلویوں کا ایک جواب

ہم حنفی ہیں شافعی نہیں۔ ہم اس حدیث کی شافعی شرح کیوں قبول کریں۔

الجواب: عقائد میں سب امام ایک ہیں۔ ان کے اختلافات مسائل اور فروعات میں ہیں عقائد میں نہیں اس پہلو سے ہم حضرت امام شافعی کو اپنا امام ہی سمجھتے ہیں —— تاہم لیجئے ہم حنفی شرح بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں:۔

ولا ادری ما تحاکمون فیہ عندی وتختصمون فیہ لدی وانما اقضی بینکم علی ظاھر ما تقولون [۱]

ترجمہ۔ اور میں نہیں جانتا جو مقدمہ تم لے کر میرے پاس آتے ہو اور اس میں میرے سامنے جھگڑ رہے ہو۔ میں تو تمہاری باتوں کے ظاہر پر تمہیں فیصلہ دے رہا ہوں۔

یعنی میرا یہ فیصلہ اگر تم نے چالاکی سے لے لیا ہے تو یہ تمہیں آخرت میں اللہ کی پکڑ سے

---

[۱] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صا۲۴

نہ بچا سکے گا۔ اس کے بعد حضرت علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

فاذا کان الانبیاء علیہم السلام لا یعلمون ذٰلک فغیر جائز ان یصح دعویٰ غیرھم من کاھن او منجم العلم وانما یعلم الانبیاء من الغیب ما اعلموا بہ بوجہ من الوحی۔[1]

ترجمہ۔ سو جب انبیاء کرام علیہم السلام غیب نہیں جانتے تو کسی کاہن یا نجومی کا اسے جاننے کا دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے انبیاء کرام غیب کی صرف وہی باتیں جانتے ہیں جو انہیں وحی کے کسی انداز میں بتلائی جائیں۔

علمائے شافعیہ نے بھی علمائے حنفیہ کی شرح کو اسی طرح تسلیم کیا ہے۔ علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

اتی بہ للرد علی من زعم ان من کان رسولاً یعلم الغیب فیطلع علی البواطن ولا یخفی علیہ المظلوم۔[2]

ترجمہ۔ اس بات کو ان لوگوں کے رد میں بیان کیا گیا ہے جو سمجھتے ہیں کہ جو رسول ہو ضروری ہے کہ وہ علم غیب رکھتا ہو بواطن پر وہ مطلع ہو۔ اور کسی کا مظلوم ہونا اس سے مخفی نہ رہ سکے۔

نویں اور دسویں صدی ہجری کی یہ شہادتیں آپ کے سامنے ہیں۔ آٹھویں صدی کے علامہ طیبی نے بھی یہی بات کہی تھی۔ حضرت شیخ عبدالغنی المجددی الدہلوی (۱۲۹۵ھ) انجاح الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ میں علامہ حسین بن عبداللہ الطیبی (۷۴۲ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

ان وضع البشری یقتضی ان لا یدرک من الامور الا ظاھرھا وعصمتہ انما ھو عن الذنوب۔[3]

ترجمہ۔ آنحضرت کو وضع بشری مقتضی ہے کہ آپ ظاہر امور کو ہی جانتے ہوں اور

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۴ [2] ارشاد الساری جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ [3] انجاح الحاجہ صفحہ ۱۶۹

آپ کا معصوم ہونا گناہوں کے بارے میں ہے (نہ جاننے کے بارے میں نہیں)
یعنی خلاف حقیقت فیصلہ دینا گناہ نہیں ہے. فیصلے ظاہر امور پر دیئے جاتے ہیں بواطن امور کو جاننا پیغمبر کے منصب میں سے نہیں ہے۔

ساتویں صدی کے علامہ نووی (۶۷۶ھ) اس حدیث کی شرح میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمات کی اس بحث میں اپنی بشریت کو پیش کیوں فرمایا. لکھتے ہیں :۔

معناه التنبیه علی حالة البشریة وان البشر لا یعلمون من الغیب و بواطن الامور شیئا الا ان یطلعهم الله علی شیء من ذلک۔[1]

ترجمہ. اس حدیث کا معنی آپ کا اپنی حالتِ بشریہ پر متنبہ کرنا ہے اور یہ کہ انسان غیب اور باطنی باتوں کو نہیں جانتے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی چیز پر مطلع فرمادے۔

یہ صحیح ہے کہ انبیاء دوسرے انسانوں سے اس باب میں ممتاز ہیں. اللہ تعالیٰ انہیں کبھی غیبوں پر مطلع کر دیتے ہیں لیکن یہ کسی کسی بات میں ہوتا ہے. بطور کلیہ غیب کی چابی ان کے ہاتھ میں نہیں دی جاتی. علامہ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) لکھتے ہیں :۔

کان یفترق مع الغیر فی اطلاعه علی ما یطلعه الله من الغیوب الباطنة وذلک فی امور مخصوصة لا فی الاحکام العامة۔[2]

ترجمہ. آنحضرتؐ دوسروں سے اس میں ممتاز ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غیوب باطنہ پر مطلع بھی تو کرتے رہے لیکن ایسا امور مخصوصہ میں ہوا احکام عامہ میں نہیں۔
اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میں بھی تو انسان ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہاں کل غیب جاننے کی نفی ہے جزئیات پر مطلع ہونا اس کے منافی نہیں۔

---

[1] شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۴ [2] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۱

اتی به رداً علیٰ من زعم ان من کان رسلا فانه یعلم کل غیب[1]

ترجمہ۔ اس کو اس شخص کے رد میں بیان کیا ہے جو سمجھے کہ جو رسول ہو ضروری ہے کہ وہ غیب جانتا ہو۔

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

انما انا بشر —— ای فلیس اطلاع علی المغیبات۔[2]

ترجمہ۔ میں بشر ہوں —— مجھے غیبی امور پر اطلاع نہیں ہے۔

یہ ہم نے ساتویں آٹھویں نویں اور دسویں صدی کی شہادت آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ ان محدثین نے اس حدیث کے وہی معنی سمجھے ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں کہ اس سے آنحضرتؐ کا مقصد اپنی ذات گرامی سے علم غیب کی نفی کرنا ہے۔ گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اشعۃ اللمعات جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ میں اسی کے موافق چلے ہیں۔ علامہ شہاب الدین الخفاجی (۱۰۶۹ھ) نے بھی شرح شفا جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ میں یہی بات کہی ہے کہ حضورؐ کا انما انا بشر کہنے کا مطلب یہ تھا کہ لا اعلم الغیب میں غیب نہیں جانتا۔

بارہویں صدی میں آپ یہی بات شیخ احمد ملا جیون (۱۱۳۰ھ) سے سنیں گے۔ یہی صدائے بازگشت آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) سے سنائی دے گی۔ تیرہویں صدی میں قاضی ثناء اللہ صاحب (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) اور علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) اور نواب قطب الدین خاں صاحب مظاہر حق (۱۲۷۹ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے آئیے اب ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔

شیخ محمد حبیب اللہ الشنقیطی کے نامور شاگرد محمد فواد عبدالباقی مؤلف اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان میں حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

اتی به للرد علیٰ من زعم ان من کان رسولاً یعلم الغیب فیطلع علی البواطن

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۱ [2] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۸۳

ولا یخفی علیہ المظلوم ونحو ذلک فاشار الی ان الوضع البشری یقتضی لہ ان لا ید رک من الامور الا جواہرھا..... طرأ علیہ ماطرأ علی سائر البشر فاقضی لہ بذلک الذی سمعتہ منہ قطعۃ من النار ای طائفۃ من النار ای من قضیت لہ بظاہر یخالف الباطن فھو حرام فلا یاخذن ما قضیت لہ لانہ یاخذ مایؤول بہ الی قطعہ من النار[1]

ترجمہ: آپ کا یہ جواب ان لوگوں کے رد میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ جو رسول ہو وہ علم غیب رکھتا ہے اور چھپے امور پر مطلع ہوتا ہے اور اس سے مظلوم مخفی نہیں رہ سکتا۔ اس پر آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وضع بشری تقاضا کرتی ہے کہ بغیر اشیاء کے صرف ظاہر اجسام کو دیکھتا ہے اور اس پر وہ سب حالات آتے ہیں جو کسی انسان پر طاری ہوتے ہیں..... سو میں فیصلہ کر دوں اس کے مطابق جو میں نے اس سے سُنا ہو ایک قطعہ آگ کا ہے۔ یعنی میں جس کے حق میں ظاہر کے مطابق جو حقیقت کے خلاف ہو فیصلہ کر دوں تو وہ چیز اس کے لیے حرام ہی رہے گی سو اسے ہرگز وہ چیز نہ لینی چاہیئے جس کا میں نے اس کے لیے فیصلہ کیا ہو کیونکہ اس صورت عمل میں وہ اس چیز کو لے رہا ہے جو انجام کار اس کے لیے جہنم کا ایک حصہ بنے گی۔

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات

(۱) ـــــ غزوہ بنی المصطلق میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہار جو آپ نے اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے مستعار لیا تھا گم ہو گیا۔ آنحضرتؐ بھی اسے تلاش کرتے رہے اور صحابہؓ بھی اسے تلاش کرتے رہے مگر وہ ملا نہیں۔ حضورؐ نے حضرت اسید بن حضیرؓ کو چند ساتھیوں کے ساتھ اسے تلاش

---

[1] اللؤلؤ والمرجان حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴

کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بھیجا مگر ہار نہ ملا۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے چلنے کا عزم کر لیا۔ وہ اونٹ جس پر حضرت عائشہؓ کا ہودج تھا جب وہ اٹھا تو اس کے نیچے سے وہ ہار ملا۔

یہ حدیث صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸ جلد دوم صفحہ ۶۶۳ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ مسند ابی عوانہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۳۴ اور موطا امام مالک صفحہ ۱۹ میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں:۔

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ حتی اذا کنا بالبیداء اوبذات الجیش انقطع عقد لی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ ولیسوا علی ماء فاتی الناس الی ابی بکر الصدیق فقالوا الاتری ما صنعت عائشۃؓ اقامت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس ولیسوا علی ماء ولیس معھم ماء...... فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فاصبنا العقد تحتہ۔[۱]

ترجمہ۔ ہم حضور اکرمؐ کے ساتھ کسی سفر میں نکلے جب ہم کسی میدان یا کسی لشکر کے پڑاؤ میں تھے کہ کہیں میرا ہار گر گیا۔ آنحضرتؐ اس کی تلاش میں ٹھہرے رہے اور آپ کے ساتھ لوگ بھی ٹھہر گئے۔ وہاں پانی نہ تھا لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور کہا کیا آپ کو معلوم نہیں، حضرت عائشہؓ نے کہا کیا ہے (ہار گم کر دیا ہے) حضورؐ اور لوگوں کو ٹھہرا رکھا ہے اور وہ پانی پر ٹھہرے ہوئے نہیں اور ان کے پاس ذخیرہ کردہ پانی بھی نہیں ہے...... سو ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں تھی، سو ہم نے ہار کو اس کے نیچے گرا پایا۔

(۲) ــــ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ خندق سے واپس ہوئے تو آپ نے غسل فرمایا۔ آپ کے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا ہم نے تو ابھی ہتھیار نہیں

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸

رکھے آپ نے رکھ دیئے ہیں ؟ اِدھر چلیئے۔ حضورؐ نے پوچھا کدھر ؟ حضرت جبریل نے بنو قریظہ کی طرف چلنے کو کہا۔ اس پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر نکلے۔ حضرت ام المومنین بیان کرتی ہیں :۔

لما رجع النبی من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیھم قال فالیٰ این ؟ قال ھٰھنا واشار الیٰ بنی قریظۃ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم[1]

ترجمہ جب نبی کریمؐ غزوہ خندق سے لوٹے اور آپ نے ہتھیار رکھ دیئے اور آپ نے غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل حاضر ہوئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار رکھ دیئے ہیں لیکن بخدا ہم نے نہیں رکھے۔ آپ اُدھر نکلیں حضورؐ نے کہا کدھر ؟ جبریل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ ادھر نکلے۔

(۳) ــــــ حضرت عائشہؓ کا اپنا عقیدہ بھی یہی تھا کہ آنحضرتؐ غیب نہیں جانتے مسروق بن اجدعؒ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :۔

من حدثک انہ یعلم ما فی غدٍ فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غدًا ومن حدثک انہ کتم فقد کذب ثم قرأت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک[2]

ترجمہ۔ جو تمہارے پاس یہ بیان کرے کہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا۔ تو اس نے جھوٹ بولا پھر آپ نے قرآن کریم کا یہ حصہ پڑھا (کوئی جی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا) آپ نے کہا جو شخص تیرے سامنے بیان کرے کہ حضورؐ نے دین کی کوئی بات چھپائی تو اس نے بھی بہت بڑا جھوٹ بولا پھر آپ نے قرآن کریم کا یہ حصہ پڑھا۔ اے رسول! آپ پہنچا دیں جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اُتارا گیا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۰ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲۰

④ — عن عائشةؓ قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عندی وھو قریر العین طیّب النفس فرجع الی وھو حزین فقلت لہ فقال انی دخلت الکعبة وودت انی لم اکن فعلت[1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضورؐ میرے پاس سے گئے اور آپ بہت مطمئن اور خوش خوش تھے جب آئے تو غمگین تھے میں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا میں کعبہ میں داخل ہوا تھا اور میں چاہتا تھا کہ ایسا نہ کرتا۔

یہ حدیث سنن ابی داؤد میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

واو استقبلت من امری ما استدبرت ما دخلتھا انی اخاف ان اکون شققت علی امتی[2]

ترجمہ: اس بات کو مجھے پہلے سے معلوم ہوتا جو اب ہوا تو میں کعبہ میں داخل نہ ہوتا مجھے اندیشہ ہوا کہ میں نے اپنی امت پر ایک مشقت ڈالی ہے۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کے جاننے کا دعویٰ نہ تھا ورنہ آپ اس طرح کھل کر نہ کہتے کہ جو بات اب مجھ پر کھلی ہے یہ پہلے مجھے معلوم نہ تھی جس کو علم غیب عطا ہو چکا ہو وہ کبھی نہیں کہتا کہ یہ بات مجھے پہلے معلوم نہ تھی۔

⑤ — عن عائشة انھا قالت واعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام فی ساعة یاتیہ فیھا فجاءت تلک الساعة ولم یاتہ وفی یدہ عصا فالقاہ من یدہ وقال ما یخلف اللہ وعدہ ولا رسلہ ثم التفت فاذا جرو کلب تحت سریر فقال یا عائشة متی دخل ھذا الکلب ھھنا فقالت واللہ مادریت فامر بہ فاخرج فجاء جبرئیل علیہ السلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واعدتنی فجلست لک فلم تات فقال منعنی الکلب الذی کان فی

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۷

بیتك انا لا ندخل بیتا فیه کلب ولا صورة۔[1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں حضرت جبریل حضورؐ سے وعدہ کر کے گئے کہ وہ آپ کے پاس فلاں وقت آئیں گے۔ وہ گھڑی آ پہنچی اور آپ نہ آئے۔ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ نے اسے پھینک دیا اور کہا اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے کبھی بدعہدی نہیں کرتے۔ یہ کیا ہوا؟ پھر آپ نے توجہ کی کیا دیکھتے ہیں کہ پلنگ کے نیچے ایک کتے کا پلا ہے۔ آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ کب آیا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا بخدا میں نہیں جانتی آپ نے حکم دیا اور وہ نکالا گیا پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ حضورؐ نے انہیں کہا۔ آپ نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا آپ نہ آئے۔ انہوں نے کہا مجھے اس کتے نے روکا ہوا تھا جو آپ کے گھر میں تھا۔ ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا کوئی تصویر ہو۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:-

حدیث صحیح ہے کہ جبریل کل کسی وقت حاضری کا وعدہ کر کے چلے گئے دوسرے دن انتظار رہا مگر وعدہ میں دیر ہوئی اور جبریل حاضر نہ ہوئے۔ سرکارؐ باہر تشریف لائے ملاحظہ فرمایا کہ جبریل علیہ السلام در دولت پہ حاضر ہیں۔ فرمایا کیوں؟ عرض کیا رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو اندر تشریف لائے۔ سب طرف تلاش کیا کچھ نہ تھا۔ پلنگ کے نیچے ایک کتے کا پلا نکلا اسے نکالا تو حاضر ہوئے۔[2]

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہ رکھتے تھے ورنہ آپ کو کتا تلاش کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑتی۔ حضرت عائشہؓ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علم غیب حاصل نہیں

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [2] ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۴۳

ورنہ وہ حضورؐ سے کہتیں آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا تھا کتا کہاں چھپا ہے اور مجھے اسے تلاش کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑتی۔

ے مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

۳ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں مجھے حضرت میمونہؓ نے بتایا کہ ایک روز آنحضرتؐ پریشان خاطر تھے۔ آپ نے پوچھا حضورؐ میں نے آپ کو کبھی اس طرح پریشان حال نہیں دیکھا۔ آپ نے کہا جبریل نے اس شب آنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ نہیں آئے۔ آپ سارا دن اسی طرح رہے پھر آپ کو یاد آیا کہ کتے کا پلا عمود خیمہ کے نیچے ہے۔ آپ نے اسے نکالنے کا حکم دیا اور اپنے دستِ مبارک سے اس جگہ پر پانی چھڑکا۔ پھر جب شام ہوئی حضرت جبریل تشریف لائے۔

حضرت میمونہؓ کہتی ہیں:-

ثم وقع فی نفسہ جرو کلب تحت فسطاط لنا فامر بہ فاخرج ثم اخذ بیدہ ماءً فنضح مکانہ فلما امسی بقیہ جبریل علیہ السلام[1]

ترجمہ پھر آپ کو یاد آیا کہ آپ کے عمود خیمہ کے نیچے کتے کا پلا موجود ہے آپ نے اس کے نکالنے کا حکم دیا اور اپنے ہاتھ سے اس جگہ پانی چھڑکا۔ پھر جب شام ہوئی حضرت جبریل حاضر ہوئے۔

یہ دوسرا واقعہ ہے اس میں کتے کو تلاش نہ کرنا پڑا لیکن دھیان نہ رہا تھا کہ کتا عمود خیمہ کے نیچے موجود ہے — تاہم حضرت جبریل کے وعدہ کے مطابق نہ آنے پر آپ پریشان رہے۔ آپ کو علم غیب ہوتا تو سارا دن اس پریشانی میں نہ رہتے کہ جبریل وعدہ کے مطابق کیوں حاضر نہ ہوئے اتنا وقت گزرنے کے بعد تب کہیں یاد آیا کہ عمود خیمہ کے نیچے کتا موجود ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۹۹

④ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیؓ کا واقعہ

حضرت صفیہؓ یہود کے سردار حیؓ کی بیٹی تھیں۔ فتح خیبر پر بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جو عورتیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں ان میں یہ بھی تھیں۔ آنحضرتؐ نے باندیوں کو تقسیم کیا تو یہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں۔ ایک دوسرے صحابی نے جو انہیں جانتا تھا حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ اپنے قبائل کی سیدہ ہے۔ اسے آپ کے ہاں ہونا چاہیئے۔ آپ نے تحقیق حال کی۔ حضرت دحیہؓ کو بلایا اور کہا ان قیدی عورتوں سے اور کسی کا انتخاب کرلو اور اسے اپنے ہاں رکھا ـــــ پھر کیا ہوا اسے حضرت انسؓ کی زبانی سُنیئے۔ آپ کہتے ہیں:۔

فجاء رجل الیٰ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیہ بنت حیی سیدہ قریظہ والنضیر ما تصلح الا لک[1]

ترجمہ۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ اے اللہ کے نبی! آپ نے حضرت دحیہؓ کو صفیہؓ جو قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں دے دی ہیں وہ اپنے مقام کے لحاظ سے آپ کے لائق تھیں۔

فاعتقہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتزوجہا۔۔۔۔ حتیٰ اذا کان بالطریق جہزتہا لہ ام سلیم فاھدتہا لہ من اللیل فاصبح النبیؐ عروسًا فقال من کان عندہ شئ فلیجیٔ بہ قال وبسط نطعًا۔۔۔۔۔ فکانت ولیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کیا اور پھر اس سے نکاح کیا۔ آپ واپسی کے رستہ میں تھے کہ ام سلیم نے حضرت صفیہ کو دلہن بنایا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ صبح کو آپ اس سے شادی شدہ تھے۔ آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۵۹، صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۴ [2] ایضًا

بچھا دیا اور فرمایا جس کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ ہو لے آؤ۔ صحابہ کرامؓ بہت سی اشیاء لے آئے یہ آنحضرتؐ کا ولیمہ تھا۔

اب حضرت صفیہؓ بنت حیّ ام المومنین بن چکی تھیں۔ آپ کا پہلے حضرت دحیہؓ کو دیا جانا مناسب نہ تھا۔ حضرت دحیہؓ گو صحابی جلیل تھے مگر ایک سپاہی تھے اور یہ اپنے قبیلہ کی سردار تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی عزتِ نفس کا پورا خیال رکھتے اور اسی احساس سے آپ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا۔

اگر آپ علمِ غیب رکھتے ہوتے تو پہلے انہیں حضرت دحیہؓ کے تملک میں نہ دیتے اور شروع سے جانتے ہوتے کہ کون کس کس کے مناسب ہے۔ پھر جب اس صحابی نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تو آپ مزید تحقیق نہ فرماتے۔

ترتیب واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نہ آنحضرتؐ کا دعوےٰ تھا کہ آپ غیب جانتے ہیں اور نہ صحابہؓ سمجھتے تھے کہ آپ ہر بات پہلے سے جانتے ہیں ورنہ وہ حضورؐ کی خدمت میں آکر اپنا مشورہ پیش نہ کرتے اور نہ حضورؐ اسے قبول کرتے بلکہ فرماتے کہ کیا میں پہلے سے ان تمام باتوں کو نہیں جانتا۔

⑤ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا واقعہ

حضرت زینبؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے سنہ ہجری میں ہوا۔ دعوتِ ولیمہ پر جو صحابہؓ آئے وہ کھانا کھانے کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہے۔ آپؐ اٹھ گئے تاکہ یہ حضرات بھی اپنے اپنے کاموں کے لیے اُٹھ جائیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ حضورؐ واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ بدستور بیٹھے ہیں ابھی واپس نہیں ہوتے آنحضرت پھر چلے گئے۔ صحابہؓ کو محسوس ہوا کہ ان کی یہ طویل مجلس حضورؐ کو ناگوار گزری ہے اور پھر وہ اُٹھ دیئے۔

آنحضرتؐ کو اگر علم غیب ہوتا تو وہ جا کر نہ لوٹتے اور جانتے ہوتے کہ ابھی وہ اُٹھ کر نہیں

گئے ہیں. آپ کو یہ گمان کیوں ہوا کہ وہ چلے گئے ہوں گے ؟ اس لیے کہ آپ علم غیب نہ رکھتے تھے. اور آپ کو حقیقتِ حال کا پتہ نہ تھا نہ آپ پر اس کے لیے کوئی وحی خفی آئی تھی. حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں :-

بقی رھط عنھم عند النبیؐ فاطالوا المکث فقام النبیؐ فخرج وخرجت معه لکی یخرجوا فمشی النبیؐ ومشیت حتی جاء عتبة حجرة عائشة ثم ظن انھم خرجوا فرجع ورجعت معه حتی اذا دخل علی زینب فاذاھم جلوس لم یقوموا فرجع النبیؐ ورجعت معه حتی اذا بلغ عتبة حجرة عائشة وظن انھم خرجوا فرجع ورجعت معه فاذا ھم قد خرجوا[1]

ترجمہ ان میں سے کچھ لوگ آنحضرتؐ کے پاس رہ گئے اور وہ دیر تک ٹھہرے رہے آنحضرتؐ اُٹھے اور چلے میں بھی آپ کے ساتھ چلا تاکہ وہ چلے جائیں آنحضرتؐ چلے اور میں بھی چلا یہاں تک کہ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازہ تک آئے آپ نے گمان کیا کہ اب وہ نکل گئے ہوں گے سو آپ لوٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا جب آپ حضرت زینبؓ کے دروازہ پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بیٹھے ہیں ابھی نہیں اٹھے پھر حضورؐ لوٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا جب آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازہ تک آئے اور گمان کیا کہ اب تو وہ چلے گئے ہوں گے تو وہ واپس لوٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا اب وہ جا چکے ہوئے تھے.

آپ دو دفعہ اس گمان سے واپس ہوئے کہ وہ جا چکے ہوں گے. پہلا گمان درست نہ پڑا اور دوسرا درست پڑا. اگر آپ علم غیب جانتے ہوتے تو گمان میں کیوں پڑتے اور وہ گمان پھر خلافِ واقع کیوں اُترتا ـــــ سو حق یہی ہے کہ آپ کا غیب جاننے کا دعویٰ ہرگز نہ تھا.

امہات المومنینؓ کی ان شہادتوں اور واقعات کے بعد ہم صحابہ کرامؓ سے اس کی شہادتیں پیش کرتے ہیں کہ ان کا اس مسئلہ میں عقیدہ کیا رہا. صحابہؓ کے سامنے آنحضرتؐ کبھی کسی انتظامی معاملہ میں اجتہاد سے بھی کام لیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برعکس ہدایت آجاتی اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صد ۷۷۶، صحیح مسلم جلد ۱ صد ۴۶۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے مطابق فیصلہ کرتے. اس قسم کے واقعات شہادت دیتے ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوئے علم غیب کا تھا نہ آپ کے صحابہؓ آپ کے بارے میں علم غیب رکھنے کے قائل تھے.

نفی علم غیب پر صحابہؓ کی روایات

صحابہؓ میں ہم سب سے پہلے حضرت عمرؓ کی شہادت پیش کرتے ہیں.

غزوۂ بدر میں مشرکین کے ستر سردار تہ تیغ ہوئے اور ستر قیدی بنائے گئے. ان قیدیوں کے بارے میں آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا. حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے تھی کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے مگر حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ انہیں قتل کیا جائے. آنحضرتؐ نے اجتہاداً حضرت ابوبکرؓ کی رائے اختیار کی اور ان قیدیوں کو چھوڑ دیا. اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں.

ما کان للنبی ان یکون لہ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاٰخرۃ واللہ عزیزٌ حکیم. لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذابٌ عظیم. (پ۱۰ انفال آیت ۶۸ ع ۹)

ترجمہ. نبی کو نہ چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک کہ زمین پر (کفر) کا خون نہ گرا لے تم چاہتے ہو دنیا کی عزت اور اللہ کے ہاں چاہیئے آخرت اور اللہ زور آور حکمت والا ہے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب.

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ان ظالموں کا قتل تھا اور یہ رائے حضرت عمرؓ کی تھی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ اجتہاداً کیا تھا اور اس وقت تک یہ نص اُتری نہ تھی. سو آپ کے اس فیصلے کو خلاف نص نہیں کہا جا سکتا. چنانچہ آپ اپنے اسی فیصلہ پر قائم رہے اور ان قیدیوں کے قتل کا حکم صادر نہ فرمایا. اجتہاد اور نص میں اختلاف زمان ہو تو تعارض نہیں رہتا. قضاء قاضی

پہلے سے نافذ سمجھی جاتی ہے۔ شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون (۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

لم ینتقل من اخذ الفداء الی القتل بل استقر علیہ۔[1]

ترجمہ: جب فدیہ کے فیصلے سے قتل کی طرف نہ لوٹے بلکہ اس پہ قائم رہے۔

اس فیصلے کے اگلے دن حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے آپؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو روتے پایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں:۔

فلما کان فی الغد جئت فاذا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابو بکر قاعدین وھما یبکیان...... فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابکی للذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء لقد عرض علی عذابھم ادنیٰ من ھٰذہ الشجرۃ قریبۃ من نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانزل اللّٰہ عزوجل ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض۔[2]

ترجمہ: جب صبح ہوئی تو میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا میں اس پہ رو رہا ہوں کہ تیرے ساتھیوں پر ان کے فدیہ لینے کے باعث کیا صورت سامنے آئی ان پہ عذاب اترتا مجھے اس درخت کے جو آپ کے قریب تھا سے بھی زیادہ قریب دکھائی دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری کہ نبی کو نہ چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک کہ زمین پر اُن کی خون ریزی نہ کرلے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو اخذ فدیہ کا مشورہ دیتے ہوئے اس بات کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس رائے کو پسند نہ فرمائے گا اور اس پہ قرآن کریم کی آیات اُتریں گی؟ حتیٰ کہ ہمیں اپنی اس رائے پہ رونا بھی آجائے گا؟ ہرگز نہیں آپ جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] تفسیرات احمدیہ صد ۲۹۳ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صد ۹۳

ناپسندیدگی پر کبھی رضامند نہ ہو سکتے تھے ـــــ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بطور کلیہ علم غیب نہ رکھتے تھے. جنگِ بدر سے ایک دن پہلے آپ نے جن صنادید قریش کی لاشوں کے زمین پر ہونے کی خبر دی تھی وہ خبریں جزئیات تھیں. اللہ تعالیٰ کسی پر غیب کی لاکھوں جزئیات کیوں نہ کھولے بطور کلیہ اس نے غیب جاننے کی چابی کسی کے ہاتھ میں نہیں دی.

منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا فیصلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے. اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرما دیا تھا کہ آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں میں ان کو بخشوں گا نہیں. حضورؐ نے اس پر منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا فیصلہ نہ کیا. حضرت عمرؓ نے جب آپ کی خدمت میں بار بار عرض کی. آپ نے فرمایا مجھے جب مغفرت مانگنے کا اختیار دیا گیا ہے تو میں نے ایک پہلو چن لیا. مجھے روکا تو نہیں گیا ہے.

استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم. (پ التوبہ آیت ۸۰ ع ۱۰)

ترجمہ. آپ ان کے لیے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی استغفار کریں اللہ تعالیٰ انہیں بخشنے کے نہیں.

حضرت عمرؓ کہتے ہیں :-

فلما اكثرت عليه قال انى خيرت فاخترت لو اعلم انى ان زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها. [1]

ترجمہ. پھر میں نے جب بار بار کہا تو آپ نے فرمایا مجھے اس میں منع تو نہیں گیا اختیار دیا گیا ہے میں نے اپنی پسند اختیار کرلی ہے اگر مجھے علم ہو کہ اگر میں اس سے زیادہ دفعہ استغفار کردوں اور اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے تو میں اس عدد (ستر دفعہ) پر اور زیادہ کرتا.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۲

پھر آپ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر یہ آیات اُتریں. آسمانی فیصلہ حضرت عمرؓ کی عرضداشت کے مطابق تھا :-

ولا تصل علی احد منھم مات ابدًا ولا تقم علی قبرہ۔ (پ التوبہ آیت ۸۴)

ترجمہ. اور آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں جب وہ مرے اور نہ کبھی اس کی قبر پر (دعائے استغفار کے لیے) کھڑے ہوں۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے علم تھا کہ ابھی اللہ تعالیٰ مجھے اس سے روک دیں گے اور اس پر قرآن کی آیات اُتریں گی اور فیصلہ حضرت عمرؓ کے حق میں ہو گا. حضرت عمرؓ خود اس پر شرمندہ تھے کہ میری وجہ سے آنحضرتؐ کی بات پیچھے کیوں رہی حضورؐ نے جب عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور آپ نہ چاہتے تھے کہ حضورؐ کی بات پیچھے رہے.

اس سے پتہ چلا کہ نہ یہ آنحضرتؐ کا دعوےٰ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ صحابہؓ ہی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آپ غیب جانتے ہیں. آنحضرتؐ کا حکم وحی پاکر اپنے سابق موقف سے رجوع کرنا اس کی واضح دلیل ہے. واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب.

حضرت قتادہؓ کے خلاف فیصلہ اور پھر ان کے حق میں وحی

حضرت قتادہؓ کے چچا رفاعہ کے گھر بنو ابیرق کے بشیر نامی ایک شخص نے چوری کی. حضرت قتادہؓ نے اپنا کیس حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا. چور نے اپنی چرب زبانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیا. یہاں تک کہ حضورؐ نے حضرت قتادہؓ کو جھڑکا اور فرمایا کہ تم نے بغیر کسی گواہ کے ایک گھر پر ایک الزام لگایا۔

اس پر حضرت قتادہؓ بہت غمگین ہوئے اور کہا :-

ترجمہ. میں کاش اپنے اس معاملہ کی حضورؐ کو خبر ہی نہ کرتا.

پھر آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی اور حضورؐ کو حقیقتِ حال پر مطلع کیا گیا اور آپ کو استغفار کرنے کا حکم ہوا۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما۔ واستغفر اللہ ان اللہ کان غفوراً رحیماً۔ (پ النساء ع ۱۴)

ترجمہ۔ بیشک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اُتاری تاکہ آپ لوگوں میں اللہ کی رہنمائی سے فیصلہ کریں اور آپ خیانت کرنے والوں کے حامی نہ ہوں اللہ تعالیٰ سے استغفار مانگیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرتؐ نہ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے کہ دیکھ پاتے کہ چور بشیر ہے قتادہؓ کا الزام بے جا نہیں اور نہ حضرت قتادہؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ورنہ یہ نہ کہتے کہ کاش میں اس معاملہ کی حضورؐ کو خبر ہی نہ کرتا۔

آپؐ کا طلب اخبار سے اپنی ذاتِ گرامی سے علم غیب کی نفی کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صحابہ کرامؓ سے صورتِ حال دریافت فرماتے اور بعض اوقات انہیں کسی صورتِ واقعہ کی خبر نہ دینے پر تنبیہ فرماتے۔ اس قسم کے واقعات عام پیش آتے جس سے صحابہؓ میں اس یقین کو راہ ملتی کہ آپ علم غیب نہیں رکھتے نہ ہر جگہ بذاتِ اقدس حاضر و ناظر ہیں ہم ان میں سے چند واقعات یہاں پیش کیے دیتے ہیں۔

(۱) —— حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جہری نماز (مغرب عشاء یا فجر) پڑھا رہے تھے کہ کسی شخص نے آپ کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ پڑھا۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا:۔

ھل قرأ معی احد منکم انفاً قال رجل نعم یارسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن۔[۱]

---

[۱] سنن نسائی جلد ۲ صـ ۱۴۶

ترجمہ. کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھ ابھی قرآن پڑھ رہا تھا؟ ایک شخص نے کہا ہاں. آپ نے فرمایا میں کہہ رہا تھا قرآن میں میرے ساتھ کھینچا تانی کیوں ہو رہی ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آپ کے اس اشارہ پر صحابہؓ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے رُک گئے جب وہ قرآن کو سُن پاتے.

فانتهى الناس عن القرأة فيما جهر فيه رسول اللّٰه بالقرأة من الصلوٰة حين سمعوا ذٰلك. [1]

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی طور پر محسوس کر لیا کہ میرے پیچھے کوئی سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہے لیکن آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے. آپ نے دریافت فرمایا اور بات اسی طرح نکلی جو حضورؐ کا وجدان کہہ رہا تھا اور آپ اس پر گرانی محسوس کر رہے تھے.

اس سے جہاں یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ امام کے پیچھے کوئی حصہ قرآن نہ پڑھنا چاہیئے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ آنحضرتؐ بعض اوقات صحابہؓ سے صورتِ حال دریافت فرماتے جس سے صحابہؓ کے اس یقین کو قوت ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہ جانتے تھے. گو آپ اس روحانی رفعت پر تھے کہ مقتدی کا پیچھے آہستہ سے قرآن پڑھنا بھی آپ کے قرآن پڑھنے میں مخل ہوتا تھا.

(۲) —— حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک سیاہ فام عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ دن مفقود پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ وہ فوت ہو گئی ہے. آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ بتلایا :-

افلا كنتم اذنتمونى قال فكانهم صغروا امرها فقال دلونى على قبرها فصلى عليها. [2]

ترجمہ. کیا پس تم نے کیوں نہ بتلایا آپ نے یہ اس لیے کہا کہ گویا انہوں نے اس مرحومہ کا معاملہ معمولی سمجھا تھا آپ نے پھر کہا کہ مجھے اس کی قبر کی طرف راہنمائی کرو آپ نے پھر اس پر نماز جنازہ پڑھی.

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صد ۱۰۶ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صد ۳۱

جب آپ نے اس کی قبر پر جانا چاہا تو صحابہؓ سے اس کی قبر کا پتہ پوچھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ہر واقعہ اور چیز کے بارے میں غیب جاننے کا دعویٰ ہرگز نہ تھا۔

اگر یہ وہی عورت ہے جس کے بیمار ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع تھی اور حضورؐ اس کی عیادت کو بھی گئے تھے اور فرمایا تھا کہ جب یہ مر جائے تو مجھے بتلانا۔ تو پھر صحابہ کرامؓ کا آپ کو نہ بتلانا کہ حضورؐ کو رات کے وقت اُٹھنے کی تکلیف نہ ہو یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا ـــ اور اجتہاد بھی کیسا جس سے ایک نص پر عمل چھوٹ رہا تھا ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر صحابہؓ پر کسی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ سنن نسائی میں ہے:۔

فقال اذا ماتت فاذنونی فماتت لیلاً فدفنوھا ولم یعلموا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما اصبح سأل عنھا فقالوا کرھنا ان نوقظک یارسول اللہ فاتی قبرھا فصلی علیھا وکبر اربعاً۔[۱]

ترجمہ: سو آپ نے فرمایا کہ جب یہ مر جائے تو مجھے اطلاع دینا وہ رات کو فوت ہوئیں اور انہوں نے اس کی آپ کو اطلاع نہ دی جب صبح ہوئی تو آپ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا صحابہؓ نے عرض کی ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ آپ پھر اس کی قبر پر آئے اور وہاں آپ نے چار تکبیروں سے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

آپ کا یہ طرزِ عمل صرف حسنِ معاشرت اور تہذیب اخلاق کے لیے نہیں تھا۔ سیاسی امور اور حوزہ اسلام کی نگہداشت کے لیے بھی۔ آپ اسی فکر سے کام کرتے اور صحابہؓ کو مختلف مقامات پر مامور کرتے کہ وہ صورت حال معلوم کر کے حضورؐ کو اس کی خبریں دیا کریں۔ آنحضرتؐ کو غیبی امور میں خبروں کی طلب رہتی تھی۔ تاکہ اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے آپ اپنے ساتھیوں کو تیار کر سکیں۔

(۴) ـــ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں جنگ احزاب کے موقع پر موسم سردی کا تھا اور کڑی سردی پڑ رہی تھی۔ آپ دشمن کی پوزیشن معلوم کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ کوئی شخص ہمت کرے

---

[۱] سنن نسائی جلد ۱ صد ۲۸

اور دشمن کے حالات سے آپ کو باخبر کرے. جب کوئی سرحد پر جانے کے لیے تیار نہ ہوا. تو آپ نے حضرت حذیفہؓ سے کہا:۔

قم یا حذیفة فاتنا بخبر القوم فلم اجد بدا اذ دعانی باسمی ان اقوم قال اذهب فاتنی بخبر القوم ولا تذعرهم علی.[1]

ترجمہ. حذیفہ اٹھو اور ہمیں ان کی خبر لاکر دو. آپ نے چونکہ میرا نام لے کر فرمایا تھا مجھے اُٹھنے سے چارہ نہ رہا. آپ نے پھر کہا جاؤ اور ان لوگوں کے حالات مجھے لاکر دو اور انہیں اپنے خلاف اُٹھانا نہیں.

اس کڑی سردی میں حضرت حذیفہؓ کا سرحد پر جانا اور دشمن کے حالات کی خبر لانا بتاتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ ہرگز نہ تھا کہ حضورؐ بطور کلیہ کے علم غیب رکھتے ہیں. ورنہ وہ عرض کر دیتے کہ آپ ہر بات جانتے ہیں. آپ کو علم غیب عطا ہوا ہوا ہے. اس وقت وہاں کسی آدمی کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ـــ معلوم ہوا صحابہؓ ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ آپ بطور ضابطہ غیب جانتے تھے.

یہ تاویل نہ کی جائے کہ آپؐ امت کو آداب جہاد سکھلا رہے تھے. یہ اس لیے کہ محض اس ضرورت کے لیے رسالت کے بارے میں کسی بدعقیدگی کو راہ نہیں دی جا سکتی آپ نے پہلے تو فرمایا. فاتنا بخبر القوم لیکن جب حضرت حذیفہؓ اُٹھے تو فرمایا. فاتنی بخبر القوم یہاں آپ نے خاص اپنے لیے غیبی خبر کی طلب ظاہر فرمائی ہے.

(۴) ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا کہ ابُوجہل مارا گیا ہے تو فوراً کسی کو بھیجا کہ وہ آکر حضورؐ کو صورتِ حال بتلائے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ اسے عفراء کے دو بیٹوں نے مارا ہے. یہ دونوں پھر حضورؐ کے پاس لائے گئے. تو آپ نے پھر ان سے خود بھی دریافت فرمایا کہ دونوں میں سے کس نے اسے مارا؟ دونوں کی تلواریں خون آلود تھیں ـــ معلوم ہوتا ہے آخری وار اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا ہو گا کچھ رمق باقی ہو گی اور آپ نے اس کا سر تن

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۱۰۱

سے جدا کر دیا :۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر من ینظر ما فعل ابو جہل فانطلق

ابن مسعودؓ فوجدہ قد ضربہ ابنا عفراء[1]

ترجمہ نبی کریمؐ نے بدر کے دن کہا کون ہے جو پتہ لائے ابوجہل نے کیا کیا سو ابن مسعودؓ گئے آپ نے دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے اسے گرا رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ خود موقع پر جائیں اور خود دیکھیں اس اللہ کے دشمن پر کیا گزری. اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ خود دیکھنے کی خواہش کس لیے کرتے۔

ابوداؤد الطیالسی (۲۰۴ھ) روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؐ کو قتل ابی جہل کی خبر دی، آپ نے پھر انہیں قسم دے کر پوچھا. انہوں نے کہا بخدا وہ مارا گیا ہے پھر آپ ان کے ساتھ موقع پر گئے :۔

فانطلق بنا فاریناہ فجاءہ فنظر الیہ فقال ھٰذا کان فرعون ھٰذہ الامۃ۔[2]

ترجمہ سو حضورؐ ہمارے ساتھ گئے ہم نے آپ کو وہ دکھایا آپ آئے اسے دیکھا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا فرعون تھا۔

(۵) ـــــ حضرت رافعؓ بیان کرتے ہیں :۔

صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعطست فقلت الحمد للہ حمداً کثیراً

مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضی. فلما صلی رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم انصرف فقال من المتکلم فی الصلوٰۃ فلم یکلم احد

ثم قالہا الثانیۃ من المتکلم فی الصلوٰۃ فقال رفاعۃ بن رافع بن عفراء

انا یارسول اللہ.... فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد ابتدرھا بضعۃ

وثلثون ملکاً ایہم یصعد بہا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۵۶۵ صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۱۰ [2] مسند ابی داود الطیالسی صـ ۴۳ [3] سنن نسائی جلد ۱ صـ ۱۴۷

ترجمہ۔ میں نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی مجھے چھینک آئی میں نے پڑھا الحمد للہ حمدًا کثیرا..... الخ جب حضورؐ نے نماز پڑھ لی۔ آپ ایک طرف ہوئے اور پوچھا نماز میں یہ اپنی بات کرنے والا کون تھا؟ کسی نے آپؐ سے ہاں نہ کی۔ آپ نے پھر دوسری مرتبہ پوچھا۔ اس پر رفاعہ بن عفراء نے کہا یا رسول اللہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا چھتیس فرشتے نمازیوں کی طرف سبقت کر رہے تھے کہ کون اس کلمہ لے کر اوپر چڑھے

لا ادری کے الفاظ سے اپنے سے علم غیب کی نفی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر لا ادری (میں یہ بات نہیں جانتا) کہہ کر اپنی ذات گرامی سے علم غیب کی نفی کی۔ علم صفت ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ دوسرے بس اتنا ہی جانیں جتنا وہ بتا دے۔ اس کے سوا لا ادری کا وسیع میدان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لا ادری کہنا متواتر منقول ہے۔ ایک موقع پر نہیں کئی مواقع پر آپ نے یہ الفاظ کہے۔ یہاں تک کہ امت میں یہ اصل بن گئی کہ جب کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ معلوم نہ ہو تو عالم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو لا ادری کہے۔ مشہور عالم حدیث امام حاکمؒ (۴۰۵ھ) ایک ایسی حدیث پر لکھتے ہیں:۔

هٰذا الحديث اصل فی قول العالم لا ادری۔[1]

پھر اس راہ پر تمام بڑے بڑے صحابہؓ اور ائمہ دین چلے اور لا ادری کہنا اپنے بندہ ہونے کا شرف رہا۔ کبھی ایسا نہ کہنا گویا خدائی کا دعوےٰ ہے۔ کیونکہ علم صرف اسی کی صفت ذات ہے۔ ہم

[1] المستدرک جلد ۱ صفحہ ۹

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس مثالیں پیش کیئے دیتے ہیں۔

(۱) ـــــ ۸ھ میں جنگ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن اور بنو ثقیف کو شکست دی اور جو غنائم ہاتھ لگے وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے اور ان کے لوگ قیدی بنا لیے گئے۔ بنو ہوازن کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہوئے تھے اور اس کی ابھی مسلمانوں کو خبر نہ ہوئی تھی ورنہ ان کے اموال غنیمت میں نہ لیے جاتے اور وہ سب قیدی نہ بنا لیے جاتے ـــ جب آپ مال غنیمت تقسیم کر چکے تو وہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے گذارش کی۔

قضاء قاضی نافذ ہو چکی تھی اس لیے آپ نے اپنا فیصلہ واپس نہ لیا اب یہ مسئلہ حقوق العباد میں آچکا تھا۔ اس لیے آپ نے اسے مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور ان سے سفارش کی کہ اپنا اپنا حق چھوڑ دیں اور بطیب خاطر اپنے قیدیوں کو رہا کر دیں اور جو خوشی سے ایسا کرنے کو تیار نہ ہوں انہیں ہم معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔ بنو ہاشم کے حصے میں جو قیدی آئے تھے آپ نے خود انہیں رہا کر دیا ـــ پھر دوسرے لوگوں نے بھی باآواز بلند ان کے اپنے اپنے حصے کے قیدی رہا کر دیئے۔ مجمع عام میں پتہ نہ چلتا تھا کہ کون کون اعلان کر رہا ہے اور آپ بیک وقت سب کی آوازیں بھی پہچان نہ رہے تھے۔ آپ حقوق العباد میں اتنے محتاط تھے کہ نہ چاہتے تھے کہ کسی کا حق اس سے بلا طیب خاطر بلا معاوضہ لیا جائے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انی لا ادری من اذن منکم عمن لم یاذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاءکم امرکم فرجع الناس فکلمھم عرفاءھم۔[1]

ترجمہ میں نہیں جان رہا کہ کون اجازت دے رہا ہے اور کوئی نہیں۔ آپ لوگ واپس جائیں یہاں تک کہ تمہارے بڑے تمہارا فیصلہ ہمارے پاس لائیں پھر سب لوگ چلے گئے اور ان سے ان کے چودھریوں نے بات کی۔

---

[1] صحیح بخاری ۱۰ ۔ ص ۱۰۶۴ ص ۶۱۸ جلد ا ص ۴۴۲ ص ۳۰۹ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۱

آپ نے ان لوگوں کے بتلانے پر پھر ہوازن کے قیدی چھوڑے۔ اس سے پتہ چلا کہ مجمع عام کی مشترکہ آوازوں میں آپ کا یہ پہچاننا کہ کون اجازت دے رہا ہے اور کون نہیں بحالات ممکن نہ تھا آپ نے جب لا ادری کہا تو آپ جھوٹ نہ کہہ رہے تھے واقعی آپ نہ جان رہے تھے نہ پہچان رہے تھے۔ آپ اگر علم غیب جانتے تو یہاں کبھی لا ادری کہہ کر اعلان نہ فرماتے کہ مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ کون اذن دے رہا ہے اور کون اس طرح رہا کرنے پر راضی نہیں۔

(۲) ___ حضرت حذیفہ رض کہتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا:-

انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابی بکر وعمر [1]

ترجمہ. میں نہیں جانتا کتنا عرصہ تم میں رہوں سو تم میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۳) ___ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں میں نے یوم النحر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر رمی کرتے دیکھا اور آپ کہہ رہے تھے :-

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھٰذہ۔ [2]

ترجمہ. تم اپنے مناسک حج سیکھ لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں شاید میں اس حج کے بعد اور حج نہ کر سکوں۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-

لعلی لا اراکم بعد عامی ھٰذا۔ [3]

ترجمہ. ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں اپنے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں۔

آنحضرتؐ تو یہ فرما رہے ہیں کہ بعد وفات میں تمہیں نہ دیکھ پاؤں گا اور بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ اب تک ہر ایک کو دیکھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کی اس سے کھلی تکذیب اور کیا ہو گی جس کے یہ بریلوی

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ ۲۰۷ مسند احمد جلد ۵ صـ ۲۸۵ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۴۱۹ لعلی لا القاہم بعد عامہم ہذا. رواہ احمد جلد ۳ صـ ۳۳۲ [3] مشکوٰۃ صـ ۲۳۰ عن الترمذی جلد ۱ صـ ۱۰۸

مرتکب ہیں اور آپ کو بعد وفات ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

④ — حضرت ابو سعید الخدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک اعرابی حضورؐ کے پاس ایک گوہ (ضب) لے کر آیا کہ آپ اسے کھائیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

یا اعرابی ان اللہ عزوجل لعن او غضب علی سبط من بنی اسرائیل فمسخھم دواباً یدبون فی الارض فلا ادری لعل ھذا منھا فلست اکلھا ولا انھی عنھا۔[1]

ترجمہ اے اعرابی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک قبیلے پر لعنت کی اور ان اپنے غضب کا اظہار فرمایا اور انہیں زمین پہ چلنے والے جانور بنا دیا مجھے علم نہیں کہ شاید یہ گوہ ان میں سے ہو میں اسے کھاتا نہیں اور نہ (دوسروں کو) اس سے روکتا ہوں۔

⑤ — حضرت خالد بن الولیدؓ (۲۱ھ) ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے ہاں گئے اور وہاں آپ کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی۔ آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا عورتوں میں سے کسی نے کہا حضورؐ کو بتا دو یہ کیا ہے؟

اخبروا رسول اللہؐ بما یرید ان یاکل۔[2]

ترجمہ تم آنحضرتؐ کو اس سے خبر کرو کہ آپ کیا کھانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

حضورؐ کو بتلایا یہ گوہ ہے۔ اس پر آپ نے اس سے ہاتھ اٹھا لیا اسے نہ کھایا۔

فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ۔[3]

یہ واقعہ حضرت ابو سعید الخدریؓ والا نہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی روایت میں ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ یہ گوہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن حفیدہ بنت الحارث نجد سے لائی تھیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لا ادری کہنا حضرت خالد بن الولیدؓ کے نزدیک لا اعلم کے معنی میں ہے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ کہتے ہیں:۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۱ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۱ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل شیأً حتی یعلم ماھو[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہ کھاتے جب تک معلوم نہ فرمالیں وہ کیا ہے۔

(۶)۔۔۔ حضرت ثابت بن یزید انصاریؓ ایک اور ایسا واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں آنحضرتؐ نے لا ادری کے الفاظ استعمال فرمائے۔ آپ کہتے ہیں میں حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ انہوں نے رستے میں ایک گوہ پکڑی۔ اسے بھونا اور حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ایک چھڑی سے اس کی انگلیاں گننے لگے اور فرمایا۔

ان امۃ من بنی اسرائیل مُسخت دوابا فی الارض وانی۔۔۔ لا ادری ای الدواب ھی۔[2]

ترجمہ۔ بنو اسرائیل کا ایک گروہ زمین پر چلنے والے جانوروں کی صورت میں مسخ ہوا تھا اور میں نہیں جانتا کہ وہ کون سے جانور تھے۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لا ادری لعلہ من القرون التی مُسخت۔[3]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا ہو سکتا ہے کہ وہ ان اقوام میں سے ہو جن کی صورتیں مسخ ہوئیں۔

(۷)۔۔۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا۔ ای البلاد شر۔ کون سی جگہیں مرکزِ شر ہیں (زیادہ بُری ہیں) آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا جب تک کہ پوچھ نہ لوں۔ حضرت امام احمدؒ روایت کرتے ہیں۔

لا ادری حتی اسأل، فسأل جبریل عن ذلک فقال لا ادری حتی اسأل فانطلق ثم جاء فقال انی سألت ربی عن ذلک فقال شر البلاد الاسواق۔[4]

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ [2] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۶۷ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۲۰
[3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۱ [4] مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۸۱

ترجمہ۔ آپ نے کہا میں نہیں جانتا یہاں تک کہ پوچھ نہ لوں۔ پھر آپ نے اس کے بارے میں حضرت جبریل سے پوچھا۔ انہوں نے بھی کہا میں بغیر پوچھے بتا نہیں سکتا آپ گئے اور جب پھر آئے تو بتایا میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ زمین پر سب سے بُری جگہیں بازار ہیں۔

صحیح ابن حبان میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ پوچھنے والا اہل کتاب کا عالم تھا اور ایک سوال یہ بھی تھا کہ زمین میں بہترین ٹکڑے کون سے ہیں۔ اس کا جواب اللہ رب العزت سے یہ ملا کہ وہ مسجدیں ہیں۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص۷۱)

یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور ابن عبد البر نے بھی اسے جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے۔ خطیب بغدادی بھی اسے کتاب الفقیہ والمتفقہ میں روایت کرتے ہیں۔ اس میں حضرت جبریل نے بھی ان الفاظ سے اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے۔

هٰذا الحديث اصل في قول العالم لا ادري۔[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث عالم کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے کہ وہ جب کوئی بات نہ جانے تو لا ادری کہا کرے کہ میں یہ بات نہیں جانتا۔

(۸)—— حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ کہتے ہیں ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بے چینی سے گزاری زیادہ جاگتے رہے۔ آپ سے عرض کی گئی حضورؐ ایسا کیوں رہا۔ آپ نے فرمایا۔

انی وجدت تمرة ساقطة فاكلتها ثم تذكرت تمرًا كان عندنا من تمر الصدقة فلا ادري أمن ذٰلك كانت التمرة او من تمر اهلي فذٰلك اسهرني۔[2]

ترجمہ۔ میں نے ایک کھجور گری ہوئی پائی اور میں نے (اُٹھا کر) کھالی پھر مجھے یاد آیا کہ ہمارے ہاں کچھ صدقے کی کھجوریں بھی رکھی تھیں میں نہیں جانتا

---

[1] المستدرک جلد ۱ ص۹۰ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۲۸ کنز العمال جلد ۳ ص۲۸۵

ہو سکتا ہے یہ کھجور ان میں سے ہو یا میرے گھر کی کھجوروں میں سے پھر اس بات نے مجھے رات جگائے رکھا۔

حضرت ابوہریرہؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔

انی لانقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی فارفعھا لاکلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیھا۔[1]

ترجمہ: میں جب گھر جاتا ہوں تو کبھی اپنے بستر پر گری کھجور پاتا ہوں اسے اٹھاتا ہوں کہ کھالوں پھر ہی مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو سو میں اسے پھینک دیتا ہوں۔

کہیں رستے میں گری کھجور ملتی تو آپ اسے بھی اس اندیشہ سے نہ لیتے کہ کہیں صدقہ کی نہ ہو ورنہ آپ رزق کا اتنا ادب کرتے کہ مجال ہے اس طرح ضائع ہو حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں:۔

مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتمرۃ فی الطریق فقال لو لا انی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا۔[2]

ترجمہ: آنحضرتؐ رستے میں پڑی ایک کھجور کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہو کہ یہ کھجور صدقے کی ہو گی تو میں اُسے کھالیتا۔

(۹) ـــــ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی ایک اور روایت لیجیے۔ آپ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

الناس یصعقون یوم القیٰمۃ فاکون اول من یفیق فاذا انا بموسیٰ اخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقۃ الطور۔[3]

ترجمہ: سب لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے پھر میں پہلا ہوں گا جسے افاقہ ہو گا میں کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پائے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ ۲۲۴ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۲۷ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۷

کو تھامے کھڑے ہیں میں نہ جانوں گا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان کی کوہِ طور کی بے ہوشی اس کی جگہ شمار کر لی گئی۔

(۱۰) ـــــ

ما ادری تبع نبیًا کان ام لا وما ادری ذوالقرنین نبیًا کان ام لا۔[۱]

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ حضرت تبع نبی تھے یا نہ اور میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہ؟

علم غیب نہ ہونے پر جو خطرات پیش آئے۔

آنحضرتؐ نے اپنے سے علم غیب کی نفی اس عنوان سے بھی کی کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اس قسم کے صدمات مجھے پیش نہ آتے۔ ہر موقعہ پر میں فائدہ پا لیا کرتا۔

قل لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔

(پ۹ الاعراف ۱۸۸)

اب ہم اس سلسلہ کے چند واقعات عرض کرتے ہیں:۔

(۱) ستّر صحابہؓ موت کی آغوش میں بھیج دیئے

آنحضرتؐ کو ہجرت کیے تقریباً تین سال گزرے تھے کہ مشرکین مکہ نے ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے پیرایہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ نفری امداد چاہی۔ آپ نے مدینہ منورہ کے ستّر صحابہؓ انہیں دیئے۔ جب صحابہؓ کا یہ جمِ غفیر بئر معونہ پر پہنچا تو ان مشرکین نے ایک صحابی کے سوا سب قتل کر دیئے۔ اتنے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام اور وہ بھی ایک دھوکے کے تحت آنحضرتؐ پر بصورتِ حال کیا گزری ہو گی یہ آپ خود سوچیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر علم غیب رکھتے تو کیا یہ

---

[۱] مستدرک جلد ا صفحہ ۳۶

نہ جانتے ہوتے کہ یہ مشرکین کس نسبت سے مجھ سے یہ افرادی قوت مانگ رہے ہیں ـــــ اور جہاں یہ سازش ہو رہی تھی اگر آپ وہاں حاضر و ناظر ہوتے تو کیا آپ دیدہ و دانستہ ان ستر صحابہؓ کو اسی طرح موت کی آغوش میں بھیجتے۔

② نو صحابہؓ کی مہم موت کی آغوش میں

سنہ ۴ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو صحابہؓ کو دشمن کی خبریں لانے کے لیے جاسوسی پر بھیجا۔ یہ مقام ہدہ پر پہنچے تو دشمنوں نے (بنو لحیان نے) انہیں آلیا۔ آٹھ اسی وقت تہ تیغ کر دیئے اور سالار قافلہ حضرت عاصم بن ثابتؓ کو مکہ لے جا کر سولی دی۔ حضرت خبیبؓ کی شہادت بھی اسی موقع پر پیش آئی۔

③ صحابہؓ زہر کھا کر موت کی آغوش میں

یہودی جنگ میں پسپا ہوتے تو ایک یہودی عورت نے دھوکے سے آپؐ کو وہ گوشت کھلادیا جس میں اس نے زہر ملایا ہوا تھا۔ حضورؐ نے چند لقمے کھائے ہوں گے کہ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے کہا۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لو۔ جو صحابہؓ بے فکری سے کھا رہے تھے وہ اس سے وفات پاگئے۔ حضرت بشر بن برآء بن معرورؓ بھی اسی سانحہ میں شہید ہوئے۔

توفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ۔[1]

ترجمہ۔ آپ کے وہ صحابہؓ فوت ہوگئے جنہوں نے اس (زہر والی بکری) کا گوشت کھایا۔

اس وقت تو حضورؐ زہر کے اثر سے بچ نکلے۔ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا کہ وہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ لیکن جب آپ فرائض نبوت ادا فرما چکے اور سفر آخرت قریب آیا تو آپ

---

[1] مشکوۃ ص ۵۴۲

نے پھر اس زہر کے اثر کو محسوس کیا۔

۴ ایک غلام کے بدلے دو غلام دینے پڑے

اسلام میں غلام اپنے کاموں میں آزاد نہیں۔ حج اور ہجرت جیسی نیکی پر بھی وہ بدوں آقا کی رضا کے عمل نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہجرت کی بیعت کی۔ حضورؐ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غلام ہے۔ جب اس کا مالک آیا اور صورتِ حال معلوم ہوئی تو آپ نے آسے دو غلام دے کر وہ غلام اپنے ذمہ لے لیا۔

علم بوقتِ قیامت اور اس کی گرانباری

یسئلونك عن الساعة ایّان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتة یسئلونك کانك حفی عنها قل انما علمها عند الله ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

(پ الاعراف آیت ۲۴)

ترجمہ۔ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت ؟ آپ کہہ دیں اس کا علم تو میرے ہی رب کے پاس ہے۔ وہی کھولے گا اسے اس کے وقت پر۔ وہ گھڑی بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں۔ جب تم پر آئے گی تو اچانک آئے گی تجھ سے پوچھتے ہیں گویا تو اس کی تلاش میں ہے آپ کہہ دیں اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئے گی۔ اس کی تعیین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہ ہی قیامت

معین و مقدر پر اسے واقع کر کے ظاہر کر دے گا کہ خدا کے علم میں اس کا یہ وقت تھا آسمان و زمین پر وہ بڑا بھاری واقعہ ہوگا۔ اور علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں گو اس واقعہ کی امارات بہت سی نشانیاں انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہوگا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہوگا۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔ ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اس مسئلہ کی تحقیق و تفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بنا پر روک دیا ہو۔ نہ ان کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضروری معلوم کر لیا کریں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جن بے شمار علوم و کمالات کا خدا کی طرف سے اضافہ ہو، نہایت شکر گزاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں۔[1]

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

علم اس کا زمین و آسمان والوں کو مشکل اور بھاری ہے نہ آوے گی تم کو قیامت مگر ناگہاں۔[2]

(۲) پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

یسئلك الناس عن الساعة قل انما علمها عند الله وما يدريك لعل

---

[1] ... القرآن صـ   [2] موضح القرآن صـ ۱۶۲

الساعة تکون قریبا. (پ ۲۲ الاحزاب آیت ۶۳ ع ۸)

ترجمہ. لوگ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کے بارے میں. آپ کہہ دیں اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے اور آپ کیا جانیں شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو.

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

شاید یہ بھی منافقوں نے ہٹ کھنڈا پکڑا ہوگا کہ جس چیز کا دنیا میں کسی کے پاس جواب نہیں وہ وہی سوال بار بار کریں اس پر یہاں ذکر کر دیا.[1]

(۳) پھر فرمایا گیا :۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا. فیم انت من ذکراھا. الیٰ ربک منتھٰھا. (پ ۳۰ النازعات آیت ۴۴)

ترجمہ. پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت ؟ تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے. تیرے رب ہی کی طرف ہے پہنچ اس کی.

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچنا ہے پیچھے سب بے خبر ہیں.[2]

یعنی اس کا وقت ٹھیک متعین کر کے بتلانا آپ کا کام نہیں. کتنے ہی سوال و جواب کرو آخر کار اس کا علم خدا ہی پر حوالہ کرنا ہے. (شیخ الاسلامؒ)

(۴) پھر ارشاد ہوا :۔

ان اللہ عندہ علم الساعۃ. (پ ۲۱ لقمان آیت ۳۴)

ترجمہ. بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی گھڑی کا علم ..... الآیۃ

یعنی قیامت کب آئے گی ؟ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے.

---

[1] موضح الفرقان ص [2] ایضاً

قرآن کریم کی ان چار یقینی شہادتوں پر ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وقت قیامت کا علم اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ اس بات کا علم اتنا بھاری ہے کہ زمین و آسمان اسے اُٹھا نہیں سکتے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بوجھ کسی پیغمبر اور فرشتے پر ڈالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جو چیز انتہائی گراں ہو سکتی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس سے حفاظت فرمائی۔

قیامت واقع ہوگی یہ بات ماکان و مایکون میں سے ہے کائنات کا یہ جہاز بڑی تیزی سے چل رہا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کب اس کا لنگر ڈال دیا جائے اور اس کا چلنا اچانک رُک جائے۔ جب قیامت کی گھڑی کا علم کسی کے پاس نہیں تو بات اعتقادیات میں سے ہے کہ ماکان و مایکون پر کسی کا علم محیط نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تو دیا گیا کہ قیامت واقع ہوگی۔ آپ کو اس کی بہت سی علامات بھی بتلائی گئیں اور آپ نے ان اخبار غیبیہ پر کوئی بخل نہیں کیا۔ ساری آگے بتلا دیں۔

وماھو علی الغیب بضنین۔ (پ۳۰ التکویر ۲۴)

ترجمہ۔ اور وہ غیب کی باتوں پر بخیل نہیں۔

تاہم اس خاص گھڑی کا وقت آپ کو نہیں بتلایا گیا نہ اس کا بوجھ آپ کی شان کے لائق تھا اگر آپ کو اس کا علم دیا جاتا تو اسے بھی آگے بتلا دیتے اور پھر صحابہؓ بھی اس گھڑی کو جاننے ہوئے ہوتے۔

اگر آپ کو اس کا علم ملتا تو ظاہر ہے کہ بذریعہ وحی ملتا۔ از خود آپ اسے جان لیں یہ تو اہل بدعت بھی نہیں کہتے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ از روئے قرآن اس بات کے مکلف ہیں کہ آپ کو جو کچھ بذریعہ وحی ملے اسے آگے پہنچائیں۔ آپ اگر ایسا نہ کریں تو آپ کو بتلایا گیا کہ اس صورت میں آپ منصب رسالت کی ذمہ داری ادا نہ کرنے والے ٹھہریں گے اور ایسا ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

(پ۶ المائدہ آیت ۶۷ ع ۱۰)

ترجمہ۔ اے رسول آپ پہنچا دیں جو آپ کی طرف اُتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا (اسے آگے نہ پہنچایا) تو آپ نے نہ پہنچائی اس کی رسالت (لوگوں سے ڈرنے کی بات نہیں) اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بچائے رکھیں گے۔

سو اگر آپ کو وقتِ قیامت کا علم وحی کیا گیا ہوتا تو آپ یقیناً اسے آگے صحابہؓ کو پہنچا دیتے ہرگز بخل سے کام نہ لیتے اور پھر صحابہؓ سے تابعین کرام اور ائمہ مجتہدین اس وقتِ خاص کو جانتے ہوئے ہوتے ——— اور چودھویں صدی کے اور علماء تک نہ سہی مولانا احمد رضا خاں تک تو اس کا علم ضرور پہنچا ہوا ہوتا اور پھر بریلوی علماء تو ضرور جانتے ہوئے ہوتے کہ قیامت آئے گی اور انہوں نے اس کی تاریخ اور اس کا سن ضرور جان لیا ہوتا۔

بریلوی عوام کا یہ کہنا کہ ہمارے علماء جانتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی، مگر وہ اس لیے نہیں بتاتے کہ دیوبندوں کو پتہ چل جائے گا۔ یہ بات اتنی کمزور ہے کہ ہم اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور پھر وہ علماء تو ضرور بتا دیتے جو بریلویت چھوڑ کر اہل السنۃ والجماعۃ (علماء دیوبند) میں آئے ہیں۔ سو یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے قیامت کی اس گھڑی کا پتہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور قرآن کریم کی اس خبر کی کہ وقت قیامت کا علم صرف اللہ رب العزت کے پاس ہی ہے تکذیب کرتا ہے وہ ہرگز مسلمان نہیں اور قرآن کریم سے جاہل ہے وہ شخص جو اسے مسلمان سمجھتا ہے۔

قرآن کریم کی جن شہادتوں سے ہم اس یقین پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی گھڑی کا علم کسی کو علم نہیں دیا۔ وہ سب آیات مکی سورتوں کی نہیں سورۃ الاحزاب بالاتفاق مدنی سورت ہے اور اس میں صریح طور پر حضورؐ کو کہا گیا ہے۔

وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۳)

ترجمہ۔ اور آپ کیا جانیں ہو سکتا ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آپہنچی ہو۔

وما ادراك اور وما يدريك میں فرق

قرآن کریم میں اس بات کے بیان کے لیے کہ آپ کیا جانیں دو طرح کے محاورے آتے ہیں. وما ادراك اور وما يدريك اور دونوں میں فرق ہے —— لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا۔

انا انزلناه فی لیلۃ القدر وما ادراك مالیلۃ القدر.

اور قیامت کی گھڑی کے بارے میں فرمایا:۔

قل انما علمها عند الله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا. (پ۲۲ احزاب ۶۳)

ما ادراك میں اس علم کی نفی ہوتی ہے جس کا علم آگے جا کر ہو سکے. جیسا کہ مرتبہ لیلۃ القدر بعد میں آپ کو بتلا دیا گیا:۔

لیلۃ القدر خیر من الف شهر.

مگر وما يدريك میں آئندہ کے لیے بھی اس بات کی نفی ہو جاتی ہے. ادری ماضی کا صیغہ ہے اور یُدری مضارع کا.

صحیح بخاری میں حضرت سفیان بن عیینہؓ سے منقول ہے۔

ما کان فی القرآن وما ادراك فقد اعلمه وما قال وما يدريك فانه لم یعلمه[1]

ترجمہ: قرآن کریم میں جہاں وما ادراك کے الفاظ ہیں سو اس چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دیا اور جہاں وما يدريك فرمایا تو یہ وہ چیز ہے جس کا علم اللہ نے آپ کو بعد میں بھی نہ دیا.

بریلویوں کا عذر لنگ

بریلوی علماء اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں قرآن کریم کا عام قاعدہ تو یہی ہے لیکن قیامت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۷۱

کا وقوع عام حالات میں سے نہیں. اس لیے علمِ وقتِ قیامت کو اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا. علماء میں سے کسی نے قیامت کی گھڑی کو اس قاعدہ کے تحت نہیں رکھا۔ ہم جواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) کا حوالہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں. بعد کے کسی مقتدر عالم نے اس کی تردید نہیں کی،۔

فکل ما فی القرآن وما ادراك فقد اعلمه الله ایاه وما فیه وما یدریك فلم یدره ولم یطلعه علیه کقوله عزوجل وما یدریك لعل الساعة تکون قریبا وما تبیّن له وقتها۔[1]

ترجمہ. قرآن کریم میں جہاں بھی وما ادراك کے الفاظ ہیں سو اس چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعد میں دے دیا اور جہاں اس میں وما یدریك کے الفاظ ہیں سو اسے آپ نے نہیں جانا اور نہ اللہ نے آپ کو اس پر مطلع فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ کیا جانیں ہو سکتا ہے کہ قیامت قریب ہو اور آپ پر اس کا وقت نہ کھلا تھا.

اب پھر اس مضمون کی طرف لوٹیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وقتِ قیامت کی گھڑی بتائی ہوتی تو کیا آپ اس وحیِ الٰہی کو آگے نہ پہنچاتے. کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم نہ دے رکھا تھا. بلّغ ما انزل الیك وان لم تفعل فما بلغت رسالته اور کیا آنحضرتؐ غیبی امور پر اطلاع پا کر اسے آگے بتلانے میں معاذ اللہ بخیل تھے؟ قرآن کریم نے کیا آپ سے اس مزاج کی نفی نہیں کی؟ کیا وما هو علی الغیب بضنین آپ کی شان میں نہیں آیا؟

علمِ وقتِ قیامت نہ دیئے جانے پر قرآن کی پانچویں شہادت

ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیها لتجزیٰ کل نفس بما تسعیٰ. (پ۱۶ طٰہٰ آیت ۱۵)

ترجمہ. قیامت بے شک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اسے تا ہر شخص

---

[1] غنیۃ لطالبین ص وما ادراك

بدلہ پائے اس کا جو اس نے کیا۔

یعنی اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں حتیٰ کہ اگر خود اپنے سے چھپانا ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی مخفی رکھتا۔ لیکن یہ ممکن ہی نہیں۔

وفیہ من المبالغۃ قالہ شیخ الاسلام۔

علم قیامت نہ دیئے جانے پر قرآن کی چھٹی شہادت

الیہ یرد علم الساعۃ وما تخرج من ثمرات من اکمامھا وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہ۔ (پ۲۵ حم سجدہ آیت ۴۷)

ترجمہ۔ اسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کے علم کا۔ نہیں نکلتا کوئی میوہ اپنے غلاف سے۔۔۔۔ مگر یہ کہ وہ اسی کے علم میں ہے۔

یعنی اسی کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اس کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا۔ جس سے دریافت کرو گے یہ ہی کہے گا کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

علم وقت قیامت نہ دیئے جانے پر قرآن کی ساتویں شہادت

قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدًا۔

(پ۱۷ الانبیاء آیت ۱۰۹، پ۲۹ الجن آیت ۲۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا کر دے گا میرا رب اسے مدت کے بعد۔

یعنی اس کا علم مجھے نہیں دیا گیا کہ وعدہ جلد آنے والا ہے یا ایک مدت کے بعد۔ کیوں کہ قیامت کا وقت معین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتایا۔ یہ ان غیوب میں سے جو اللہ رب العزت

کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس موضوع پر قرآن کی آٹھویں شہادت

ویقولون متی ھٰذا الوعد ان کنتم صادقین۔ قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین۔ (پ۱۱ یونس آیت ۴۸، پ۲۹ الملک آیت ۲۶)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کب یہ وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیں اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میرا کام تو یہی ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔

یعنی وقت کی تعیین میں نہیں کر سکتا۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے جو چیز یقیناً آنے والی ہے اس سے آگاہ کر دینا اور خوفناک مستقبل سے ڈرانا میرا فرض ہے اور وہ میں ادا کر چکا۔

اس موضوع پر قرآن کی نویں شہادت

واجل مسمًّی عندہ ثم انتم تمترون۔ (پ۷ الانعام آیت ۲)

ترجمہ۔ اور ایک وقت مقرر ہے اس کے نزدیک پھر بھی تم شک کرتے ہو۔

یہ وقت اس کے ہاں مقرر ہے وہی جب چاہے گا اسے کھولے گا۔ اس وقت خاص کی کسی کو خبر نہیں۔

اس موضوع پر قرآن کی دسویں شہادت

قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون بل ادارک علمھم فی الاٰخرۃ۔ (پ۲۰ النمل آیت ۶۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ۔ اور ان کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ بلکہ تھک کر

رہ گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔

آیت کے پہلے حصے میں اس کا بیان ہے کہ کل مغیبات کا علم بجز خدا تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں اور دوسرے حصے میں اس علم میں سے خاص علم وقت قیامت کی تخصیص فرمائی یعنی قیامت کب آئے گی؟ جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اس کی خبر کسی کو نہیں۔

یہ آیت اپنے مضمون میں نہایت واضح اور محکم ہیں — محکم ہونے کا نشان یہ ہے کہ اس سے متکلمین اسلام نے عقائد اسلام کے ثابت کرنے کے لیے تمسک کیا ہے متشابہات سے اثبات عقیدہ میں استدلال کرنا جائز نہیں۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت محکم ہے۔ علامہ ابن ہمام اسکندریؒ اور محدث کبیر ملا علی قاریؒ نے اس آیت سے تمسک کر کے اس شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرتؐ غیب جانتے تھے۔

ثم اعلم ان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لم یعلموا المغیبات الا ما اعلمهم الله تعالیٰ احیاناً ..... وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله کذا فی المسائرہ۔[1]

ترجمہ۔ پھر جان لو پیغمبر ان پر درود و سلام ہوں غیب کی باتوں کو نہیں جانتے مگر وہی کچھ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف اوقات میں بتا دیا ... فقہاء حنفیہ نے بڑی صراحت سے اس شخص کو کافر قرار دیا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی پاکؐ علم غیب رکھتے تھے کیونکہ یہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے کہ آپ فرما دیں کہ جو کوئی بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ غیب کو نہیں جانتا مگر ایک اللہ۔ حافظ ابن ہمام نے مسائرہ میں ایسا ہی کہا ہے

قرآن کریم کی ان دس آیاتِ قطعیہ سے امتِ مسلمہ نے پورے تسلسل سے یہی سمجھا ہے

---

[1] شرح فقہ اکبر صد ۲۲۵ مصری

کہ اللہ تعالیٰ نے وقت قیامت کا علم صرف اپنے پاس رکھا ہے کسی پیغمبر اور کسی فرشتے کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

<u>جلیل القدر مفسرین (صحابہ کرامؓ) نے قرآن کریم سے یہی عقیدہ اخذ کیا ہے</u>:۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

اوتی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علم کل شیٔ سوی ھذہ الخمس [۱]

ترجمہ: تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا سوائے ان پانچ چیزوں کے۔ ۱۔ قیامت کا وقت اور چار اور باتیں۔

ان چار کا علم بطور کلیہ صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے کوئی کوئی بات جو کسی کو معلوم ہوئی وہ جزئیات ہیں۔ بطور کلیہ ان چار غیوب کی کنجیاں کسی کے ہاتھ نہیں دی گئیں۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ (۴۰ھ)

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن الساعۃ فنزلت فیم انت من ذکرٰھا۔ [۲]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عام پوچھا جاتا تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ فیم انت من ذکرا ھا الی ربک منتھا ھا۔ (پ۳۰ النازعات ۴۴)

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۷ھ)

لم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن الساعۃ حتی انزل علیہ فیما انت من ذکراھا۔ الی ربک منتہٰھا۔ [۳]

ترجمہ: آنحضرتؐ سے برابر پوچھا جاتا رہا کہ قیامت کب واقع ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آیت مذکورہ بالا نازل فرمایا کہ اس کا علم آخر کار اس کی طرف لوٹتا ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ صـ جلد ۸ صـ جلد ۱۳ صـ [۲] درمنثور جلد ۶ صـ ۳۱۴ [۳] مستدرک جلد ۱ صـ ۵

لما سأل الناس محمدًا عن الساعة سألوه سوال قوم کانھم یرون ان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم حفی عنہا فاوحی الیہ انما علمہا عندہ یستاثر بعلمہا فلم یطلع علیہا ملکًا ولا رسولًا۔[1]

ترجمہ۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو یہ اس طرح پوچھا گویا وہ سمجھتے تھے کہ آپ اس کا علم کہ یہ کب واقع ہوگی چھپائے ہوئے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اس کا علم صرف اسی کے پاس ہے صرف اللہ ہی کو ہے اس پر اس نے کسی فرشتے اور کسی رسول کو مطلع نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کثرت سے قیامت کا ذکر فرماتے یہاں تک کہ آپ پر یہ آیت اُتری فیما انت من ذکراھا کہ آپ کہاں تک اس کا ذکر کریں گے۔

⑤ حضرت طارق بن شہابؓ (۸۲ھ)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعة حتی نزلت فیم انت من ذکرٰھا الی ربك منتھٰھا فکف عنہا۔[2]

ترجمہ حضورؐ قیامت کا ذکر کثرت سے کرتے یہ آیت اُتری تو آپ اس کے ذکر سے رک گئے۔

⑥ حضرت ربیع بن خراش (۱۰۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

۱۔ ان من العلم مالا یعلمه الا عز وجل الخمس ان اللہ عندہ علم الساعة۔[3]

ترجمہ۔ ایسے بھی علم ہیں جنہیں ایک اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا علم وقت قیامت اور دوسری اور چار چیزوں کا علم (بطور کلیہ)

۲۔ اب دوسری صدی کی ایک اور شہادت لیجیے۔ جلیل القدر تابعی سدی کبیر (۱۲۷ھ) فرماتے ہیں:۔

لیس من اھل السموات والارض احد الا وقد اخفی اللہ عنه علم الساعة۔[4]

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۸۸ [2] خازن جلد ۲ صفحہ ۵۶۵ [3] درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۱۴ [4] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۵۵ [5] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۴۴

ترجمہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت واقع ہونے کی گھڑی اس سے مخفی رکھی ہے۔

جلیل القدر مفسر حضرت قتادہ بن دعامہ (۱۱۷ھ) فرماتے ہیں:۔

ولعمری لقد اخفاها الله من الملئكة المقربين ومن الانبياء المرسلين۔[۱]

ترجمہ۔ مجھے زندگی کی قسم اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کو مقرب فرشتوں اور انبیاء و مرسلین سب سے مخفی رکھا ہے۔

حضرت مجاہدؒ اور حضرت ضحاکؒ (۱۰۲ھ)

حضرت مجاہد سے صحیح یوں ہے کہ قولہ کانک حفی عنها یعنی تو نے اڑ کر قیامت کو اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیا ہے یہاں تک کہ اس کا وقت تجھے معلوم ہے حالانکہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ..... اور معمر نے بعض علمائے تابعین سے اور ضحاکؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ قولہ کانک حفی عنها ای کانک عالم بها۔ گویا تو وقتِ مقررہ قیامت کو جانتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مخلوق پر مخفی رکھا ہے اس کو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔[۲]

دوسری صدی کے آخر میں حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کا دورِ عروج تھا۔ آپ نے قرآن کریم کی آیاتِ احکام پر جو کچھ لکھا اسے امام بیہقیؒ نے احکام القرآن للامام الشافعی کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس میں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا:۔

وانه حجب عن نبيه صلى الله عليه وسلم علم الساعة۔[۳]

ترجمہ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وقتِ قیامت کو پردے میں رکھا ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۹۸ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ [۲] مواہب الرحمٰن جلد ۹ صفحہ ۱۹۶ [۳] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۱ طبع بیروت

حضرت امام شافعیؒ اپنے رسالہ اصولِ فقہ میں لکھتے ہیں:۔

لم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن الساعۃ حتی انزل اللہ فیم انت من ذکرٰھا الی ربک منتھٰھا فانتھٰی قال الشافعی وقال اللہ عز وجل قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ وقال تعالٰی ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ سے یہ سوال برابر پوچھا جاتا رہا کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کو کیا کام اس گھڑی کے ذکر سے اس کے علم کی انتہا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرما چکا آپ کہہ دیں کہ آسمان اور زمین میں کوئی غیب کو نہیں جانتا مگر ایک اللہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قیامت واقع ہونے کی گھڑی بس اسی کو معلوم ہے۔

تیسری صدی کے جلیل القدر امام حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی ایک روایت میں بھی سن لیں

وان من العلم مالم یعلمہ الا اللہ۔[2]

ترجمہ: ایسے بھی علوم ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تیسری صدی کے آخر میں حافظ ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ)

ان اللہ عندہ علم الساعۃ فلا یدری احد من الناس متی تقوم الساعۃ ای سنۃ او فی ای شھر او لیل او نھار۔[3]

انما علم الساعۃ عند اللہ لا یعلم وقت قیامھا غیرہ۔ (پ ۲۲ ص ۳۵)

فلا یعلم قیامھا متی تقوم ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (پ ۹ ص ۹۴)

چوتھی صدی کے حافظ ابو جعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ)

واصل القدر سر اللہ فی خلقہ لا یطلع علی ذلک ملک مقرب ولا نبی مرسل۔[4]

---

[1] رسالۃ الامام الشافعی ص ۶۷ [2] الادب المفرد ص ۱۵۹ [3] حاشیہ تفسیر طبری پ ۲۱ ص ۵۵ [4] عقیدہ طحاوی ص ۴

ترجمہ. قدر کی اصل اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے بارے میں ایک راز ہے پھر اس پر کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی مطلع نہیں ہو پاتا۔

پانچویں صدی کے آخر میں محی السنہ امام بغویؒ (۵۱۶ھ) سے کون آشنا نہیں ؛

ویسئلک الناس عن الساعة قل انما علمها عند الله وما يدريك ای ای شیٔ يعلمك امر الساعة ومتى تكون قيامها ای انت لا تعرفه ۔[1]

ترجمہ. لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں سوائے اس کے نہیں کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور آپ کیا جانیں آپ کو اس گھڑی کا علم کوئی بتائے اور یہ گھڑی کب واقع ہوگی یہ آپ نہیں پہچانتے ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

کہنے لگا قیامت کے متعلق بیان کرو (کہ کب واقع ہوگی) حضورؐ نے فرمایا جس سے قیامت کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ قیامت کو نہیں جانتا ۔[2]

سائل کون تھا؟ کیا اس جواب کے وقت حضورؐ اسے پہچانتے تھے؟ حضرت الشیخ لکھتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :.

وہ جبریل تھے تم کو تمہارے دینی امور سکھانے آئے تھے اس سے پہلے جب کبھی کسی شکل میں آئے میں نے ان کو پہچان لیا مگر اس شکل میں انہیں نہیں پہچانا ۔[3]

چھٹی صدی کے جلیل القدر امام حضرت امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ)

واعلم انه تعالى بيّن في القرآن انه لا يطلع احداً من الخلق على وقته المعين ۔[4]

ترجمہ. اور آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سے کسی کو قیامت کے وقت معین پر مطلع نہ کرے گا۔

---

[1] معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۵۲۸ برحاشیہ خازن [2] غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۱۶ [3] ایضاً [4] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۹۴

قل انما علمها عند اللہ لا یتبیّن لکم فان اللہ اخفاھا الحکمۃ۔[1]

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اس کا علم صرف اللہ کے ہاں ہی ہے وہ تمہیں کبھی نہ بتائے گا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مخفی کر رکھا ہے۔

آیئے اب آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما المسئول عنھما باعلم من السائل (جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا) اس پر امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فیہ انہ ینبغی للعالم والمفتی وغیرھما اذا سئل عن مالا یعلم ان یقول لا اعلم وان ذٰلک لا ینقصہ۔[2]

ترجمہ۔ اس حدیث میں اس کی تعلیم ہے کہ عالم اور مفتی اور ان کے سوا جو بھی ہو جب اسے وہ بات پوچھی جائے جسے وہ نہیں جانتا تو صاف کہے کہ میں نہیں جانتا اور اس سے اس کا درجہ کم نہیں ہوتا۔

وقد طوی اللہ تعالیٰ علم القدر عن العالم فلم یعلم نبی مرسل ولا ملک مقرب۔[3]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے علم قدر کو پورے عالم سے لپیٹ رکھا ہے (محفوظ کر رکھا ہے) اسے نہ کوئی نبی مرسل جانے اور نہ کوئی فرشتہ مقرب (اس کا علم صرف اسی کے پاس ہے)

جلیل القدر مفسر قاضی بیضاوی (۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

استاثر بہ لم یطلع علیہ ملکاً مقرباً ولا نبیاً مرسلاً۔[4]

ترجمہ۔ اس نے اس علم کو اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو اس پر اطلاع نہیں بخشی۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۵۳۷ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۸ [3] تفسیر بیضاوی جلد ۱ ص ۳۰۵ [4] ایضاً جلد ۲ ص ۱۵۴

ساتویں صدی کے اواخر میں علامہ نسفیؒ (۰۰۰ھ) ہوتے ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیتے لکھتے ہیں :۔

ای لا ادری متی یکون یوم القیٰمۃ لان اللہ تعالیٰ لم یطلعنی علیہ۔[1]

ترجمہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کب واقع ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مطلع نہیں فرمایا۔

آٹھویں صدی کے جلیل القدر مفسر علامہ علی بن محمد الخازنؒ (۷۴۱ھ) رقمطراز ہیں :۔

انما قال کذٰلک اشعاراً بالتعمیم تعریضاً للسامعین ان کل سائل ومسئول فھو کذٰلک۔[2]

ترجمہ۔ آپ نے اس طرح تعمیم بتلانے کے لیے ارشاد فرمایا سامعین کو تعریضاً بتلایا کہ اس کا ہر پوچھنے والا اور ہر پوچھا جانے والا اس سوال میں اسی طرح ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) آیت لا املک لنفسی ضراً ولا نفعاً الا ما شاء اللہ کے تحت لکھتے ہیں :۔

ای لا اقول لکم الا ما علمنی ولا اقدر علیٰ شیٔ مما استاثر بہ الا ان یطلعنی اللہ علیہ فانا عبدہ ورسولہ الیکم وقد اخبرتکم بمجیٔ الساعۃ وانھا کائنۃ ولم یطلعنی علیٰ وقتھا۔[3]

ترجمہ میں تمہیں وہی بتلاتا ہوں جو میرے رب نے مجھے بتلایا اور میں کوئی ایسی قدرت نہیں رکھتا جس سے کسی چیز کو اپنے لیے خاص کرلوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی بات پر مطلع کردے میں اس کا بندہ ہوں اور اس کا تمہاری طرف رسول ہوں میں نے تمہیں قیامت کے آنے کی خبر دی ہے اور وہ آکر رہے گی اور اس کے واقع ہونے کے وقت سے اس نے مجھے اطلاع نہیں دی۔

---

[1] مدارک التنزیل جلد ۲ صفحہ ۷۱ [2] عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴

يقول الله تعالىٰ مخبراً لرسوله صلوٰت الله وسلامه عليه انه لا علم
له بالساعة وان سأله الناس عن ذلك وارشده ان يرد علمها الى الله
عز وجل كما قال تعالىٰ فی سورة الاعراف وهی مكية وهٰذه مدنية
فاستمر الحال فی رد علمها الى الذی يقيمها لكن اخبره انها قريبة
بقوله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبًا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ
کو قیامت کی گھڑی کا بالکل علم نہیں اگرچہ لوگ آپ سے اس کے بارے میں پوچھتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ آپ اس کا علم اللہ کے سپرد کریں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا تھا اور وہ مکی سورت ہے اور یہ مدنی۔ سو آپ
اب تک اسی حال میں رہے کہ اس کا علم اسی کی طرف لوٹائیں جو اسے قائم کرے گا
بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بہت قریب ہو۔ اپنے اس قول
میں۔ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۳)

آیئے اب نویں صدی میں چلیں حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب
ما المسئول عنہا باعلم من السائل کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچانا نہ تھا
کہ یہ سائل در اصل حضرت جبریل ہیں ۔

لانهما متساويان فی نفی العلم به وان كل سائل ومسئول فهو كذلك۔[2]

ترجمہ۔ سائل اور مسئول دونوں اس گھڑی کو نہ جاننے میں برابر ہیں اور آئندہ بھی جو پوچھے
اور جس سے پوچھا جائے وہ اس گھڑی کو جاننے میں برابر ہیں گے ۔

یعنی اس گھڑی کا علم صرف ایک کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں
اور یہ نفی اس گھڑی کے واقع ہونے تک رہے گی ۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۹ [2] عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۲۹۰

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فان المراد ایضاً التساوی فی عدم الحکم بہ۔[1]

ترجمہ۔ یہ مراد بھی ہے کہ سائل اور مسئول اس کے نہ جاننے میں دونوں برابر ہیں۔

علامہ جلال الدین محلیؒ (۸۶۴ھ) تفسیر جلالین میں

ای لیس عندک علمہا حتی تذکرھا۔ الیٰ ربک منتہٰہا ای منتہی علمہا لا یعلمہا غیرہ۔[2]

ترجمہ یعنی آپ کو اس کا علم نہیں کہ آپ اسے یاد کریں آپ کے پروردگار کی طرف اسکی انتہا ہے یعنی اس کے علم کی پہنچ اسی کی طرف ہے اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔

فیم انت من ذکراھا کے تحت لکھتے ہیں:۔

(یسئلونک) ای اھل مکۃ (عن الساعۃ... (انما علمہا) حتی تکون (عند ربی لا یجلیہا) یظہرھا (لوقتہا) اللام بمعنی فی (الا ھو)[3]

ترجمہ۔ آپ سے مکہ کے لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں.... اس کا علم کہ یہ کب واقع ہوگی میرے رب کے پاس ہے اور وہ اسے ظاہر نہ کرے گا مگر اپنے وقت پر ہی۔ لام بمعنی فی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اس صدی کے آخری جلیل القدر مفسر ہیں آپ جلالین میں

(یسئلونک) ای کفار مکہ (عن الساعۃ ایان مرسٰہا) متی وقوعہا وقیامہا (فیم انت من ذکراھا) لیس عندک علمہا حتی تذکرھا (الیٰ ربک منتہاھا) منتہی علمہا لا یعلمہ غیرہ۔[4]

ترجمہ۔ کفار مکہ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کب واقع ہوگی آپ کے پاس اس کا علم کہاں کہ آپ اسے بتائیں یہ تیرے رب کو ہی معلوم ہے اسے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ پہلے بھی کہہ آئے ہیں (قل انما علمہا عند اللہ ومایدریک) یعلمک بہا ای انت لا تعلمہا۔[5]

---

[1] فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۴ [2] جلالین ص ۴۸۸ [3] ایضاً ص ۱۴۳ [4] ایضاً ص ۴۸۷ [5] ایضاً ص ۵۶۳

دسویں صدی کے علماء اعلام میں ہم یہاں علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) خطیب شربینی (۹۷۷ھ) علامہ ابو السعود (۹۸۲ھ) اور امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

ولا یعلم متی تقوم الساعة الا اللہ فلم یعلم ذٰلک نبی مرسل ولا ملک مقرب۔[1]

ترجمہ۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کی گھڑی کب ہوگی مگر ایک اللہ کوئی نبی مرسل ہو یا ملک مقرب کسی نے اس گھڑی کو نہیں جانا۔

الیٰ ربک منتھٰھا ای منتھی علمھا لم یؤت احدًا من خلقہ کقولہ تعالیٰ انما علمھا عند ربی وقولہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعة۔[2]

ترجمہ۔ تیرے پروردگار کی طرف ہی ہے اس کی انتہا یعنی اس کے علم کی پہنچ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا جیسا کہ ارشاد ہے انما علمھا عند ربی سوائے اس کے نہیں کہ اس کا علم اللہ کے ہاں ہی ہے اور ان اللہ عندہ علم الساعة (پ۲۱ لقمان)

آیت یسئلک الناس عن الساعة

قل انما علمھا عند اللہ وما یدریک ای ای شیٔ یعلمک امر الساعة متیٰ یکون قیامھا ای انت لا تعرفہ۔[3]

ترجمہ۔ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے قیامت کی گھڑی کا (احزاب ۶۳) آپ کہہ دیں اس کا علم اللہ کے ہاں ہی ہے اور آپ کیا جانیں کون سی چیز آپ کو قیامت کا پتہ دے کہ کب واقع ہوگی یعنی آپ اسے نہیں جانتے۔

علامہ ابو السعود (۹۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

(قل انما علمھا عند اللہ) لا یطلع علیہ ملکًا مقربًا ولا نبیًا مرسلًا (وما یدریک) خطاب مستقل لہ صلی اللہ علیہ وسلم.... ای لا یعلمک بہ شیٔ اصلًا۔[4]

معنی کونہ عند اللہ تعالیٰ خاصة انہ تعالیٰ قد استأثرہ بہ بحیث لم یخبر بہ احدًا من ملک مقرب او نبی مرسل۔[5]

---

[1] ارشاد الساری للعلامہ القسطلانی جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ [2] السراج المنیر جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ [3] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۷۲
[4] تفسیر ابی السعود جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ [5] جلد ۳ صفحہ ۳۰۱

دسویں صدی کے اخیر میں جلیل القدر محدث اور مفسر فقیہ اور متکلم امام ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) گزرے ہیں. آپ دسویں صدی کے مجدد شمار کیے جاتے ہیں. پہلے وہ حدیث سامنے رکھیں. جس کی شرح میں ہم ملا علی قاریؒ کا عقیدہ قارئین کے سامنے لانا چاہتے ہیں. حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے پہلے سنا آپ فرما رہے تھے:۔

تسألونی عن الساعة وانما علمها عند اللہ.[1]

ترجمہ. تم مجھ سے پوچھتے ہو قیامت کی گھڑی کب ہوگی اور اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے

امام ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

همزة الانكار مقدرة ای تسألونی عن الساعة وانما علمها ای لا یعلمها الا هو.[2]

ترجمہ. اور کیا تم پوچھتے ہو مجھ سے قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم تو اللہ کے ہاں ہی ہے اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا.

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کے آخر عین حیات تک اللہ تعالیٰ نے قیام قیامت کے وقت کی کسی کو اطلاع نہ دی تھی اور حدیث ما المسئول عنها باعلم من السائل کے تحت لکھتے ہیں:۔

وقد جاهرَ بالكذب بعض من يدعى فی زماننا العلم وهو متشبع بمالم يعط ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلم متی تقوم الساعة قیل له فقد قال فی حدیث جبریل ما المسئول عنها باعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه انا وانت نعلمها وهذا من اعظم الجهل واقبح التحريف والنبیؐ اعلم باللہ من ان یقول لمن کان یظنه اعرابیًا انا وانت نعلم الساعة الا ان یقول هذا الجاهل انه کان یعرف انه جبریل

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ [2] مرقات جلد ص

فرسول اللہ علیہ السلام ھو الصادق فی قولہ والذی نفسی بیدہ ماجاءنی فی صورۃ الا قد عرفتہ غیر ھذہ الصورۃ [1]

ترجمہ بعض لوگوں نے جو ہمارے دور میں علم کے مدعی ہیں اور وہ بغیر کچھ پائے سیر ہوئے بیٹھے ہیں کتنا کھلا جھوٹ گھڑا ہے کہ آنحضرت یہ جانتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی انہیں کہا گیا کہ حدیث جبرئیل میں آنحضرت نے خود فرمادیا ما المسئول عنہما باعلم من السائل تو اس نے اس کی تحریف کردی اور کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اور تو دونوں جانتے ہیں (کوئی دوسرا زیادہ جاننے والا نہیں دونوں اس کا برابر علم رکھتے ہیں) یہ ان کی ایک بڑی جہالت ہے اور ایک بڑی قبیح تحریف ہے اور نبی پاک اس سے زیادہ خدا کو پہچاننے والے ہیں کہ آپ جسے ایک عام اعرابی سمجھتے ہیں اسے فرمائیں کہ میں اور تو دونوں جانتے ہیں. ہاں جاہل یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ جانتے تھے کہ وہ سائل جبرئیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اپنے اس قول میں سچے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں پہچان لیا مگر اس دفعہ میں انہیں پہچان نہ پایا۔

گیارہویں صدی کے محدثین میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سے کون واقف نہیں حدیث ما المسئول عنہا باعلم من السائل کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

یعنی نیستم من داناتر از تو بداں یعنی من و تو ہر دو برابریم در نادانستن آں بلکہ ہر سائل و مسئول ہمیں حال دارد کہ آں را بجز خداوند تعالیٰ کسے نداند و وے ہیچ کس را از ملائکہ و رسل برآں اطلاع ندادہ۔ [2]

ترجمہ. یعنی میں اسے تم سے زیادہ جاننے والا نہیں ہوں میں اور تو اس کے نہ

---

[1] مرقات کبیر صفحہ ۱۱۹ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۴۵

جاننے میں برابر ہیں بلکہ ہر سائل و مسئول اس میں برابر ہوگا اس خاص وقت کو بجز اللہ تعالیٰ کے اور اس نے فرشتوں اور پیغمبروں میں سے کسی کو اس وقت کی اطلاع نہیں دی ۔

پھر مشکوٰۃ کی عربی شرح تنقیح اللمعات میں لکھتے ہیں :۔

ما المسئول عنہا باعلم من السائل ای ھما سواء فی عدم العلم بوقت قیامہا[1]

ترجمہ جس سے پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کا علم نہ رکھنے میں وہ دونوں برابر تھے ۔

پھر حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت تسألونی عن الساعۃ کے تحت لکھتے ہیں :۔

گفت جابر شنیدم آنحضرتؐ را پیش از رحلت خود بیک ماہ تسألونی عن الساعۃ مے پرسید مرا از وقت قیام قیامت وانما علمہا عند اللہ ونیست علم بہ تعیین وقت آں مگر نزد خداوند عزوجل یعنی از وقت وقوع قیامت کبریٰ می پرسید آں خود معلوم من نیست وآں را بجز خداوند تعالیٰ کسی نداند[2]

ترجمہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے حضور کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ فرماتے سُنا تم مجھ سے قیامت کی گھڑی کا پوچھتے ہو؟ اس کا علم تو اللہ کے ہاں ہی ہے اس گھڑی کا معین وقت اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ۔

تم مجھ سے قیامت کبریٰ کے وقوع کا وقت پوچھتے ہو وہ مجھے خود معلوم نہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس گھڑی کے علم کا بوجھ آخر وقت تک حضور پہ نہ ڈالا گیا تھا یہ علم اس قدر بھاری ہے کہ آسمان و زمین اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے ۔

---

[1] لمعات التنقیح جلد ۱ صفحہ ۷ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۳۷۷

بارہویں صدی کے علماء میں ہم شیخ احمد ملا جیون (۱۱۳۰ھ) مجدد مائۃ دوازدہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اور الزاماً شیخ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ) صاحب روح البیان کو پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی کا عقیدہ یہ نہ تھا کہ وقت قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو دیا ہے یا کوئی فرشتہ اور پیغمبر اس پر مطلع ہے۔

ملا جیونؒ قاضی بیضاویؒ کی ایک عبارت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فَعُلِم من کلامہ ھٰذا ان اللہ تعالیٰ یطلع الاولیاء علی بعض ما یشاء من الغیوب الخمسۃ۔[1]

ترجمہ۔ ان کی اس بات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو غیوب خمسہ میں سے بعض امور پر اطلاع دیتے ہیں۔

پھر لفظ بعض مایشاء کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

قید بعلم بعضہ لیخرج مثل علم الساعۃ۔[2]

ترجمہ۔ یہاں بعض چیزوں کے علم کی قید اس لیے ہے کہ قیامت کی گھڑی کا علم اس سے نکل جائے۔

حاصل یہ کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں دیتے نہ اس نے کسی کو دیا ہے نہ کسی فرشتے کو نہ کسی پیغمبر کو اور رہا باقی چار چیزوں میں سے کسی کی جب بھی کسی نے اطلاع پائی وہ جزئیات کے درجے میں تھی۔ بطور کلیہ ان چار کا علم بھی صرف اسی کے پاس ہے اس نے ان کی چابی کسی کو نہیں دی کہ جب چاہے بغیر اطلاع خداوندی خود جان لے کہ بارش کب ہوگی کہاں کہاں ہوگی اور کتنی ہوگی یا کل دنیا کی حاملہ عورتوں کے پیٹ میں نیک بخت بچہ ہے یا بدبخت۔ وہ مومن ہوگا یا کافر ——— یا یہ کہ کوئی شخص کل کیا کرے گا۔ ایسے کل کا احاطہ کون کر سکتا ہے اور یہ کہ کسی نے کس زمین پر مرنا ہے۔ کہاں اسے موت آئے گی۔ ان سب باتوں کا علم بطور کلیہ صرف

---

[1] تفسیر احمدی ص۶۷۴ [2] ایضاً

اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ ان میں سے بعض جزئیات کی خبر اگر کسی کو کرامتہً دے دیں تو یہ سب جزئیات ہوں گی گو وہ لاکھوں کیوں نہ ہوں۔

ملا جیونؒ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کا علم اللہ تعالیٰ نے عطائی طور پر بھی کسی کو نہیں دیا، یہی عقیدہ اورنگ زیب عالمگیر کا تھا ـــــ یہ ملا جیون کون ہیں؟ جن کی کتاب نور الانوار اہلسنت کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

اسماعیل حقی آفندیؒ (۱۱۳۷ھ)

مولانا اسماعیل حقی ایک ترکی بزرگ ہیں۔ بعض باتیں بڑے پتے کی کہہ گئے۔ قیامت کا علم کس جہت سے تعلق رکھتا ہے اور کس جہت سے نہیں۔ اس پر آپ نے بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں پر کس قسم کے غیب کھولتا ہے؛ وہ جن کا تعلق رسالت کے ساتھ ہو وہ رسالت کے مبادی میں سے ہوں یا اس کے ارکان و احکام سے۔ لیکن ہوں وہ غیوب متعلق بالرسالۃ ـــــ اسی ضمن میں احوال آخرت ہیں جن پر پیغمبر عوام کو متوجہ کرتے ہیں۔ اس بحث میں مولانا اسماعیل حقی لکھتے ہیں:۔

احوال الاٰخرۃ التی من جملتھا قیام الساعۃ والبعث وغیر ذٰلک من الامور الغیبیۃ التی بیانھا من وظائف الرسالۃ واما مالا یتعلق بھا علی احد الوجھین من الغیوب التی من جملتھا وقت قیام الساعۃ فلا یظھر علیہ احدًا ابدًا۔[1]

ترجمہ۔ آخرت کے احوال جن سے قیامت کا واقع ہونا اور قبروں سے اٹھنا بھی ہے اور ان جیسے اور امورِ غیبیہ ان کا بیان وظائف رسالت میں سے ہے لیکن وہ غیوب جو کسی پہلو سے بھی رسالت کی ذمہ داریوں میں نہیں جیسا کہ اس خاص گھڑی کا علم کہ قیامت کب واقع ہو گی سو اللہ تعالیٰ اس پر کسی کو قبضہ نہیں دیتے (انہیں کوئی جان نہیں سکتا)

---

[1] روح البیان جلد، صـــ

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کرامۃً بیان کیا کہ ان کی بیوی جو خارجہ کی بیٹی تھی لڑکی جنے گی اور ایسا ہی ہوا۔ یہ حصول ظن ہے جو صادقین پر پورا ہوتا ہے اسے علم قطعی نہیں کہا جاسکتا ــــــ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

فیہ حصول الظن بمثل ذٰلک وانما الممتنع العلم فلا یخالفہ قولہ تعالیٰ ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام۔[1]

ترجمہ: آپ نے جو بات کہی اس سے ایسی باتوں کا ظن حاصل ہوا جو ممتنع ہے وہ ایسی بات کا علم ہے۔ سو حضرت ابوبکرؓ کا ایسی خبر دینا قرآن پاک سے نہیں ٹکراتا جس میں ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے اس کے لیے اُرٰھا کا لفظ اختیار کیا تھا اور اس کے معنی گمان کے ہیں۔

ای اظن ان ما فی بطنھا انثیٰ۔[2]

ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنھم صفات الواجب جل مجدہ من العلم بالغیب والقدرۃ علیٰ خلق العالم الیٰ غیر ذٰلک ولیس ذٰلک بنقص و ثبت اتصاف الانبیاء علیھم السلام بالجوع والظمأ والحاجات و امثالھا ولیس ذٰلک بنقص۔[3]

ترجمہ: پھر جانا جائے کہ ان حضرات سے صفاتِ واجب جل مجدہ کی نفی کرنی ضروری ہے جیسے علم غیب اور تخلیق عالم پر قدرت وغیرہ اور یہ نفی کرنا ان کے حق میں ہرگز کوئی عیب نہیں اور انبیاء کرام کا بھوک و پیاس اور اس قسم کی دوسری ضرورتوں سے موصوف ہونا یہ شریعت کی رو سے ثابت ہے اور یہ ان کے حق میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔

---

[1] مسوی شرح موطا ص۳۱۴ [2] المغرب جلد ۱ ص۱۹۰ [3] تفہیمات جلد ۱ ص۲۴

اب آیئے آپ کو تیرہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء اعلام میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) علامہ محمود آلوسی مصری (۱۲۷۰ھ) اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ)

انما علمها عند ربی — استاثر بعلمها لا یعلمها الا هو لم یطلع علیه ملکاً مقرباً ولا نبیاً۔[1]

ترجمہ۔ اس کا علم تو اللہ ہی کے ہاں ہے اس نے اس کا علم خاص اپنے لیے رکھا ہے اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس نے اس کی اطلاع کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی کو نہیں دی۔

المراد بالعلم العلم القطعی والعلم الحاصل للاولیاء بالالہام وغیرہ ظنی لیس بقطعی۔[2]

ترجمہ۔ یہاں علم سے علم قطعی مراد ہے اور ان چیزوں کا جو علم الہام وغیرہ سے اولیاء کو ملتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔

یسئلك الناس عن الساعة ای عن وقت قیامها.... قل یا محمد انما علمها عند الله لم یطلع الله احداً من الانبیاء والملئکة وما یدریك وای شیٔ یعلمك وقت قیامها اذا لم یطلع الله علیه احداً من خلقه۔[3]

ترجمہ۔ لوگ آپ سے قیامت کا پوچھتے ہیں کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کہہ دیں اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اس پر اس نے اپنے پیغمبروں اور فرشتوں میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی اور آپ نہیں جانتے کون سی چیز آپ کو اس کا وقت بتا سکے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (۱۲۳۰ھ)

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۴۹۵ [2] ایضاً جلد ۱۰ ص ۹۶ [3] ایضاً جلد ۱۰ ص ۱۷۶

تو جانتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم اس کا (کہ قیامت کب واقع ہو گی) نہیں ہے۔[1]

خبر قیامت کے آنے کی خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو خبر نہیں جو کب آوے گی ..... تو ہرگز نہیں جانتا اس کے آنے کا وقت۔[2]

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

وانه یجوز ان یطلع الله تعالیٰ بعض اصفیائه علی احدی هذه الخمس و یرزقه عزوجل العلم بذلك فی الجملة وعلمها الخاص به جل وعلیٰ ما کان علیٰ وجه الاحاطة والشمول لاحوال کل منها وتفصیله علی الوجه الاتم۔[3]

ترجمہ۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض مقبولوں کو ان پانچ مغیبات میں سے کسی پر اطلاع بخشے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کا فی الجملہ علم دے دے۔

ان پانچ چیزوں کا جو علم اللہ تعالیٰ سے خاص ہے وہ ان کا علم محیط تفصیلی ہے۔

آیئے اب آپ کو چودھویں صدی میں لے چلیں۔ مفسر جلیل محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:۔

قل لهم یا محمد لا یعلم الوقت الذی یحصل قیام القیمة فیه الا الله سبحانه ثم اکد ذلك بقوله لا یجلیها لوقتها الا هو ای لا یکشف امرها ولا یظهر للناس الا الرب سبحانه بالذات فهو العالم بوقتها .. لا یعلم الا الله لانها من الامور الغیبیة التی استاثر بها علام الغیوب۔[4]

---

[1] موضح القرآن ص ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۴۴۶ [3] روح المعانی جلد ۲۱ ص ۱۰۰ [4] صفوة التفاسیر جلد ۱ ص ۴۸۶

ترجمہ اے محمدؐ! آپ کہہ دیں کہ جس گھڑی قیامت قائم ہوگی اس کو اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی اور تاکید فرمائی لا یجلیہا لوقتہا الا ھو کہ اس سے پردہ نہ اُٹھائے گا اور اسے لوگوں پر نہ ظاہر کرے گا، مگر بالذات رب تعالیٰ ہی سو وہی اس کا وقت جانتا ہے..... اسے کوئی نہیں جانتا مگر اللہ ہی۔ کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن کا علم ذاتِ علام الغیوب نے اپنے پاس ہی رکھا ہے۔

کل ذٰلک غیب من الغیب لم یجد ثنا عنہ القرآن ولیس وراء القرآن فی ھٰذا الباب الا اساطیر لا تستند الٰی برھان۔[1]

ترجمہ۔ یہ ہر چیز غیب کی ہے نہ یہ ہمیں قرآن نے بتلائی اور قرآن کے بعد اس موضوع پر سوائے چند کہانیوں کے اور کچھ نہیں جس کی دلیل کسی سند تک نہیں پہنچتی۔

ان الساعۃ غیب من الغیب الذی استاثر اللہ بعلمہ فلم یطلع علیہ احدًا من خلقہ ولکن المشرکین یسألون الرسول فیہا.....

والرسول صلی اللہ علیہ وسلم بشر لا یدعی علم الغیب ماموران یکل الغیب الٰی صاحبہ وان یعلمہم انہا من الخصائص الالوھیۃ وانہ بشر لا یدعی شیأ خارج بشریتہ ولا یتدعی حدودھا انما یعلمہ ربہ و یوتی اللہ مایشاء۔[2]

ترجمہ۔ قیامت کی گھڑی غیبوں کا غیب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے اس پر اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی تاہم مشرکین اس بارے میں رسول پاکؐ سے پوچھتے ضرور رہے اور رسول پاک انسان تھے،

---

[1] ظلال القرآن جلد ۲ ص ۸۰۵ [2] ایضاً جلد ۳ ص ۱۴۳

علم غیب کا دعوے نہ رکھتے تھے۔ آپ اس پر مامور رہے کہ علم غیب کی نسبت ہمیشہ اللہ ہی کی طرف کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ علم غیب جاننا خصائص الوہیت میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور آپ بشریت سے باہر کسی چیز کے مدعی نہیں اور نہ آپ اس کی کسی حد کے مدعی تھے آپ کا اس کا علم آپ کے رب سے ہی ملتا تھا اور اللہ تعالےٰ جو چاہتے ہیں کسی کو دیتے ہیں۔

چودہویں صدی کے بزرگوں میں خانقاہ گولڑہ کے مورث اعلیٰ جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ (۱۳۵۶ھ) سے کون واقف نہیں۔ قادیانیوں اور بریلویوں کا دعوے تھا کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے۔ مرزا غلام احمد نے حضورؐ تک دنیا کی یہ عمر بتلائی :-

خدا نے ایک کشف کے ذریعہ سے اطلاع دی ہے ..... ۴۷۳۹ برس ابتدائے دنیا سے آنحضرت کے روز وفات تک قمری حساب سے ہے۔[1]

بریلویوں کے مفتی احمد یار گجراتی بھی کہتے ہیں :-

دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے یہ بروایت صحیحہ ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔[2]

پیر مہر علی شاہ صاحبؒ قادیانیوں اور بریلویوں دونوں کے خلاف تھے۔ آپ اس سات ہزار سال والی روایت کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے صریح خلاف قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :-

قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو۔ (پ ۹ الاعراف ع ۲۳)

ترجمہ۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیں قیامت کے وقت کا علم تو میرے رب کے پاس ہی ہے وہی اسے کھولے گا اس کے وقت پر۔

---

[1] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۴ طبع اوّل [2] جاء الحق صفحہ ۱۴۶

حدیث صحیح میں ہے کہ جب آپ سے پُوچھا گیا قیامت کب واقع ہو گی تو آپ نے فرمایا۔
ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔

پیر مہر علی شاہ صاحب اس آیت اور حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے قادیانیوں اور بریلویوں کی تردید میں لکھتے ہیں ۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ قیامت سات ہزار سال سے پہلے نہیں آ سکتی میں کہتا ہوں یہ سات ہزار سال کی تحدید جو آپ نے لگائی ہے یہ منافی ہے۔ لا یجلیھا لوقتھا الا ھو کے اور ان احادیث کے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (وقتِ قیامت کے علم سے) لاعلمی بیان فرمائی ہے[1]

مفتی احمد یار خاں نے یہ جو لکھا ہے۔

دُنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے بہ روایت صحیحہ ثابت ہے۔ (جاء الحق ص) یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کسی روایت صحیحہ میں دُنیا کی عمر سات ہزار سال نہیں بتائی گئی۔ یہ روایت بالکل موضوع ہے جسے مفتی صاحب صحیح قرار دے رہے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نے اسے موضوع لکھا ہے اور مجدد مائۃ دہم ملا علی قاریؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ھٰذا ابین الکذب[2]

ترجمہ۔ یہ روایت (کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے) بڑا کھُلا جھُوٹ ہے۔

چودھویں صدی کے اس عظیم گواہ کے بعد ہم اپنے اس موقف کے حق میں اور کسی گواہی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہم نے اس موضوع پر کہ اللہ رب العزت نے قیامت کے وقت کی گرہ کسی پر نہیں کھولی۔ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ہم نے اس عقیدہ کے بیان پر قرآن کریم کی دس آیتیں جو اپنے موضوع پر قطعی الدلالۃ ہیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ عقائد قطعی دلائل

---

[1] شمس الھدایہ ص۲۶ [2] موضوعاتِ کبیر ص۱۱۸

سے ثابت کیے جاتے ہیں خبرِ واحد یا کسی قول سے نہیں۔ یہ صرف اللہ اور رسول کی بات ہے جس سے دین ثابت ہوتا ہے ظنیات کا اس باب میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ہم عقیدہ علم غیب تاریخ انبیاء کی روشنی میں بھی دس شہادتوں سے پیش کر آئے ہیں۔ یہ دس پیغمبروں کے واقعات واضح طور پہ بتاتے ہیں کہ نبی کے معنی غیب جاننے والے کے نہیں ورنہ قرآن کریم کی کتنی کھلی آیات سے معارضہ لازم آئے گا۔ پھر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ہم نے چار عنوان آپ کے سامنے پیش کیے ہیں کہ جو علوم آپ کی شان کے لائق نہ تھے جیسے علم شعر یا علم قصص یا بطریق ریاضت پردوں کا اٹھانا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بلند و بالا رکھا اور وقت قیامت کا علم بھی آپ کو نہ دیا گیا کہ یہ علم زمین و آسمان پر بھاری تھا اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گرانباری کا متحمل نہ کرنا چاہتے تھے۔ نیز اس کا منصب رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔

عدم علم بوقت قیامت پہ قرآن کریم سے دس قطعی شہادتیں ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں جن میں سے ایک کا انکار ایک مستقل وجہ کفر ہے۔

ان دلائل و شواہد سے علم غیب کا مسئلہ کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ بطور کلیہ اللہ رب العزت کے غیب کی چابیاں کسی کے ہاتھ میں نہیں دیں اور وقت قیامت کا علم قطعیاتِ قرآن کی روشنی میں صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ ہرگز مسلمان نہیں وہ کفر کا مرتکب ہے۔

علم بوقت قیامت کے مدعی کا حکم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی نہیں علامہ زجاجؒ (۳۱۱ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے:۔

من ادعٰی انہ یعلم شیئاً من ہذہ الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم[1]

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۷، ص۶۱

حضرت علامہ علی بن محمد الخازن (۱۴، ھ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں:۔

ھذہ الخمسۃ لا یعلمہا ملک مقرب ولا نبی مصطفی فمن ادعی انہ یعلم شیأً من ھذہ فقد کفر بالقرآن لانہ خالفہ۔[1]

ترجمہ: یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی چنا ہوا نبی جو شخص یہ دعوے کرے کہ وہ ان میں سے کسی کو جانتا ہے اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کے اس بیان کو نہیں مانا۔

یہ اس لیے کہ جس طرح یوم آخرت پر ایمان لانا دین کا تقاضا ہے اور اس کا انکار کفر ہے یہ بھی قرآن کریم کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وقت قیامت کا علم کسی کے پاس نہیں اور اس کا ماننا دین میں سے ہے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

قلت الاعتقاد بوجودھا وبعدم العلم بوقتہا بغیر اللہ تعالیٰ من الدین ایضاً۔[2]

ترجمہ: میں کہتا ہوں قیامت آنے پر اعتقاد رکھنا اور یہ جاننا کہ ایک اللہ کے سوا کوئی اس گھڑی کو نہیں جانتا جب یہ واقع ہو گی، یہ دونوں باتیں ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔

شارح صحیح بخاری حضرت علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

یدخل فیہ اعتقاد وجود الساعۃ وعدم العلم بوقتہا لغیر اللہ تعالیٰ لانہما من الدین۔[3]

ترجمہ: اس میں قیامت واقع ہونے کا اعتقاد رکھنا داخل ہے اور یہ گھڑی کب واقع ہو گی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ بھی اس میں داخل ہے یہ دونوں باتیں دین کی ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ [3] ارشاد الساری جلد ۱ صفحہ ۱۱۴

قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اس پر نبوی شہادت

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک اجنبی مسافر حضورؐ کی خدمت میں آیا جسے ہم میں سے کوئی نہ پہچانتا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و اسلام کے متعلق سوالات کیے۔ پھر اس نے الاحسان کے بارے میں سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب دیتے رہے۔ پھر اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ آپ نے سرمبارک نیچے ڈال دیا۔ پھر اس نے سوال دہرایا۔ آپ سر اٹھایا اور فرمایا :-

ما المسئول عنہا باعلم من السائل۔[1]

ترجمہ: جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ (اس کے وقت کو) پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں کی زندگی کے آخری دور کا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس بیان کے صحابہؓ میں اور بھی کئی گواہ ہیں۔ دس گواہوں کے نام ہم یہاں لکھے دیتے ہیں۔

① حضرت عمر بن الخطابؓ (۲۳ھ)
② حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ (۵۱ھ)
③ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (۵۲ھ)
④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ)
⑤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)
⑥ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ)
⑦ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ)
⑧ حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ (۷۸ھ)
⑨ حضرت ابوعامر الاشعریؓ (ھ)
⑩ حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ)

ما المسئول عنہا باعلم من السائل کے اور موارد

ایک حدیث جبریل میں [illegible] بھی [illegible] طلب ہیں۔ ان میں آپ دیکھیں کہ ان میں سلف

---

[1] صحیح بخاری جلد ا ص [illegible] صحیح مسلم جلد ا ص [illegible] السنن نسائی جلد ۲ ص ۲۶۶

کے پیرو کون ہیں اور اپنا دین و مذہب خود بنانے والے کون ہیں ــــ جو لوگ نیا دین گھڑیں۔ وہ اہل سنت نہیں ہو سکتے انہیں اہل سنت سمجھنا گناہ ہے۔

(۱) حضرت جبریلؑ کی موقع پر پہچان ہو گئی تھی یا نہ؟

حضرت عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کے جانے کے بعد فرمایا۔

فوالذی نفسی بیدہ ما شبّہ علی منذ اتانی قبل مرتی ھٰذہ وما عرفتہ حتی ولی۔[۱]

ترجمہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جبریلؑ جب سے میرے پاس آ رہے ہیں اس ایک دفعہ کے سوا کبھی مجھ پر اس کا اتنا شتبہ نہیں رہا اس دفعہ میں نے انہیں نہیں پہچانا یہاں تک کہ آپ چلے گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر پوچھا۔ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے سر جھکا لیا اور خاموشی اختیار کی۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر خاموشی اختیار کی۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا۔

والذی بعث محمدًا بالحق ھدی و بشیرًا ما کنت باعلم بہ من رجل منکم وانہ لجبریل علیہ السلام نزل فی صورۃ دحیۃ الکلبی۔[۲]

ترجمہ۔ اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ ہادی اور بشیر بنا کر بھیجا۔ میں تم میں سے کسی سے زیادہ اسے جاننے والا نہ تھا۔ نہ میں جانتا تھا کہ یہ وہی جبریل ہے جو دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے حضرت ابو عامر اشعریؓ سے یہ لفظ بھی نقل کیے ہیں۔

---

[۱] سنن دار قطنی جلد ۱ ص ۲۸۲ واسنادہ صحیح۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۵ عینی جلد ۱ ص ۳۴۰ [۲] سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۶۶ عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۳۳

کہ آپ نے فرمایا:-

والذی نفس محمد بیدہ ماجاءنی قط الا وانا اعرفہ الا ان تکون ھذہ المرۃ۔[1]

ترجمہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے جبریل کبھی میرے پاس نہ آئے مگر یہ کہ میں انہیں پہچانتا رہا مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہوا (میں انہیں جان نہ سکا)

حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

واللہ ما اتانی فی صورۃ الا وانا اعرفہ فیھا الا ھذہ الصورہ۔[2]

ترجمہ. بخدا جبریل جب بھی کسی صورت میں میرے پاس آئے میں انہیں پہچانتا رہا مگر صرف اس دفعہ.

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے اور حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ سے بھی اسی قسم کی روایات کنز العمال جلد ۱ صہ ۶۹ اور صہ ۱۷ میں مروی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ کب چلا کہ سائل حضرت جبریل تھے؟ تین رات یا دن گزرنے کے بعد — حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں صحیح ابی عوانہ میں ہے کہ تین رات گزرنے کے بعد — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ سائل تو حضرت جبریل تھے. آپ نے کہا.

سبحان اللہ ھذا جبریل جاء لیعلم الناس دینھم۔[3]

ترجمہ سبحان اللہ یہ تو جبریل تھے آپ اس لیے آئے کہ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم ہو جائے.

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:

فرسول اللہ علیہ السلام ھو الصادق فی قولہ والذی نفسی بیدہ ماجاءنی فی صورۃ الا قد عرفتہ غیر ھذہ الصورۃ[4]

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صہ ۱۱۵ قسطلانی جلد ۱ صہ ۱۱۶ [2] مسند امام اعظم جامع المسانید جلد ۱ صہ ۱۷۵ [3] عمدۃ القاری جلد ۱ صہ ۳۳۰ [4] موضوعات کبیر صہ ۱۱۹

ترجمہ. سو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس قول میں سچے ہیں کہ بخدا جبریل جب بھی میرے پاس آتے رہے میں انہیں پہچانتا رہا ماسوائے اس دفعہ کے.

۲ جبریل کی یہ آمد رسالت کے کس دور میں واقع ہوئی؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دور کا ہے وہ سائل کے آنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں ا۔

ان رجلاً فی اٰخر عمر النبیؐ جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ. ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی عمر کے آخری دور میں آیا.

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں ا۔

انما جاء بعد انزال جمیع الاحکام لتقریر امور الدین الذی بلغها متفرقة فی مجلس واحد لتنضبط.[2]

ترجمہ. جبریل اس وقت آئے جب آپ پر دین کے تمام احکام اُتر چکے تھے تاکہ وہ وہ امور دین جو آپ کو متفرق طور پر پہنچتے رہے اب ایک مجلس میں انضباط میں آجائیں.

فخر الحنفیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں۔

ولما تم امر الارشاد واقترب اجله بعث اللّٰہ فی صورة رجل یراه الناس فسئل النبیؐ عن الایمان والاسلام والاحسان و الساعة.[3]

---

[1] رواہ ابن مندہ واسنادہ صحیح علی شرط مسلم وراجع له الفتح جلد ۱ صـ۱۲ والعمدہ جلد ۱ صـ۲۹۲

[2] فتح الباری جلد ۱ صـ۶۳ [3] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۱۰۲

ترجمہ جب (دین کا) امرِ ارشاد اپنی انتہا کو پہنچا اور آپ کی وفات کی گھڑی قریب آگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ایک عام آدمی کی صورت میں آپ کے پاس بھیجا اس نے آپ سے ۱۔ ایمان ۲۔ اسلام ۳۔ احسان اور ۴۔ قیامت کے بارے میں سوالات کیے۔

یہ بات اس لیے ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اہلِ بدعت اسے دورِ اوّل کا واقعہ بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو وقت قیامت کا علم اس کے بعد کسی وقت دیا گیا ہے۔

③ سائل اور مسئول میں برابری علم میں یا نفی علم میں؟

سائل (حضرت جبریل) نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ قیامت کب واقع ہوگی تو اس وقت آپ جانتے نہ تھے کہ یہ جبریل ہیں آپ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں ایک عام بدوی کو جواب دے رہا ہوں۔ سو یہاں ادنیٰ احتمال بھی نہیں کہ آپ اپنے جواب ما المسئول عنہا باعلم من السائل میں تساوی فی العلم کا اشارہ کر رہے ہوں کہ قیامت کب واقع ہوگی یہ ہم دونوں کو معلوم ہے۔ (استغفر اللہ) آپ سائل کو بغیر جانے ایسی بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ پھر کسی بات کے بارے میں تساوی کی بات یہ تو ہر ماحول میں چلتی ہے۔ لیکن وجود علم میں تساوی کا دعوےٰ بہت کم سننے میں آتا ہے۔ کسی موضوع کو جاننے والے کوئی دو عالم ایسے ملیں گے جن میں تساوی فی العلم کا دعویٰ راہ پا سکے۔ کسی چیز کے بارے میں نفی علم میں تساوی پانے والے آپ کو ہر ماحول میں ہزاروں ملیں گے ــــ اہل سنت محدثین نے یہاں حضورؐ کے جواب کہ اسے مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں تساوی نفی علم میں مراد لی ہے نہ یہ کہ میں بھی جانتا ہوں اور تو بھی جانتا ہے۔ (معاذ اللہ)

علامہ نوویؒ (۶۷۶ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ینبغی للعالم والمفتی وغیرھما اذا سئل عن ما لا یعلم ان یقول لا اعلم وان ذٰلک لا ینقصہ [1]

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۸

ترجمہ۔ ہر عالم اور مفتی کو چاہیئے کہ جب اس سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جسے وہ نہ جانتا ہو تو صاف کہے میں نہیں جانتا یہ کہنا اس کی شان میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) کہتے ہیں وقت قیامت کو کوئی نہیں جانتا۔ نہ کوئی نبی اور نہ کوئی فرشتہ سو اس جملہ کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ میں اور تو دونوں جانتے ہیں قیامت کب واقع ہوگی۔ آپ لکھتے ہیں :۔

فعلم وقت الساعة لا یعلمه نبی مرسل ولا ملك مقرب .... فلا یدری احد من الناس حتی تقوم الساعة فی ای سنة او فی ای شهر او لیل او نهار[1]

ترجمہ۔ سو قیامت کی گھڑی کا وقت اسے کوئی نہیں جانتا نہ کوئی نبی مرسل اور نہ کوئی ملک مقرب سو کوئی شخص نہیں جانتا کیا قیامت کب واقع ہوگی کس سال، کس مہینے میں اور رات کو یا دن کو۔

اب نویں صدی ہجری میں چلیں۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

لانهما متساویان فی نفی العلم به ان کل سائل و مسئول فهو کذلک[2]

ترجمہ۔ سائل اور مسئول دونوں اس گھڑی کا علم نہ رکھنے میں برابر ہیں اور آئندہ بھی اس بارے میں ہر سائل اور مسئول اسے نہ جاننے میں برابر رہیں گے۔

اب دسویں صدی میں چلیں علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) لکھتے ہیں :۔

والمراد نفی علم وقتها لان علم مجیئها مقطوع به فهو علم مشترك

وهذا وان اشعر بالتساوی فی العلم الا ان المراد التساوی فی نفی العلم بان الله استاثر بعلم وقتها مجیئها[3]

ترجمہ۔ اس سے مراد اس وقت کے جاننے کی نفی ہے کیوں کہ اس کے

---

[1] مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ۷۰ [2] عمدة القاری جلد ا صـ۲۹۰ [3] ارشاد الساری جلد ا صـ۱۱۱

واقع ہونے کا وقت طے شدہ ہے اور وہ قطعی ہے۔ پس اتنا علم مشترک ہے اور یہ اگرچہ دونوں میں برابری کو مشعر ہے مگر مراد نہ جاننے میں برابری ہے کیونکہ اس گھڑی کے واقع ہونے کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے۔

حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی اسی صدی کے محدث ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

انھما مستویان فی العلم بہ غیر مراد فانھما مستویان فی نفی العلم بہ[1]

ترجمہ: یہاں یہ مراد نہیں کہ دونوں اسے جاننے میں برابر ہیں سائل اور مسئول کی تساوی یہاں نہ جاننے میں ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ثبوت علم میں برابری ہے۔ آپ ان کی تردید میں لکھتے ہیں:۔

ھذا من اعظم الجھل واقبح التحریف والنبی اعلم باللہ من ان یقول عن کان یظنہ اعرابیا انا وانت نعلم الساعۃ[2]

ترجمہ: یہ بہت بڑی جہالت اور بہت بری تحریف ہے۔ نبی پاکؐ اس سطح کلام سے کہ جسے آپ ایک بدو سمجھ رہے ہوں اسے کہیں کہ میں اور تو دونوں جانتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔

آیئے اب ہم آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

یعنی نیستم من داناتر از تو بداں یعنی من و تو ہر دو برابریم در نادانستن آں بلکہ ہر سائل مسئول ہمیں حال وارد کہ آں را جز خداوند تعالیٰ کسے نداند و وے تعالیٰ ہیچکس را از ملائکہ و رسل برآں اطلاع ندادہ[3]

ترجمہ: میں تم سے زیادہ اسے جاننے والا نہیں ہوں اور تو اسے نہ جاننے میں

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۶۲ [2] موضوعات کبیر ص ۱۱۸ [3] اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۴۵

برابر ہیں بلکہ قیامت کا وقت معلوم کرنے میں ہر سائل اور مسئول کا یہی حال ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے فرشتوں اور رسولوں میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی۔

آپ لمعات التنقیح میں بھی لکھتے ہیں:۔

(ما المسئول عنها باعلم من السائل) ای هما سواء فی عدم العلم بوقت قیامها ..... لوقدر العلم بها لکان جبریل اعلم لکونه فی الملکوت الاعلیٰ ناظراً فی اللوح المحفوظ موکولاً الیه ایصام العلوم الی الانبیاء صلوات اللہ علیهم اجمعین۔[1]

ترجمہ۔ وقوع قیامت کا وقت نہ جاننے میں دونوں برابر ہیں — اگر اس کا جاننا کسی ایک کے لیے مقدر ہوتا تو وہ جبریل تھے جو ملکوت اعلیٰ میں رہتے ہیں لوح محفوظ پر ان کی نظر پڑتی ہے اور انبیاء کرام پر علوم اتارنے میں وحی انہی کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ کا ان سب پر سلام ہو۔

نواب قطب الدین خاں شاگرد حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی بھی حدیث کے الفاظ ما المسئول عنها باعلم من السائل کا یہ ترجمہ کرتے ہیں:۔

نہیں وہ شخص کہ پوچھا گیا قیامت سے، زیادہ جاننے والا پوچھنے والے سے
یعنی میں اور تو برابر ہیں نہ جاننے میں۔[2]
تعین اس کے وقت کا سوائے عالم الغیب کے اور کوئی نہیں جانتا۔[3]

④ اپنی ذات گرامی سے علم بوقت قیامت کی نفی کے اور پیرائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ گرامی سے علم بوقت قیامت کی نفی صرف

[1] لمعات التنقیح جلد ۱ صفحہ ۵ [2] مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۱۲ مطبع نولکشور [3] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۳۱۹

ما المسئول عنها باعلم من السائل سے نہیں کی. بلکہ آپ نے اس بات کے اظہار کے لیے اور کئی پیرائے بھی اختیار فرمائے. ہم چند روایات یہاں بھی پیش کیے دیتے ہیں۔

(۱) ——— حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ (۷۸ھ) کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے فرماتے سُنا:-

تسألونی عن الساعة وانما علمها عند الله.[۱]

ترجمہ تم مجھ سے قیامت کا پوچھتے ہو اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہی ہے.

محدث شہیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

تسألونی عن الساعة وانما علمها عند الله ای لا یعلمها الا هو.[۲]

ترجمہ. تم مجھ سے قیامت کا پوچھتے ہو اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہی ہے یعنی اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا.

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:-

نیست علم بہ تعیین وقت آں مگر نزد خداوند عزوجل یعنی از وقت وقوع قیامت کبریٰ مے پرسید آں خود معلوم من نیست وآں را جز خداوند تعالیٰ نداند.[۳]

ترجمہ. اس معین گھڑی کا علم صرف اسی کے پاس ہے تم قیامت کبریٰ کی گھڑی کا مجھ سے پوچھتے ہو وہ تو مجھے بھی معلوم نہیں اسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا.

(۲) ——— حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (۵۲ھ) کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی نے آپ سے سوال پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:-

لا یعلمها الا الله ولا یجلیها لوقتها الا هو.[۴]

---

۱ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۳ مسند امام احمد جلد ۳ ص ۳۳۶ مشکوٰۃ ص ۴۸۰ ۲ مرقات جلد ۵ ص ۲۲۴ ۳ اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۳۷۷ ۴ اخرجہ الطبرانی کما فی الدر المنثور جلد ۳ ص ۱۵۱

ترجمہ: اسے ایک اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے اپنے وقت پر صرف وہی ظاہر کرے گا۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اس وقت وقوع قیامت کو صرف وہی جانتا ہے:۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها الا هو ثقلت فی السموات والارض۔ (پ۹ الاعراف ع ۲۳)

ترجمہ: پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت؟ آپ کہہ دیں اس کا علم تیرے رب کے پاس ہی ہے وہی کھولے گا اسے اس کے وقت پر وہ گھڑی بھاری ہے آسمانوں اور زمین پر۔

(۳) ــــ حضرت حذیفہؓ (۳۵ھ) بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا قیامت کب آئے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا:۔

علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو ولکن اخبرکم بمشاریطها۔[1]

ترجمہ: اس کا علم میرے رب کے پاس ہی ہے وہی کھولے گا اسے اس کے وقت پر لیکن میں تمہیں کچھ اس کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں صریح طور پر وقت قیامت اور علامات قیامت میں فرق کیا ہے۔ مگر بریلوی علماء کو دیکھو کس سینہ زوری سے دنیا کی عمر طے کرتے ہیں۔

دُنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے یہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے (روح البیان)

جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت کا علم ہے۔[2]

ان حضرات کے قیاس کی پرواز ملاحظہ ہو:۔

حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من وعن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہ ہو۔[3]

---

[1] مسند امام احمد جلد ۵ صہ ۳۸۵ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صہ ۲۷۳ [2] جاء الحق صہ ۱۱۱ [3] ایضاً صہ ۱۱۴

مسئلہ مختارِ کُل

مقدمہ

مسئلہ مختارِ کُل

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

اختیار کا لفظ ہم روز بولتے ہیں۔ ہم جب کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں تو یہاں لفظ اختیار چناؤ کے معنی میں بولا جاتا ہے کہ ہم نے اسے پسند کر لیا۔ اس صورت میں مختار کے معنی ہیں چُنا ہوا — اور یہ اسم مفعول ہے — مختارِ کُل سے مراد پوری کائنات میں اعلیٰ و اَولیٰ — چنا ہوا اور پسندیدہ لیا جاتا ہے اور جب ہم کسی مقدمہ میں کسی کو مختار کرتے ہیں تو یہاں لفظ اختیارات کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اس کے معنی اختیار رکھنے والا کے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں مختارِ کل کے معنی ہوں گے کل اختیارات رکھنے والا۔ بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اب اپنے سارے اختیارات حضورؐ کے سپرد کر دیئے ہیں۔

اہلِ بدعت نے اسلام کے جن قطعی عقائد کو تاویل و الحاد کا نشانہ بنایا ہے ان میں مسئلہ مختار کل بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کے سہارے انہوں نے اللہ رب العزت کے تکوینی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر رکھے ہیں۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضورؐ خدا کی طرف سے تمام اختیارات پائے ہوئے تھے۔

الٰہی اختیارات کی سپرداری

دنیا میں حکمران بعض اوقات اپنے اختیارات اپنے نائبین کو سپرد کرتے ہیں — بادشاہ ہو یا وزیر اعظم — صدر ہو یا گورنر — پرنسپل ہو یا ہیڈ ماسٹر ان حضرات پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ انہیں اپنے اختیارات اپنے نائبین کے سپرد کرنے پڑتے ہیں لیکن

وہ ایسا کب کرتے ہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) کبھی بیمار پڑ جائیں۔ باوجود اس اعلیٰ منصب کے کہ بادشاہ ہو یا صدر آخر ہے تو انسان ہی — اور انسان کبھی بیمار بھی ہو جاتا ہے اس حالت میں پھر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا۔ سو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ عارضی طور پر کسی کو اپنے اختیارات دے اور پھر وہ اس کام کو چلائے۔

(۲) انسان کبھی تھک بھی جاتا ہے جب کام کی کثرت ہو — اور اس کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ وہ اپنے تمام کام خود نبٹا سکے۔ ان حالات میں لیسے افسروں کو معاون کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) سربراہ کبھی چھٹی پر جائے تو بھی اسے کسی کو قائم مقام بنانا ہوتا ہے۔ انسان کو خواہ وہ بادشاہ اور صدر ہی کیوں نہ ہو۔ کبھی تفریح کے طور پر بھی باہر نکلنا ہوتا ہے اس صورت میں وہ اپنے حکومتی اختیارات کسی کے سپرد کرتا ہے اور پھر وہ اس کا نظام چلاتا ہے۔

(۴) ایسے لوگ جب مرنے پر آئیں تو بھی انہیں کسی کو ولی عہد مقرر کرنا پڑتا ہے۔ موت کی تلوار ہر کسی کے اوپر لٹک رہی ہے اس لیے سلطنتیں کبھی ولی عہد سے خالی نہیں ہوتیں۔

(۵) تخت پر بیٹھے ہوتے یا کرسیِ عدالت پر بیٹھے ہوئے اگر انہیں کسی بات کا پتہ نہ چلے اور وہ کسی کو تفتیشِ حال کے لیے بھیجیں تو بھی انہیں ان کو کچھ اختیارات دینے پڑتے ہیں سو اس صورت میں بھی انہیں نائبین کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۶) سربراہ لوگ کبھی کسی کو ازراہِ اعزاز بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور کبھی کسی کو ازراہ محبت بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا جاتا ہے جیسے شہنشاہ جہانگیر نے ملکہ نورجہاں کو

اپنے ساتھ شریک کیا۔ اس صورت میں بھی انہیں کچھ اختیارات دینے پڑتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان تمام مجبوریوں سے پاک ہے:۔

۱. وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا۔
۲. وہ کبھی تھکتا نہیں۔
۳. کبھی چھٹی پر نہیں جاتا۔
۴. اس پر موت کی تلوار نہیں لٹکتی کہ اسے کسی کو ولی عہد بنانا پڑ رہا ہے۔
۵. اسے معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔
۶. وہ کسی کو اپنے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ یہ اس کی غیرت کا مسئلہ ہے اور اس سے بڑا غیرت والا کوئی نہیں۔ شرک کو معاف نہ کرنے کا اس نے اعلان کر رکھا ہے۔

حکم دینے اور اختیار دینے میں فرق

کسی کو کسی کام کا حکم دینا اور کسی کو کسی ضرورت کے لیے اپنے اختیارات سپرد کر دینا دونوں میں فرق ہے۔ بعض کام ایسے ہیں جو خدا کی شان کے لائق نہیں وہ فرشتوں کو ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے جیسے اس نے ملک الموت کو روحیں قبض کرنے پر لگا رکھا ہے فرشتے اس کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔ (پ ۲۸ التحریم ۶)
ترجمہ۔ اللہ نے جو انہیں حکم دیا وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

یہ تفویض اختیارات نہیں انہیں حکم دینا ہے ملک الموت اس میں ہرگز صاحب اختیار نہیں کہ کسی کی روح قبض کرے یا اسے زندہ چھوڑ دے۔ خدا کے نظام تکوین میں کوئی دوسرا صاحب اختیار نہیں نہ کوئی انسان نہ کوئی فرشتہ۔

انسانی کاموں اور آسمانی کاموں میں فرق

انسان اس دنیا میں قوانین و ضوابط اور اپنے اختیار سے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی بدی کی راہیں اس پر کھول رکھی ہیں اور ان میں چلنے کی اسے باختیار خود توفیق دے رکھی ہے۔ انسان یہاں اپنے اختیار سے اپنے کام کرتا ہے خدا کے نہیں فرشتے خدا کا کام کرتے ہیں تو اپنے اختیار سے نہیں خدا نے اپنے اختیارات اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیئے۔ یہاں دنیا کا نظام ہم اپنے اختیار سے چلا رہے ہیں لیکن اس پر بھی خدا کے تکوینی نظام کی گرفت ہے۔ انتظامی امور اور تکوینی امور میں بڑا فرق ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام اسباب اور تدریج کے بغیر چلتا ہے۔ کُن سے اتنا بڑا جہان بنا دیا اس کی تکوین ہے۔ یہاں کے انتظامی امور اس نے اسباب سے وابستہ کیے ہیں اور ان میں تدریج چلتی ہے۔

(۲) زمین میں درخت تدریجاً بڑے ہوتے ہیں اور انہیں پانی دیا جاتا ہے جنت کے درخت تدریجاً بڑے نہیں ہوتے نہ ان پر خزاں آتی ہے اور نہ وہ کبھی سوکھتے ہیں ان پر انتظامی نہیں آسمانی حکم چلتا ہے۔

(۳) نظام تکوینی میں فرشتے مامور ہیں اور زمین کے کاموں میں انسان حکماً مامور اور تکوینًا مختار ہے کہ اچھے یا برے کام باختیار خود عمل میں لائے۔

(۴) تکوینی کارکردگی پر جزا سزا نہیں۔ زمین کے انتظامی امور اگر آسمانی ہدایت کے مطابق چلائے جائیں تو ان پر جزا ہے۔ شرائع کی خلاف ورزی کی جائے تو اس پر سزا ہے۔

(۵) خدا کے تکوینی نظام میں آخرت کا کوئی علیحدہ کیمپ نہیں لیکن اس اپنی انتظامی دنیا کے مقابل آخرت دار القرار ہے۔

یہاں زمین پر کسی کو اختیار ملے جسے وہ صحیح استعمال کرے یا غلط یہ اور بات ہے لیکن خدا کے تکوینی نظام میں کسی کو کوئی اختیار نہیں ملتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ اس کے تکوینی نظام میں اسے کسی کا احتیاج ہو۔ زمین پر جو خدا کا حکم اترتا ہے اس کے حاملین اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہیں پیغمبروں کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام کر دیں یا اس کی حرام کردہ کسی چیز کو حلال کر دیں۔

الٰہی اختیارات کبھی کسی کے سپرد نہیں ہوتے

اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی سپرداری میں دے یہ گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ سب سے پہلے اثنا عشری شیعوں نے عقیدہ تفویض گھڑا ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ ھ) نے اصول کافی میں یہ باب باندھا۔

باب التفویض الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی الائمۃ علیہم السلام فی امر الدین۔ (اصول کافی جلد ص)

ترجمہ۔ کاموں کو دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور (بارہ) ائمہ کے سپرد کرنے کا باب۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ عقیدہ تفویض تسلیم کرنا دینی طور پر ضروری ہے۔ یہ ہمارا دین ہے کہ اب مخلوق کے سارے کام بارہ اماموں کے سپرد ہیں وہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے بھی پھر یہی شیعوں کا عقیدہ اپنایا۔ البتہ انہوں نے بارہ اماموں کی بجائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو یہ اختیارات تفویض کیے ہیں۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

۵ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[1]

بریلویوں کا استدلال اس آیت سے ہے۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا۔ اس آیت کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں یہ علم سے متعلق ہے حضرت جس بات کو جائز فرما دیں اسے عمل میں لے آؤ اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اب اس آیت میں سارے نظام خلق کو لانا قرآن کریم کی ایک کھلی تحریف ہے۔

شارح اصول کافی علامہ خلیل قزوینی نے سوچا کہ جب سارا امر خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہو گیا ہے تو کیا خدا چھٹی پر چلا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ کوئی شخص اس عقیدہ فاسدہ کو قبول نہ کرے گا۔ اس نے امر خلق میں ایک قید لگا دی کہ خدا نے سارے کام آپ کے سپرد نہیں کیے بعض کیئے ہیں اس توجیہ کے بغیر لوگوں کے حلق میں شرک کی یہ زہر کی گولی نہ اتاری جا سکتی تھی۔

ملا خلیل قزوینی لکھتا ہے:۔

بدرستیکہ اللہ عزوجل واگذاشت بسوی نبی خود صلی اللہ علیہ وسلم بعض کار مخلوقین خود۔[2]

وہ کون سے کام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوے اسے بریلویوں سے سنیں۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر اور مُردار تو خود حرام کیے مگر کتے اور بلے خود حرام نہیں کیے۔ یہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حرام کروائے ہیں۔ دیکھئے کس طرح حضورؐ اور اللہ تعالیٰ کے مابین تقسیم کار تجویز ہو رہی ہے۔ بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار لکھتے ہیں:۔

---

[1] حدائق بخشش ۲ صہ ۸ [2] الصافی حصہ اوّل جزو ۳ صہ ۲۴۸

سؤر کے تمام اجزاء حرام ہیں گوشت، مغز، گردہ وغیرہ رب فرماتا ہے
انہ رجس اور رجس یعنی پلید چیز حرام ہی ہوتی ہے لیکن رب کی مرضی
یہ تھی کہ سؤر کا گوشت میں حرام کروں اور اس کے باقی اجزاء میرے
حبیب حرام فرمائیں جیسے اس نے صرف سؤر کو حرام کیا۔ باقی کتا بلا
وغیرہ اس کے حبیب نے۔[1]

بات اثنا عشری شیعوں کی ہو رہی تھی پہلے انہوں نے عقیدہ تفویض مانا۔ پھر
ان سے اسے بریلویوں نے لیا شیعہ کا عقیدہ ہے کہ پہلے ذات واجب وحدہ لاشریک
لہ کی شان رکھتی تھی۔ پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت علی کو پیدا کر لیا۔
اور پھر سب چیزیں پیدا کیں۔ حضور اور ائمہ کرام خدا کے کائنات پیدا کرنے کو دیکھتے رہے
اس کی ایک ایک تخلیق پر وہ حاضر و ناظر رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تابعداری
باقی مخلوقات پر لازم کر دی اور فیصلہ فرمایا کہ اب سب کائنات ان کی ماتحتی میں چلے گی
یہ بارہ امام جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔

ملا محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے:۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ لم یزل متفرداً بوحدانیتہ ثم خلق محمداً
وعلیاً وفاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم
خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امرھا الیھم فھم
یحلون مایشاءون ویحرمون مایشاءون۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت میں ایک رہا یہاں تک کہ
اس نے حضرت محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا اور ان پہ ہزار دور
گزرے پھر اللہ تعالیٰ نے باقی تمام چیزیں پیدا کیں اور ان کی پیدائش

---

[1] نور العرفان ص۱۹۵ [2] اصول کافی کتاب الحجۃ جلد ص

پر ان تینوں کو گواہ کیا اور ان پر ان کے حکم سے چلنا جاری فرمایا اور
ان کے سب امور ان تین کے سپرد کر دیئے اب وہ جسے چاہیں
حلال کریں اور جسے چاہیں حرام کریں۔

شیعوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) سے جو مذہب چلایا ہے وہ حضرت امام کا اصل مذہب نہیں۔ یہ انہوں نے ان کے نام سے گھڑ لیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کا اصل مذہب وہ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے آپ سے آگے روایت کیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے پوچھا:

یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہل فوض اللہ الامر الیٰ عبادہ۔[1]

ترجمہ: اے اللہ کے رسول کے فرزند! کیا اللہ تعالیٰ نے عالم امر کی کوئی چیز اپنے بندوں کے بھی سپرد کی ہے؟

اس پر حضرت امام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اجل من ان یفوض الربوبیۃ الیٰ عبادہ۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالاذات ہے کہ اپنی ربوبیت اپنے بندوں میں سے کسی کے سپرد کرے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ تفویض (اختیارات کا ملنا) اہل سنت کا مسئلہ ہرگز نہ تھا یہ یہودیوں کے ساز کی آواز تھی جو شیعوں کے ہاں سنی گئی معلوم نہیں بریلویوں نے یہ شیعوں کی چھاپ اپنے اوپر کیوں ڈھال لی ہے۔

بریلوی عقیدے کے مطابق سورج طلوع ہونے سے پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے اذن لیتا ہے۔ حضرت اجازت دیتے ہیں تو وہ طلوع کرتا ہے مولانا احمد رضا

---

[1] مکتوبات معصومیہ مکتوب ۸۳ صہ [2] ایضاً

خاں کہتے ہیں. حضرت شیخ نے فرمایا :-

آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ مجھ پر سلام نہ کرے[1]

سورج کا طلوع و غروب تکوینی امور میں سے ہے. اس کا مطلب یہ ہے کہ بریلوی عقیدے کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادر ہی ساری دنیا کا نظام چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ساری تدبیر کائنات آپ کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے. مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں :-

ذی تصرف بھی ماذون بھی مختار بھی
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر[2]

اس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو تدبیر کائنات میں مختارِ کل مانا گیا ہے کیا یہ قرآن کے اس اعلان کے خلاف نہیں جس میں صریح طور پر اللہ تعالیٰ کو تدبیر کائنات کرنے والا بیان کیا گیا ہے :-

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ (پ۲۱ السجدہ ۵)

ترجمہ. وہ خدا ہے جو کام کی تدبیر کرتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اس کی طرف رجوع کرے گا یہ سارا نظام اس دن جس کی مقدار تمہارے حساب کے ہزار سالوں کے برابر ہوگی.

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اس دنیا میں بھی وہی تدبیر کائنات فرماتا ہے. اور آخرت میں بھی یہ جملہ کاروبار اسی کی طرف رجوع کرے گا. تکوین تو اپنے درجہ میں رہی بریلویوں کے ہاں تو تقدیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی ہے. مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :-

---

[1] الامن والعلیٰ صد ۲۴
[2] حدائق جلد ا صد ۳۷

حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جس کے لیے چاہیں اس کی زندگی ہی میں توبہ کا دروازہ بند کردیں کہ وہ توبہ کرے اور قبول نہ ہو اور جس کے لیے چاہیں بعد موت بھی توبہ کا دروازہ بھی کھول دیں اور اس کو زندہ فرما کر مسلمان کر دیں۔[1]

بریلویوں کے لیے لمحۂ فکریہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب پر توبہ کا دروازہ بند کیا تھا کہ وہ اسلام نہ لاسکے اور کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے کہا تھا :-

انک لا تھدی من احببت۔ (پ۲۰ القصص ۵۶)

کہ آپ جسے چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہوجائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کلی اختیار نہیں (وہ مختار کل نہیں) تو ولی کو کس طرح ہو یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔[2]

---

[1] سلطنت مصطفیٰ صہ ۵۸ [2] مکتوبات طیبات بمہر چشتیہ صہ ۴۷ مطبوعہ لاہور

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) خود تو یہ فرمائیں کہ تفویض کا عقیدہ شیعوں کے ایک فرقے کا ہے اور بریلوی ہیں کہ خود حضرت شیخ کے بارے میں تفویض پر اعتقاد جمائے بیٹھے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا یہ شعر پھر پڑھیئے۔

سہ ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی
کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبدالقادر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں :-

المفوضة فهم القائلون ان الله فوض تدبیر الخلق الی الائمة وان الله اقدر النبی صلی الله علیه وسلم علی خلق العالم وتدبیره[1]

فرقہ مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر کائنات ائمہ کے سپرد کر رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کو یہ قدرت دے رکھی ہے کہ جہاں کو پیدا بھی کریں اور اسے چلائیں بھی۔

بریلویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی دونوں کو تکوین اور تدبیر کائنات میں مختارِ کل بنا رکھا ہے پھر تشریعی امور میں بھی ان کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے چاہیں نماز معاف کر دیں اور جس کے لیے چاہیں روزے معاف کر دیں — جب دین میں الحاد کی راہیں ہی تلاش کرنی ہیں تو پھر کون کسی کو روک سکتا ہے۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری ؒ نے مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں فرمایا۔ اعلیحضرت نے سمجھ لیا تھا :-

کچھ مختصر سی بے ہنگام جماعت ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو مجدد ماننے والی سردست موجود ہے اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانیوں کا کیا بگڑا ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے تو اپنے لیے بھی سب کچھ ہو لے گا۔[2]

---

[1] غنیة الطالبین صد ۲۱۱ [2] تجلیاتِ انوار المعین صد ۲

بریلویوں کا عقیدہ مختارِ کل

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اس دور میں اہل بدعت نے اسلام کے جن قطعی عقائد پر زندقہ و الحاد کی مشقیں کی ہیں ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا خدا نے اپنے کسی بندے کو اپنے خدائی اختیارات دیئے ہیں ؟ یاد رکھیئے اسلام میں خدا کی بادشاہی مسلسل اور غیر متزلزل ہے۔ کسی وقت اس نے اپنے آپ کو تدبیر کائنات سے فارغ نہیں کیا۔ اس کی قدرت لازوال ہے اور کسی بڑے سے بڑے انسان سے بھی ممکن نہیں کہ وہ کائنات کے چلنے کا سٹیرنگ اپنے ہاتھ میں لے سکے۔

آنحضرتؐ کو مختارِ کل قرار دینے سے پہلے ان دس امور پر غور کیجیے

① کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی کسی بات کو چھپالیں اور آگے نہ پہنچائیں — کیا کوئی سنّی العقیدہ حضورؐ کے لیے تقیہ جائز کرنے کی غلطی کر سکتا ہے ؟ قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جواب لیجئے :-

اللہ تعالیٰ نے تبلیغ رسالت آپ پر فرض ٹھہرائی اور فرمایا کہ اگر آپ اسے آگے نہ پہنچائیں تو آپ نے رسالت کی ذمہ داری ادا نہ کی — لوگوں سے ڈر کس بات کا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حفاظت کا وعدہ دیتے ہیں :-

یا ایّھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ۔ واللہ یعصمک من الناس۔

(پ المائدہ ۶۷)

ترجمہ۔ اے رسول! آپ آگے پہنچا دیں جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے
آپ کے رب کی طرف سے — آپ نے اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے
اس کا پیغام آگے نہ دیا — اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے اپنی
حفاظت میں رکھیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو تبلیغِ رسالت چھوڑنے کا اختیار نہ تھا۔ تبلیغ اگر آپ پر فرض تھی تو آپ کو مختارِ کل کیسے مانا جا سکتا ہے۔ مختارِ کل تو وہ ہوتا ہے کہ وہ یہ کام کرے یا نہ — اس کے ذمہ کوئی بات نہیں آتی اور نہ کوئی بات اس پر لازم ٹھہرتی ہے۔

(۲) کیا آپ کو فرض نماز چھوڑنے کا اختیار تھا؟ یا نماز آپ پر فرض تھی؟ پھر نماز آپ پر بقید وقت فرض تھی یا جب چاہیں پڑھ لیں۔ اگر آپ پر نماز بقید وقت فرض تھی تو آپ مختارِ کل کیسے ٹھہرے؟ مختارِ کل تو تبھی ہو سکتے ہیں کہ چاہے پڑھیں چاہے نہ پڑھیں — قرآن کریم میں ہے:۔

وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آناء
الليل واطراف النهار۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۳۰)

ترجمہ۔ اور آپ نماز پڑھیں اپنے رب کی حمد کرتے سورج طلوع
ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے (فجر اور عصر
کی نمازیں) اور رات کی گھڑیوں میں (مغرب اور عشاء کی نمازیں)
اور دوپہر کی نماز (نماز ظہر)

اور یہ بھی فرمایا:۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ (پ ۵ النساء ۱۰۳)

ترجمہ۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔
پھر اگر نماز آپ پر فرض نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب لیا جائے گا۔
یا ایھا المزمل۔ قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلاً
اوزد علیہ ورتل القران ترتیلاً۔ (پ۲۹ المزمل)
ترجمہ۔ اے کملی میں لپٹنے والے۔ رات کا قیام کریں۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس پر کچھ زیادہ اور کھول کھول کر پڑھیں قرآن کو صاف۔
اس میں جہاں آپ کو اختیار دیا گیا اس کا بھی ذکر ہے اور جہاں آپ پر قیام اللیل فرض کیا گیا اس کا بھی ذکر ہے اگر اس کے بھی چھوڑنے کا اختیار تھا تو پھر نصف سے کچھ کم کرنے یا نصف پر کچھ زیادہ کرنے کا اختیار دینے کے کیا معنی رہ جاتے ہیں۔
پھر اگر نماز آپ پر فرض نہ تھی آپ مختار کل تھے تو پنجگانہ نمازیں کیا آپ متنفل ہوتے تھے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مفترض ہوتے تھے — پھر یہ مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا کہ کیا مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے ادا ہو جاتی ہے؟

(۳) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں کسی تبدیلی کا اختیار تھا؟ آپ سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ کوئی اور قرآن لائیں یا اس میں کچھ تبدیلی کردیں تو ہم آپ کو پیغمبر مان لیں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں قرآن کریم میں کسی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر آپ کو اس کا اختیار نہ تھا تو آپ مختار کل کیسے مانے جا سکتے ہیں۔
ایت بقران غیر ھذا او بدلہ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء
نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی۔ (پ۱۱ یونس ۱۵)
ترجمہ۔ لے آ کوئی قرآن اس کے سوا۔ یا اس کو کچھ بدل دے۔ آپ کہہ

کہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو بدل دوں. میں تو اسی بات کے پیچھے چلتا ہوں جس کا مجھے حکم ہے.

④ مختار کے مقابل کون کون سے الفاظ ہیں. ۱. مامور . ۲. مکلف اور ۳. مسئول وغیرہ. مامور وہ ہے جو کسی دوسرے کے امر کے تحت چلے. مکلف وہ ہے جو کسی ضابطے کا پابند ٹھہرایا گیا ہو. مسئول وہ ہے جس سے اس کی ذمہ داریوں کا سوال کیا جا سکے صحافی حلقے میں ایک مدیر مسئول ہوتا ہے جو حکومت کے سامنے اپنی ذمہ داریوں کا جوابدہ ہوتا ہے. یہ مسئولیت بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے. خود مختار کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا. یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ کسی کے سامنے مسئول نہیں.

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون. (پ۱۷ الانبیاء ۲۳)

ترجمہ. اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں کسی کا مسئول نہیں یہ سب لوگ اس کے مسئول ہیں.

دنیا میں جو پیغمبر بھی آئے اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر لگے. حضور ختمی مرتبت بھی اللہ کے پیغمبر تھے اور آپ پر بھی رسالت کی ذمہ داریاں تھیں. اب جس طرح امتوں سے پوچھا جائے گا کہ تم ہمارے احکام بجا لائے یا نہ — ان پیغمبروں سے بھی پوچھا جائے گا کہ تمہاری بات کہاں تک مانی گئی. اب آپ ہی غور کریں جس پر یہ ذمہ داریاں عائد ہوں وہ مختارِ کل کیسے ہو سکتا ہے.

فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین. (پ۸ الاعراف ۶)

ترجمہ. پس البتہ ہم ان لوگوں سے جن کی طرف رسالت گئی ضرور پوچھیں گے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے.

اب آپ ہی بتائیں کیا اس آیت میں تمام پیغمبروں کے مسئول ہونے کا بیان نہیں؟ اگر پیغمبر بھی مسئول ٹھہرے تو پھر کیا مختار کل کا عقیدہ قائم رہا؟ پھر اللہ تعالیٰ

نے یہ بھی فرمایا:۔

یوم یجمع اللہ الرّسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب۔ (پ المائدہ ۱۰۹)

ترجمہ: جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو اور پوچھے گا تم کو قوم کی طرف سے کیا جواب ملا (تمہاری بات کہاں تک مانی گئی) وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں تو ہی علم غیب رکھنے والا ہے۔

خودمختار خود کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہوتا؟ اگر نہیں تو پھر یہ تمام پیغمبروں سے پوچھ گچھ کیا ہو رہی ہے؟

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مجلس سے مساکین صحابہ کو اٹھا دینے کا (تاکہ رؤسائے مکہ اپنی شان کے مطابق آپ کی مجلس میں جگہ پا سکیں) اختیار تھا یا آپ انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھنے کے مامور تھے؟ اگر آپ کو یہ اختیار نہ تھا تو آپ مختار کل کیسے ہوئے؟ اور اگر اختیار تھا تو پھر اس حکم الٰہی کا مامور کون ہوگا؟

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ما علیک من حسابھم من شیء وما من حسابک علیھم من شیٔ فتطردھم فتکون من الظالمین۔ (پ الانعام ۵۲)

ترجمہ۔ اور دور نہ کرو (اپنے سے) ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا کی طلب میں۔ پھر تم اگر انہیں دور کرو تو یہ ایک ظلم ہوگا۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً۔ (پ۱۵ الکہف ۲۸)

ترجمہ۔ اور اپنے آپ کو آپ انہیں لوگوں کے ساتھ لگائے رہیں جو
اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں وہ چاہتے ہیں اسی کا چہرہ۔ اور
تیری آنکھیں ان سے اٹھنے نہ پائیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہے
اور تو اس کا کہنا مت مان جس کا قلب ہم نے اپنے سے غافل کر دیا ہے
اور وہ اپنی خواہش کے درپے ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ
جانے والا رہا۔

(۶) صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام نے عہد جاہلیت میں حضورؐ کو بہت تکالیف دی تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر بددعا کرنے کا اختیار تھا یا نہیں۔ اگر نہ تھا کہ ہو سکتا ہے وہ آگے جا کر مسلمان ہو جائیں تو آپ مختارِ کل نہیں رہتے اور اگر اختیار تھا تو اس آیت کا مطلب کیا ہوگا کچھ غور کیجئے۔

لیس لکَ من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذّبھم فانھم
ظالمون۔ (پ۴ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۸)

ترجمہ۔ یہ بات آپ کے ہاتھ (اختیار) میں نہیں ہے انہیں وہ
توبہ کی توفیق دے یا اس ظلم پہ انہیں سزا دے (یہ اس کے ہاتھ
میں ہے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ آپ ہر بات میں مختار نہ تھے ایسے امور بھی تھے جن سے آپ کو صریحًا روکا گیا۔

اثنا عشری شیعوں کے ہاں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ حضرت علیؓ ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا کہ حاکم مقرر کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

لیس لک من الامر شیء۔ آپ کو اس بات کا کوئی اختیار نہیں

یعنی میرا فیصلہ یہ ہے کہ علیؓ آپ کے خلیفہ بلا فصل نہ ہوں گے. پھر آپ ہی بتائیں اختیار کس کا چلا اور بات کس کی پوری ہوئی ___ پھر آپ مختارِ کل کیسے ٹھہر سکتے ہیں.

⑦ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالموں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا عام اختیار تھا یا نہیں آپ اس میں مامور تھے یا مختار ؟

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین. (پ الانعام ۶۸)

ترجمہ. سو آپ یاد آنے کے بعد ہرگز ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھا کریں.

جس کسی کو حکم کا پابند کیا جائے وہ مامور ہوتا ہے یا مختار ؟ ___ اگر یہ محض اپنی مرضی کی بات ہے تو پھر کیا اسے حکم کہا جا سکتا ہے

⑧ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان بنانے کا اختیار تھا یا نہیں ؟ آپ نے اپنے اس چچا کی وفات کے وقت جس اخلاص اور محبت سے اسے اسلام کی دعوت دی اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح ابوطالب آپ پر ایمان لے آئیں ___ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ کی ملامت کے ڈر سے کلمہ نہ پڑھا. اب بتایئے کہ آپ مختارِ کل تھے یا یہاں اللہ کا حکم چلتا تھا.

انك لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء وهو اعلم بالمهتدين - (پ۲۰ القصص ع ۶ آیت ۵۶)

ترجمہ. بے شک آپ ہدایت نہیں کر سکتے جس کو چاہیں بلکہ وہ اللہ ہے جو ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے.

⑨ پھر اگر ابوطالب ایمان نہ لائے تو کیا آپ کو ان کے لیے اللہ کے حضور

دعائے مغفرت کی بھی اجازت تھی یا نہیں ؟ اگر نہیں تو آپ مختارِ کل کیسے ٹھہرے اور اگر تھی تو آپ نے حضرت ابوطالب کو جنت میں کیوں نہ بھیج دیا ؟

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبیّن لھم انھم اصحاب الجحیم۔

(پ۱۱ التوبہ ع ۱۴)

ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان لانے والوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا بخشش کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

پھر دعا کا لفظ خود بھی تو بتاتا ہے کہ فیصلہ دعا کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مختارِ کل وہ جس کی بات چلے اور ہر بات چلے۔

(۱۰) اللہ رب العزت نے جن چیزوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی کو اپنے لیے حرام کرنے کا اختیار تھا یا نہیں ؟ اگر نہیں تو آپ مختارِ کل کیسے ٹھہرے اور اگر تھا تو مندرجہ ذیل حکم الٰہی کس طرح رد کیا جا سکے گا۔

یا ایھا النبی لم تحرّم ما احلّ اللہ لک ۔ (پ۲۸ التحریم آیت ۱)

ترجمہ۔ اے نبی آپ اپنے اوپر کیوں حرام کیے دیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ؟

اس سے پتہ چلا کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں کسی کے حرام ٹھہرانے کا اختیار نہیں تھا ـــــ سو اب عقیدہ مختارِ کل کہاں رہا۔ مختارِ کل تو وہی ہوتا ہے جس کی بات چلے اور وہ جو چاہے کر سکے۔

حضورؐ کو حلّت و حُرمت کا اختیار سونپنے کی بریلوی تجویز

جاہل بریلویوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں سے صرف خنزیر اور مردار کو حرام کیا ہے کتے اور بلے تو اس نے حرام نہیں کیے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا ہے۔ سو اگر حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ امور کو حرام کرنے کا حق نہ ہوتا تو آپ کتے اور بلے کو کیوں حرام ٹھہراتے ؟ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کا صرف گوشت حرام کیا۔ خنزیر کے گردے حضورؐ نے حرام فرمائے۔

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں :۔

سؤر کے تمام اجزاء حرام ہیں گوشت مغز گردہ وغیرہ رب فرماتا ہے انّه رجس اور رجس یعنی پلید چیز حرام ہی ہوتی ہے۔ لیکن رب کی مرضی کی مرضی یہ تھی کہ سؤر کا گوشت میں حرام کروں اور اس کے باقی اجزاء میرے حبیب حرام فرمائیں جیسے اس نے صرف سؤر کو حرام کیا باقی کتا بلا وغیرہ اس کے حبیب نے۔[1]

تحریم و تحلیل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مابین کوئی تقسیم نہیں ہے جن چیزوں کے حرام ہونے کو آپ نے بیان کیا ان کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آپ کو بتلائی گئی گو وہ وحی خفی سے کیوں نہ ہو۔ دین کے بارے میں آپ نے جو بات کہی وہ وحی سے کہی۔ وہ وحی جلی (مذکور فی القرآن) ہو یا خفی۔

قرآن کریم میں ہے :۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ. (پ۲۸ النجم)

حضورؐ کوئی حکم شریعت اپنی طرف سے نہیں دے سکتے۔ شارع حقیقی صرف

---

[1] نور العرفان صد ۲۹

اللہ رب العزت ہے۔ حضورؐ کو صرف اس معنی میں شارع کہا جاتا ہے کہ آپ اس قانون الٰہی کی زبان ہیں جس چیز کو آپ حرام فرمادیں وہ حرام ہے گو وہ قرآن کریم میں مذکور نہ ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی خفی سے اس کی حرمت بتلائی ہو یہی مطلب اس حدیث کا ہے:۔

ان ما حرّم رسول اللہ کما حرم اللہ رواہ ابن ماجہ۔[1]

ترجمہ۔ جو چیز اللہ کے رسول نے حرام بیان فرمائی وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ نے اس کی حرمت خود بیان کی ہو۔

آنحضرتؐ نے اس سے پہلے خود بیان فرمادیا:۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ رواہ ابوداؤد۔[2]

ترجمہ۔ سن لو مجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ (حکم میں) اس جیسا کچھ اور بھی۔

وہ دوسری چیز کیا ہے ؟ جو حکم میں قرآن کریم کی طرح واجب العمل ہے وہ حضورؐ کی حدیث ہے (جسے آپ اللہ تعالیٰ سے بصورت وحی خفی روایت کریں) تحلیل و تحریم میں مبدء حکم صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اس میں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

ان التحلیل والتحریم من عند اللہ لامدخل لبشر فیہ۔[3]

ترجمہ بے شک کسی چیز کو حلال کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی بشر کو نہیں۔

محقق ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

الحاکم لاخلاف فی انہ رب العالمین۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۹ [2] ایضاً [3] عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۲۴۵ [4] التحریر جلد ۲ ص ۲۹

ترجمہ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حاکم شرع حقیقۃً اللہ رب العالمین ہی ہے۔

علامہ شعرانی (۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:۔

ونحن نعلم ان الشارع هو الله تعالیٰ فانه صلی الله علیه وسلم مبلغ عن الله احکامه فیما اراد الله تعالیٰ لا ینطق قط عن هوی نفسه۔[1]

ترجمہ۔ ہم جانتے ہیں کہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی دخل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام پہنچانے والے تھے جیسا کہ اللہ نے چاہا آپ اپنی خواہش نفس سے کبھی کلام نہ فرماتے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ نے دین کی جو بات بھی اپنی طرف سے کہی وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت میں کہی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آن احکام اند۔[2]

ترجمہ۔ شرائع اور احکام کا حکم کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور اس کا حکم قدیم ہے انبیاء کرام صرف ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ان التحلیل والتحریم ..... من صفات الله تعالیٰ واما نسبة التحلیل والتحریم الی النبی صلی الله علیه وسلم فمعنی ان قوله امارة قطعیة لتحلیل الله وتحریمه۔[3]

ترجمہ۔ کسی چیز کو حلال کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحلیل اور تحریم کی نسبت بایں معنی ہے کہ آپ کا کہنا اللہ تعالیٰ کی تحریم و تحلیل کی قطعی دلیل ہے۔

---

[1] الیواقیت جلد ۲ صہ ۴۲ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۲ صہ ۱۷۸ [3] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صہ ۹۴

(۶) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

مذہب صحیح آں است کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبر نمے باشد زیرا کہ منصب پیغمبری منصب رسالت و ایلچی گری است نہ نیابت خدا و شرکت درخانہ خدائی۔۔۔۔ بس از طرف خود اختیار ندارد۔[1]

ترجمہ۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت کے امور پیغمبر کو تفویض نہیں ہوئے منصب پیغمبری منصب رسالت اور سفارت ہے خدا کی نیابت نہیں نہ یہ اس کے کاموں میں شرکت ہے۔۔۔ پیغمبر اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

یہ دس غور طلب امور ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ اب ان دس احادیث پر بھی کچھ غور کرلیں۔ ان پر ایمان رکھنے والا شخص کیا کسی پہلو سے بھی حضور خاتم النبیین کو مختار کل مان سکتا ہے؟ یہ صرف اللہ رب العزت کی شان ہے جو ہر چیز کا مالک ہے وہ جو چاہے کرے کلی اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے۔ بچوں کے لیے نہایت شفیق تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا۔ اس نے کہا ہم تو اپنے بچوں سے پیار نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا:-

او املك لك ان نزع الله من قلبك الرحمة۔[2]

ترجمہ۔ میں کیا کرسکتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے نرمی نکال دی ہے۔

یعنی دل میں سختی اور نرمی پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔ اگر اللہ رب العزت نے تیرے دل میں نرمی نہیں رکھی تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ اس نہ کرسکنے کے لیے آپ نے جو الفاظ

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ صہ ۳۴۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۸۸۷ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۵۴ عن عائشہ رض

استعمال فرماتے وہ ہیں اَو املك لك جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کیا میں تیرے لیے کس چیز کا مالک ہوں ؟ میرے اختیار میں نہیں کہ تیرے دل میں بچوں کے لیے شفقت ڈال دوں ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہی خلاف فیصلہ کر رکھا ہو۔

(۲) صحابہ کرامؓ ایک دفعہ جہاد کے لیے نکلے لیکن مالِ غنیمت نہ پا سکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں سے ان کی بے کسی کا اندازہ کیا اور اللہ تعالےٰ سے دُعا کی :۔

اللّٰھم لا تکلھم الیّ فاضعف عنھم ولا تکلھم الی انفسھم فیعجزوا عنھا ولا تکلھم الی الناس فیستاثروا علیھم۔[1]

ترجمہ ۔ اے اللہ ! انہیں میرے سپرد نہ کرنا کہ میں ان کی ضرورت پُوری کرنے میں کمزور رہ جاؤں نہ انہیں خود ان کے سپرد نہ کرنا یہ خود اپنی ضرورتیں پوری نہ کرسکیں گے انہیں دوسرے لوگوں کے بھی سپرد نہ کرنا کہ وہ اپنا پیٹ بھریں اور ان کو چھوڑ جائیں ۔

اس حدیث سے پتہ چلا آپ ہرگز ان کے نفع وضرر کے مالک نہ تھے ورنہ اپنی کمزوری کا اظہار نہ فرماتے ۔ ہر کمزوری اور ضرورت سے بالا صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور یہ بشری کمزوری رسالت کے حق میں کوئی عیب نہیں ہے ۔

(۳) تعددِ ازواج میں انسان اس کا مکلف ہے کہ سب بیویوں سے یکساں سلوک کرے ۔ محبت اور میلانِ طبع وہ امور ہیں جن پر انسان کا اپنا بس نہیں چلتا ۔ اس پہلو سے اگر کسی بیوی کی طرف زیادہ میلان ہو لیکن ضابطے میں کوئی فرق واقع نہ ہو

---

[1] مشکوٰۃ صد ۴۴۷

تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج مطہرات میں برابری کرتے. پھر اگر کسی قصور کا گمان ہوتا تو اللہ رب العزت کے حضور عرض کرتے:۔

اللّٰھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! یہ میرا برابر کا معاملہ ان امور میں ہے جو میرے بس میں ہیں مجھ پر ان امور میں مواخذہ نہ کرنا جن کا تو مالک ہے اور مجھے ان کا اختیار نہیں۔

اگر آپ مختار کل ہوتے تو کیوں کر کوئی ایسا دائرہ تجویز کرتے جس میں آپ اپنے اختیار کی اس طرح نفی کرتے فیما تملک ولا املک۔

④ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے. شفاعت اور سفارش کون کرتا ہے؟ فیصلہ جس کے اختیار میں نہ ہو۔ اگر عقیدہ شفاعت رکھا جائے تو عقیدہ مختار کل قائم نہیں رہ سکتا اور عقیدہ آپ کے مختارِ کل ہونے کا ہو تو شفاعت کا انکار لازم آتا ہے ـــــ

اور یہ شفاعت بھی اذنِ الٰہی سے ہوگی. آپ اللہ تعالیٰ سے بلا اذن سفارش بھی نہ کر سکیں گے ـــ آپ کہیں گے اے اللہ! مجھے ان سب کے بارے میں شفاعت کی اجازت دے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے والے تھے. حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ مجھے کہیں گے:۔

لیس ذٰلک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منہا من قال لا الٰہ الا اللہ متفق علیہ[2]

ترجمہ۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے مجھے اپنے عز و جل کی قسم ـــ اور اپنی بڑائی اور عظمت کی قسم ـــ میں جہنم سے ان سب کو نکال لوں گا ـــ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۸۰، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۹ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۹

جو میری وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ کہتے رہے۔

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری لیس ذلک لک (یہ کام آپ کا نہیں) کے تحت لکھتے ہیں :-

قال ای اللہ تعالیٰ لیس ذلک لک ای لیس ھذا لک وانما افعل ذلک تعظیماً لاسمی واجلالاً لتوحیدی قال شارح من علمائنا المحققین المعنی لیس اخراج من قال لا الہ الا اللہ من النار لک ای الیک یعنی مفوضاً الیک وان کان لک فیھم مکان الشفاعۃ اولسنا نفعل ذلک لاجلک ھل لانا احقاء بانا نفعلہ کرماً وتفضیلاً۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا یہ آپ کے لیے نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آگ سے نکالنا آپ کے لیے نہیں میں ایسا کروں گا اپنے نام کی عظمت کے لیے اور اپنی وحدانیت کے اجلال کے طور پر ہمارے علماء محققین میں ایک شارح کہتے ہیں ان گنہگاروں کو آگ سے نکالنا آپ کی سپرداری میں نہیں نہ یہ کام آپ کو تفویض کیا گیا ہے اگرچہ آپ کو ان کے بارے میں سفارش کرنے کا حق ہے ہم انہیں آگ سے آپ کے لیے نہیں نکال رہے بلکہ اس لیے کہ ہم اپنے کرم وفضل سے اس کا حق رکھتے ہیں۔

(۵) ربیعہ بن کعب اسلمیؓ کہتے ہیں میں رات آنحضرتؐ کے پاس ہوتا تھا وضو وغیرہ

---

[1] مرقات جلد ۱۰ ص ۲۸۳

کا پانی پیش کرتا اور آپ کی خدمت بجا لاتا۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا جناب کی جنت میں مرافقت چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کچھ اور بھی۔ میں نے کہا یہی مانگتا ہوں ۔ آپ نے پھر کیا فرمایا :۔

قال فاعنی علیٰ نفسک بکثرۃ السجود۔[1]

ترجمہ۔ آپ نے فرمایا تو اپنے بارے میں میری سجدوں کی کثرت سے مدد کر۔

یعنی میں جب تیرے لیے اللہ رب العزت سے یہ مقام مانگوں تو تیرے سجدوں کی کثرت سے میری دعا شرفِ قبولیت پالے۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ مختارِ کل نہ تھے ورنہ کہہ دیتے "میں نے یہ مقام تجھے دیا" اس کی بجائے آپ نے فرمایا تو اس میں میری مدد کر سجدوں کی کثرت سے ۔ مجھ سے یہ تیرا سوال کرنا کافی نہیں دینے والا خدا ہے تو سجدوں کا وسیلہ ساتھ لائے تو یہ میری دعا قبولیت پالے گی۔

ملا علی قاریؒ فاعنی علیٰ نفسک کے تحت لکھتے ہیں :۔

ای کن لی عونا فی اصلاح نفسک لما تطلب بکثرۃ السجود فی الدنیا حتی ترافقنی فی العقبیٰ قال ابن الملک وفیہ اشارۃ الیٰ ان ھٰذہ المرتبۃ العالیۃ لا تحصل بمجرد السجود بل بہ مع دعائہ علیہ السلام لہ ایاھا من اللہ تعالیٰ۔[2]

ترجمہ۔ تو اپنی اصلاح میں اپنا مطلوب پانے میں میرے لیے مددگار ہو جا دنیا میں کثرت سجود کی محنت سے یہاں تک کہ آخرت میں تو میرا ساتھی ہو سکے ابن ملک کہتے ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بلند مقام صرف سجدوں سے ملنے کا نہیں بلکہ ان کے ساتھ آپ کی دعا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۹۳ مشکوٰۃ ص ۸۴ [2] مرقات جلد ۲ ص ۳۲۳

بھی ہو گی اللہ کے حضور۔

اس سے واضح ہوا کہ آنحضرتؐ بھی ربیعہ کے لیے یہ مرتبہ عالیہ خدا سے مانگیں گے خود انہیں یہ مرتبہ دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں گے۔ دعا اور شفاعت کا یہ عقیدہ آپ کے مختار کل ہونے کی کھلی نفی کرتا ہے۔

امام احمد کی روایت میں حضرت ربیعہ کی استدعا جن الفاظ میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضورؐ سے اللہ کے ہاں سفارش کرنے کی گذارش کر رہے تھے نہ کہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ مجھے جنت میں اپنے ساتھ رکھیں۔

یارسول اسأل ان تشفع لی الی ربک فیعتقنی من النار [1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے رسول! میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ آپ اپنے رب کے حضور میری شفاعت فرمائیں تاکہ وہ مجھے آگ سے آزاد کرے۔

اب آپ ہی غور کریں ایسی استدعا کرنے والا کیا آپ کے بارے میں مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھ سکتا ہے۔

۵ حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کچھ انصار حضورؐ کی خدمت میں سوال کے لیے حاضر ہوئے حضورؐ نے انہیں مال دیا۔ انہوں نے پھر آپ سے سوال کیا۔ آپ لے اور دیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے پاس جو مال جمع تھا سب لگ گیا۔

ان اناسا من الانصار سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعطاھم حتی نفد ما عندہ فقال ما یکون عندی من خیر فلن ادخرہ عنکم ومن یستعف یعفہ اللہ ومن یستغن یغنہ اللہ ومن یتصبر یصبرہ اللہ۔ [2]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۵ صـ ۲۲۵ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۱۹۸

ترجمہ۔ کچھ انصار آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ مانگا آپ نے انہیں کچھ مال دیا۔ یہاں تک کہ جو آپ کے پاس تھا سب ختم ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا میرے پاس جو کچھ بھی ہوگا میں تم سے روکوں گا نہیں اور جو مانگنے سے بچے اللہ تعالیٰ اسے بچنا نصیب فرمائیں گے اور جو استغنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیں گے اور جو صبر سے کام لے اللہ تعالیٰ اسے صابرین میں لے آئیں گے۔

(۷) ایک سائل آپ کی خدمت میں کچھ مانگنے آیا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا۔ لا اجد ما اعطيك (میرے پاس کچھ نہیں جو میں تجھے دوں) وہ کچھ بگڑا اور کہا میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے؟ اوروں کو تو خالی نہیں بھیجتے۔ آپ کہنے لگے:۔

يغضب عليّ ان لا اجد ما اعطيه۔[1]

ترجمہ۔ یہ مجھ پر یونہی غصہ ہو رہا ہے کہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کیوں کچھ نہیں ہے۔

ایک سوال

آنحضرتؐ فرماتے ہیں اعطيت مفاتح خزائن الارض۔ جب آپ زمین کے تمام خزانوں کے مالک تھے تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ لا اجد ما اعطيه — میرے پاس کچھ نہیں جو اسے دوں؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ متکلم دو طرح کا ہے:۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص

۱. کبھی تو اس سے آپ کی اپنی ذات مراد ہوتی ہے اور کبھی
۲. آپ بشمول امت وہ بات کہتے ہیں مثلاً

آپ نے فرمایا۔ اعطیت جوامع الکلم۔ اس میں آپ کی ذات مراد ہے لیکن آپ نے جب فرمایا:۔

احلت لی الغنائم
میرے لیے غنیمتیں حلال ٹھہرائی گئیں۔
جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً۔
پوری زمین میرے لیے سجدے کے لائق کی گئی۔

تو اس میں پوری امت آپ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح جب آپ نے فرمایا مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو اس سے مراد یہ تھی کہ آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہوگی اور دنیا کی شوکت انہی کے پاس ہوگی۔ امام نووی (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:۔

معناہ الاخبار بان امتہ تملک خزائن الارض وقد وقع ذلک[۱]

ترجمہ۔ اس حدیث سے مراد یہ خبر ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک بنے گی اور ایسا ہو کر رہا۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:۔

واعطانی الکنزین الاحمر والابیض وان امتی سیبلغ ما زوی لی منہا[۲]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے سونا اور چاندی دونوں خزانے مجھے دیئے اور بے شک میری امت زمین میں وہاں تک پہنچے گی جو جگہ میرے لیے لپیٹ دی گئی۔

---

[۱] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [۲] مستدرک جلد ۴ صفحہ ۴۴۹

سو آپ کے اس صیغہ متکلم میں اور لا اجد ما اعطیہ کے صیغہ متکلم میں ایک اصولی فرق ہے لہذا ہر دو میں کوئی تعارض نہیں۔

آپ کے اس پیرایہ بیان کی نظیر قرآن پاک میں بھی ہے جنگ تبوک میں آپ کے چند صحابہؓ اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ آپ کے پاس انہیں دینے کے لیے سواری نہ تھی۔ آپ نے انہیں کہا

لا اجد ما احملکم علیہ۔ (پ۱۰ التوبہ ۹۲ ع۱۲)

ترجمہ۔ میرے پاس سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرا سکوں۔

⑧ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے ایک خطبہ میں مالِ غنیمت میں چوری کی بہت اہمیت بیان فرمائی اور فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے مختلف لوگ طرح طرح کے چوری کیے اموال کندھوں پر اٹھائے حاضر ہوں گے اور میرے سامنے فریاد کریں گے کہ ہمیں بچالیں میں کہوں گا :۔

ترجمہ۔ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں نے جو خدا کی بات تھی تم تک پہنچا دی تھی۔

ان صحیح احادیث کا ماننے والا اور ان بیانات میں حضورؐ کو سچا جاننے والا کیا کبھی آپ کے مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھ سکتا ہے؟

⑨ آپ نے ایک دفعہ اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے کہا :۔

له صحیح بخاری جلد ا صـ۴۳۲ صحیح مسلم جلد ا صـ۱۳۲

يا عباس ابن عبد المطلب لا اغنی عنك من الله شيئًا يا صفيه عمة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا اغنی عنكِ من الله شيئًا يا فاطمة سليني ما شئتِ من مالي لا اغنی عنكِ من الله شيئًا [1]

ترجمہ: اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا اے رسولِ برحق کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا اے میری بیٹی فاطمہ! مجھ سے میرا مال جو تو چاہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے ہاں میں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سوار تھے آپ نے انہیں فرمایا:

اعلم ان الامة لو اجتمعت ان ينفعوك بشئ لم ينفعوك الا بشئ قد كتبه الله لك [2]

ترجمہ: جان لو اگر سب لوگ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نفع پہنچائیں نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہو۔

امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

یہاں لوگوں میں انبیاء اولیاء سب داخل ہیں وہ تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دیا ہو۔ [3]

ایک بریلوی عذر اور اس کا جواب

ایک بریلوی مولوی صاحب نے کہا. عیسائیوں کے سامنے ہمارا یہ کہنا کہ حضورؐ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۳ [3] مرقات جلد ۱۰ صفحہ ۵۴

مختارِ کل نہ تھے مناسب نہیں ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ کو خداوند یسوع مسیح اور تمام قدرتوں کا مالک کہیں اور ہم کہیں ہمارے حضرت کو تکوین میں کچھ بھی خدائی اختیارات نہ تھے تو کیا اس میں حضورؐ کی بے ادبی نہیں ؟

الجواب :

جہاں ہم حضورؐ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ مختارِ کل نہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ آپ بھی مختارِ کل نہ تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے تھے اور یہی آپ کا بلند مقام عبدیت تھا۔ اللہ رب العزت کے حضور آپ کی ایک صدا ملاحظہ فرمائیں :۔

اللّٰھم اصبحت لا املك لنفسی ما ارجو ولا استطیع عنہا دفع ما اکرہ واصبح الخیر بید غیری ـــــ واصبحت مرتھنًا بما کسبت فلا فقیر افقر منی فلا تجعل مصیبتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر ھمی ولا تسلط علی من لا یرحمنی[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! میں اس طرح پر ہوں کہ اپنے لیے جو چاہوں اس کی مقدرت نہیں رکھتا اور نہ اپنے آپ سے اس مضرت کو دور کر سکتا ہوں جسے نہ چاہوں اور بھلائی میرے غیر کے ہاتھ میں چلی آئی اور میں اپنے کاموں میں گرفتار رہا۔ مجھ سے زیادہ تیرا کوئی محتاج نہیں میری کوئی مصیبت میرے دین میں نہ آئے اور نہ دنیا کو میری سب سے بڑی فکر بنانا اور مجھ پر انہیں غلبہ دینا جو مجھ پر رحم نہ کھائیں۔

حضرت عیسیٰ کی یہ فریاد ان کی شان میں کسی کمی کی مظہر نہیں بلکہ یہ ان کے کمال عبودیت کا ایک دلآویز نقشہ ہے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۷ صہ ۴۲

عقیدہ مختارِ کُل کی بریلوی وُسعت

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّابعد:

بریلویوں کے ہاں عقیدہ مختار کل کی وسعت کہاں تک ہے۔ ان کے ہاں یہ تکوینی امور اور تشریعی امور دونوں کو شامل ہے۔ تکوینی امور میں یہ یہاں تک آگے گئے ہیں کہ حضورؐ کو کن مکن کے سارے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تقدیر کے سارے فیصلے حضورؐ ہی کرتے ہیں چاروں سمتوں میں ان کا عقیدہ مختار کل وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔

بے اولاد کو اولاد دینا ___ بے روزگار کو روزگار دینا ___ محتاج کو رزق دینا ___ بیمار کو شفا دینا ___ نرینہ اولاد کے طالب کو لڑکا دینا ___ کسی کو لمبی اور کسی کو چھوٹی عمر دینا ___ زمین کا سکون اور زلزلہ ___ آفتاب و ماہتاب کا طلوع و غروب ___ بارش برسانا اور کھیتوں کو اگانا ان سب کاموں پر حضورؐ مختار کل اور اللہ کی قدرتوں کے مظہر ہیں۔

تشریعی امور بھی سب آپ کے اختیار میں ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر آتے ہیں کہ ان کے عقیدے میں آپ جسے چاہیں نمازیں معاف کر دیں اور جسے چاہیں روزے معاف کر دیں۔ خدا تعالیٰ کوئی حکم دیں اس میں آپ جس کو چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔ المختصر حرام و حلال پر بس آپ کا قبضہ ہے جسے چاہیں اور جس کے لیے چاہیں کسی چیز کو حرام کر دیں اور جسے چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اسے حلال کر دیں۔ (استغفراللہ)

یہاں تک کہ اپنے سارے اختیارات تکوینی امور سے متعلق ہوں یا تشریعی امور سے متعلق جس کو دینا چاہیں دے دیں اور جہاں چاہیں احد و احمد کے فاصلے ختم کر کے ختم کی تاریخ رکھ دیں۔

بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل قرار دیتے

ہوئے لکھتے ہیں :۔

حضور ہر قسم کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں ؎۱

پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو مختار کل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :۔

؎ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث ؎۲

مولانا محمد عمر اچھروی احد اور احمد کا فاصلہ اس طرح ختم کرتے ہیں :۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی تو احد اور احمد میں کیا فرق رہا ؎۳

رسولوں کا وجود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی امر ہے۔ اس عقیدے کو بریلوی کفر سمجھتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

رسولوں کو غیر اللہ کہنے والوں کے واسطے فتوے کفر اس طرح ارشاد فرمایا — کیونکہ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان ایک غیریت کا قائل ہے۔ ؎۴

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں اور اہل سنت والجماعت میں اس مسئلے میں اختلاف کی خلیج وسیع ہو چکی ہے۔ سو اس پر کتاب وسنت کی روشنی میں مستقل طور پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ اب ہم اس موضوع پر بریلویوں کے دلائل کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ان کی صحیح تفہیم بھی کراتے ہیں اس سے اہل السنۃ والجماعۃ کی اپنی بات کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

؎۱ برکات الامداد ص۸ ؎۲ حدائق جلد ۲ ص۸ ؎۳ ملخصاً من مقیاس حنفیۃ ص۳۴۲ ؎۴ ایضاً

تشریعی امور اور تکوینی امور

تشریعی امور کا تعلق قانون اور عمل سے ہے شرائع مختلف پیغمبروں کے وقت مختلف رہی ہیں احکام کی یہ تبدیلی تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کن کہہ کر جہاں بنانا صرف اللہ کی شان تکوین ہے۔

تکوینی امور میں حضورؐ کو مختار کل قرار دینے کے بریلوی دلائل

(۱) وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ (پ ۲۸ الحشر ع ۱)

ترجمہ۔ اور جو چیز تمہیں رسول پاک دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

بریلوی استدلال

رسول ہی دینے والے ہیں اور وہی روکنے والے ہیں تمہیں جو کچھ مل رہا ہے حضورؐ سے ہی مل رہا ہے وہ دنیوی دولت ہو یا دینی ـــــ تمہارا رزق زندگی اور تندرستی اور اولاد سب آپ کے ہاتھ میں ہے جو دیں لے لو۔

الجواب:

یہاں اتاکم میں دنیا بمقابلہ نھاکم (منع کرنا) ہے۔ نہی کا تعلق امور شرعیہ سے ہوتا ہے سو یہاں اتاکم بمعنی امر تکم (جس چیز کا تمہیں امر کروں) ہے سو اس کا تکوینی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے

آنحضرتؐ نے خود اس مضمون کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

مانھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوا ما استطعتم۔[۱]

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ صد ۱۰۸۲ صحیح مسلم جلد ۲ صد ۲۶۲

ترجمہ جس چیز سے میں نے تمہیں روکا ہے اس سے بچو اور جس چیز کا میں نے تمہیں امر کیا ہے اس پر اپنی استطاعت تک عمل کرو۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا:-

فاذا امرتکم بشیٔ فخذوہ منہ ما استطعتم واذا نھیتکم عن شیٔ فانتھوا۔[1]

ترجمہ۔ سو جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے اپنے ذمہ لو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم ترک جاؤ۔

(۲) ماکان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۶ ع۲)

ترجمہ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کردیں تو انہیں اپنی طرف سے اس سے بچنے کا کوئی اختیار رہے۔

بریلوی استدلال

قضا و قدر کے فیصلے اللہ اور رسول دونوں کرتے ہیں۔

الجواب:

رسول خدا کے فیصلے کو بیان کرنے والے ہیں خود فیصلہ کرنے والے نہیں

ان قضاء رسول اللہ ھو قضاءہ لان قضاء الرسول بامر اللہ و وحیہ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ صہ [2] تفسیر اکلیل جلد ۲ صہ ۲۸

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو۔ کیونکہ رسول کا فیصلہ اللہ کے امر اور اس کی وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور آپ کبھی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ وحی خداوندی ہے جو آپ کی طرف آرہی ہے۔

(۳) ولو انهم رضوا ما اتٰهم الله ورسوله وقالوا حسبنا الله سيؤتينا الله من فضله ورسوله۔ (پ۱۰ التوبہ۵۹ ع ۷)

ترجمہ۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اس پر جو دیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اور کہہ دے کافی ہے ہم کو اللہ۔ وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیئے

بریلوی استدلال

دینے والے اللہ اور اس کے رسول دونوں ہیں اور آئندہ بھی جو ملے گا وہ بھی اللہ اور اس کا رسول ہی دیں گے [۱]

الجواب :

یہاں صدقات اور غنیمت کے اموال کی تقسیم مراد ہے ظاہر ہے کہ اس میں اللہ کے رسول جو فیصلہ فرمائیں وہ الٰہی فیصلے کے مطابق ہی تو ہو گا مومن کا کام اس پر راضی ہونا ہے ــــ اس آیت میں رزق کی تکوینی تقسیم ہرگز مراد نہیں ہے۔

(۴) وما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ (پ التوبہ ۷۴)

ترجمہ اور یہ سب کچھ اس کا بدلہ تھا کہ دولت مند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں۔

---

[۱] دیکھیئے نورِ ہدایت صـ۶۷

بریلوی استدلال

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول بھی محتاج کو غنی کر سکتے ہیں۔

الجواب:

آنحضرتؐ ان کے غنی ہونے میں بے شک ایک ذریعہ اور سبب ہوئے لیکن انہیں (ان محتاجوں کو) غنی کرنے والا حقیقت میں صرف اللہ رب العزت ہے۔ آپ ان کے اس غنا کا ذریعہ اور سبب ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک حدیث میں اس کی وضاحت فرما دی۔ آپ نے فرمایا:

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالاً فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۰)

ترجمہ اے گروہ انصار کیا میں نے تمہیں راہ گم کیے نہ پایا پھر اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت دی اور تم علیحدہ علیحدہ بکھرے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ جوڑ دیا اور تم سب محتاج رہ گئے تھے اللہ نے تمہیں میرے سبب سے غنی کر دیا۔

(۵) واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین۔ (پ ۱۰ التوبہ ۶۲ ع ۸)

ترجمہ۔ اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعی مومن ہیں۔

بریلوی استدلال

احق ان یرضوہ میں مفرد کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع ہے معلوم ہوا، دونوں ایک ہی ہیں۔ سو اگر حضور کو مختارِ کل نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ بھی مختارِ کل نہیں کیونکہ حقیقۃً تو وہ دونوں ایک ہیں۔ ان میں فرق دیوبندی کرتے ہیں۔

الجواب :

اس آیت میں موضوع رضائے الٰہی ہے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا ایک ہے. قرآن کریم میں ہے. قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (پ۳ آل عمران)
اس لیے حضورؐ کی اطاعت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت بھی ساتھ کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں. حافظ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں :-

لان رضا اللہ ینتظم رضا الرسول اذ کل ما رضی اللہ فقد رضیہ الرسول فترک ضمیر الرسول لدلالۃ الحال علیہ وقیل ان اسم اللہ تعالیٰ لا یجمع مع اسم غیرہ فی الکنایۃ تعظیما بافراد الذکر۔[1]

ترجمہ کیونکہ اللہ کی رضا رسول کی رضا کو شامل ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس سے اللہ راضی ہو اس سے رسول بھی بے شک راضی ہوگا۔ سو رسول کے لیے علیحدہ ضمیر نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ صورت حال اسے واضح کر رہی ہے اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اللہ کا نام کسی دوسرے نام کے ساتھ کنایہ میں جمع نہیں ہو پاتا تا تعظیماً صرف اسی کا نام ذکر کیا جائے۔

حضورؐ کو مختار کل قرار دینے کے حدیثی دلائل

(۱) آنحضرتؐ نے فرمایا۔ انما انا قاسم و اللہ یعطی. (مشکوٰۃ ص۳۲)

بریلوی استدلال

پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ رسول کریم کی تقسیم سے ہی ملتا ہے. یہاں یعطی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر

---

[1] احکام القرآن جلد ۴ ص ۳۴۸

چیز کے دینے والے ہیں جس چیز کا دینے والا خدا ہے اس کی تقسیم
کرنے والے رسول کریم ہیں[1]

الجواب :

محدثین نے اس حدیث کو کتاب العلم میں بیان کیا یا باب الغنائم میں۔ کسی محدث نے اس کو عام نہیں رکھا کہ جو چیز بھی اللہ عطا کرے اس کے تقسیم کرنے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔ اس حدیث کا پہلا جملہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اس طرح ہے :-

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدّین وانما انا قاسم واللہ یعطی۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جس شخص سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی فقہ عطا فرماتے ہیں اور میں تو بانٹنے والا ہوں دینے والی تو اُسی کی ذات ہے۔

گو یہاں یعطی کا مفعول مذکور نہیں مگر قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں علم کی تقسیم مراد ہے غنائم کی تقسیم حضورؐ فرماتے تھے تو اس میں بھی اسی عقیدہ کی توثیق فرماتے۔ کہ دینے والا اللہ رب العزت ہے۔ کسی شارح حدیث نے اس حدیث سے پوری زمین کے خزانے مراد نہیں لیے اور نہ اس سے مختار کل کا عقیدہ اخذ کیا ہے۔ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ انما انا قاسم میں رزق کی تقسیم اور اولاد کی عطا بھی مراد ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوٰۃ الدنیا۔ (پ۲۵ الزخرف ۳۲)

ترجمہ۔ ہم نے تقسیم کیا ہے ان میں ان کا رزق دنیا میں۔

---

[1] اربعین نبویہ ص۳۵ مولانا محمد شریف کوٹلوی مقیاس حنفیت ص۱۰۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم و ان اللہ یعطی الدنیا من یحب و من لا یحب ولا یعطی الایمان الا من یحب[۱]

ترجمہ بے شک اللہ نے تم میں تمہارے اخلاق بانٹے جس طرح اس نے تمہارے ارزاق بانٹے اللہ دنیا اسے بھی دیتا ہے جسے وہ پسند کرے اور اسے بھی جسے وہ ناپسند کرے اور ایمان وہ اسے ہی دیتا ہے جسے وہ پسند کرے

قرآن کریم کی قطعی آیات کے خلاف کسی خبر واحد میں وسعت پیدا کرنا بالخصوص جب کہ اس کے خلاف صریح حدیث بھی موجود ہو ہرگز جائز نہیں۔ مولانا محمد شریف کوٹلوی صاحب کا اصرار کہ یعطی کا مفعول مذکور نہیں اس لیے ہر چیز تقسیم کرنے والے آپ ہی ہیں۔ اس آیت اور اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

عمومات آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے۔[۲]

نواب قطب الدین خاں حدیث انما انا قاسم و اللہ یعطی کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:۔

یعنی میں حدیث وغیرہ بیان کر دیتا ہوں (یہ علم کی تقسیم ہے) سمجھ اور فکر اور عمل اس پر جتنا باری تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔[۳]

(۲) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض۔[۴]

ترجمہ۔ مجھے زمین کے خزانوں کی یا زمین کی چابیاں دی گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات استعارۃً بیان فرمائی (یہ معنی کہ یہ بات میری

---

[۱] مشکوۃ ص۴۲۵ [۲] دیکھیے العقود الملکیہ ص۵۲ [۳] مظاہر حق جلد ۱ ص۸۷

امت پر پوری ہوگی) یا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے یہ چابیاں دی گئیں ؟

یہ دوسری صورت ہو تو یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔ (پ الانعام ۵۰ ع ۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں اس بات کا مدعی نہیں کہ خزانے میرے پاس ہیں۔

سو حدیث مذکورہ بالا حضورؐ کے حق میں بتاویل آیت ہے اور اس سے مراد اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ حضورؐ کی امت کے ہاتھوں پر یہ فتح بلاد واقع ہوگی علامہ عزیزی شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں :۔

استعارۃً لوعد اللہ بفتح البلاد۔[1]

فتح بلاد کو بطور استعارہ چابیاں دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

معناہ الاخبار بان امتہ تملک خزائن الارض۔[2]

ترجمہ۔ اس کا مطلب اس بات کی خبر دینا ہے کہ آپ کی امت آئندہ دنیا کے خزانوں کی مالک ہوگی۔

(۳) آنحضرتؐ نے دعا کی اور سورج غروب کے بعد پیچھے لوٹ آیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز وقتاً ادا کر لی۔ اس حدیث کو امام طحاوی نے مشکل الآثار جلد ۲ ص۸ پر روایت کیا ہے اور جب مجتہد کسی حدیث کو روایت کرے اور اس سے احتجاج کرے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے۔

الجواب :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے الفاظ یہ ہیں :۔

انہ فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس۔[3]

---

[1] السراج المنیر جلد ا ص۲۴۷ [2] شرح مسلم جلد ۲ ص۲۵۰ [3] الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۲ ص۸۲

ترجمہ۔ اے اللہ! علی بے شک تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں لگا رہا ہے تو اس پر سورج کو لوٹا دے۔

اس دعا پر اگر سورج لوٹا تو اسے کس نے لوٹایا ہے؟ اللہ رب العزت نے تو اس سے حضور کے مختار کل ہونے کا مسئلہ کیسے طے ہو گیا۔ افسوس! بریلوی علماء اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی قدرت سے سورج کو لوٹایا اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ آپ مختار کل ہوں — حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ صریح طور پر بریلویوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہے ہیں۔

(۲) حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں اثبات عقیدہ کی قوت نہیں ہوتی اور یہ حدیث تو کسی سند سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

وحدیث رد الشمس لہ قد ذکرہ طائفۃ کالطحاوی والقاضی عیاض وغیرھما وعدوا ذلک من معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکن المحققون من اھل العلم والمعرفۃ بالحدیث یعلمون ان ھذا الحدیث کذب موضوع کما ذکرہ ابن الجوزی فی الموضوعات۔[۱]

ترجمہ۔ اور یہ حدیث کہ سورج آپ کے لیے واپس لایا گیا اسے علماء کے ایک گروہ نے جیسے امام طحاوی اور قاضی عیاض اور کئی اور نے ذکر کیا ہے ان سب نے اسے حضور کے معجزات میں ذکر کیا ہے لیکن علم اور معرفت حدیث رکھنے والے محققین جانتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

سورج کا یہ واپس لوٹنا معجزات میں سے ہو تو اس سے یہ فعل خداوندی ٹھہرتا ہے نہ کہ حضور کا عمل ہوا گر یہ روایت کسی درجہ میں لائق قبول بھی ہو تو اس میں عقیدہ مختار کل کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب بیمار ہوئے آپ نے انہیں صحت دی

---

[۱] منہاج السنۃ جلد ۸ صہ ۱۲۵

اس پر ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا :۔

ان ربک لیطیعک [1] (آپ کا رب آپ کی بات مانتا ہے)

اس روایت سے بھی مولانا محمد شریف کوٹلوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے پر استدلال کیا ہے ؟

الجواب :۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ابوطالب کو صحت دی تھی تو اس سے یہ بات کیسے نکل آئی کہ بے شک آپ کا رب بھی آپ کی اطاعت کرتا ہے ؟ معلوم ہوتا ہے حضورؐ نے یہ کام اللہ ہی سے کہا تھا کہ وہ ابوطالب کو صحت دے — اور اگر صحت دینے والا اللہ ہی ٹھہرا تو حضورؐ صحت دینے والے کیسے ٹھہرے اور آپ کا مختار کل ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔

ثانیاً اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیثم بن حجاز ہے۔ محدثین اس سے روایت نہیں لیتے یہ ان کے ہاں متروک ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے [2] اس کی روایت درست نہیں ہے۔

ثالثاً اخبار احاد صحیح بھی ہوں تو ان سے عقیدے ثابت نہیں ہوتے۔ عقائد کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے روایات ظنیہ اس کے لیے کافی نہیں۔

(۵)

جو شخص مجھے ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان اور شرمگاہ کو قابو میں رکھے گا میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

الجواب :

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۶۴۳ [2] دیکھیے لسان المیزان جلد ۶ ص ۳۵

ضامن اور حاکم میں فرق ہے. یہاں عدالتوں میں ضامن اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ ملزم کو عدالت میں پیش کرنے کی ذمہ داری لے اور اس کی ضمانت دے فیصلہ آگے حاکم کے ہاتھ میں ہوتا ہے نماز کا امام بھی ضامن ہوتا ہے ـــ حدیث مذکورہ میں جس ضمانت کا بیان ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری پر لی یا اللہ کے وعدے پر کہ جو اپنے اعمال کو اس درجہ نیک بنائے گا. اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائیں گے. حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر یہ ضمانت دی کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ پر قابو رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت پالے گا.

ضامن ہونے سے اگر مالک ہونا مراد ہو تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جب کچھ لوگوں کو ایک مقرر گنتی سے اجتماعی طور پر وظائف پڑھتے پایا اور فرمایا اسے چھوڑ دو اور اپنے گناہوں کو گن گن کر یاد کرو. میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ہرگز ضائع نہ ہوں گی تم ان کا صلہ پاکر رہو گے اور جنت جاکر رہو گے. تو کیا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ضامن ہونے سے ان کا مختارِ کل ہونا ثابت ہو جائے گا.

آپ نے فرمایا :-

فعدوا من سیّاٰتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیٔ[1]

تم اپنے گناہ شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں سے کچھ ضائع نہ ہونے پائے گا.

بریلوی ان پانچ احادیث سے تکوینی امور میں حضورؐ کو مختار کل ثابت کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اگر احادیث صحیح بھی ہوں اور ان کی دلالت بھی اپنے مدعا پر واضح ہو تو بھی ان سے عقائد ثابت نہیں ہوتے. عقائد کے لیے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے.

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۷۹

اب آیئے چند ان دلائل پہ بھی نظر کریں جن سے بریلوی حضورؐ کو تشریعی امور میں مختارِ کل ثابت کرتے ہیں اور پھر یہ بات حضورؐ تک ہی نہیں رہتی۔ بڑے بڑے مشائخ کرام اور پیرانِ عظام بھی اپنے مریدوں سے بہت سے تشریعی بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں۔

حضورؐ کو تشریعی امور میں مختارِ کل قرار دینے کے بریلوی دلائل

دینوی چیزوں میں تحلیل و تحریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں ہے:۔

یحل لھم الطیّبات و یحرم علیھم الخبائث۔ (پ۹ الاعراف ۱۵۷)

ترجمہ۔ یہ نبی حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر ناپاک چیزوں کو اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ۔

بریلوی استدلال

جب تحریم و تحلیل حضورؐ کے ہاتھ میں ہے تو آپ جملہ تشریعی احکام میں مختارِ کل ٹھہرے جس کو چاہیں لازم ٹھہرائیں اور جو چاہئیں جس سے چاہیں معاف کر دیں۔

الجواب:

اسلام میں یہ اصول طے ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ پیغمبر جس چیز کو جائز بتلائیں اسے بھی وہ خدا کی طرف سے ہی ناجائز بتلاتے ہیں — ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحی۔

بنی اسرائیل پر جو چیزیں حرام ہوئیں وہ تحریم الٰہی سے حرام ہوئیں۔

حرمنا علیھم۔ (پ۶ النساء ۱۶۰) میں تحریم کی نسبت خدا کی طرف ہے۔

اگر کوئی اپنی طرف سے کسی چیز حلال یا حرام ٹھہرائے تو یہ افترا علی اللہ ہے۔ یہ افترا علی اللہ تبھی ہو سکتا ہے کہ تحلیل و تحریم صرف اسی کے قبضے میں ہو — ورنہ ہماری طرف سے

کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا جس طرح افتراء علی اللہ ہوگا افتراء علی الرسول بھی ہوگا لیکن قرآن کریم نے اسے صرف افتراء علی اللہ کہا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تحلیل و تحریم صرف اسی کے اختیار میں ہے اور اس کے سوا کوئی مختار کل نہیں ہے کہ جو چاہے کرے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ (پ۱۴ النحل ۱۱۶)

ترجمہ۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگا رہے ہو جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اگر یحل لھم الطیبات اور یحرم علیھم الخبائث میں تحریم و تحلیل کی حقیقی نسبت مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے موقع پر کیوں فرماتے۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ (پ۲۸ التحریم)

ترجمہ۔ اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔

اور پھر حضورؐ یہ کیوں کہتے۔

وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً [1]

ترجمہ۔ اور میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام چیز کو حلال کر سکتا ہوں۔

آپ لہسن کی بُو کو ناپسند کرتے تھے اس لیے نہ کھاتے تھے ــ کوئی یہ گمان نہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ۱ ص ۴۱۲

کرے کہ آپ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا :۔

ایہا النّاس انہ لیس لی تحریم ما احلّ اللہ لی ولکنہا شجرۃ اکرہ ریحہا۔[1]

ترجمہ۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو چیز میرے لیے حلال کی مجھے اس کے حرام ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں لیکن یہ ایک ایسا پودا ہے کہ اس کی بُو مجھے بہت ناپسند ہے۔

حرم شریف کو حرم ٹھہرانے والا اللہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم ٹھہرایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں :۔

ان مکّۃ حرمہا اللہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم ٹھہرایا ہے۔

اور یہ بھی صحیح حدیث میں وارد ہے :۔

انّ ابراھیم حرّم مکہ ودعا لاھلہا وانی حرمت المدینۃ کما حرّم ابراھیم مکۃ۔[3]

ترجمہ۔ بے شک ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور اس کے رہنے والوں کے لیے دُعا کی اور میں نے مدینہ منورہ کو حرم ٹھہرایا جیسے ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ اسے حرم ٹھہرانے والی اللہ کی ذات ہے لیکن اس کی تحریم کا بیان حضرت ابراہیم کی زبان سے ہوا۔ مدینہ کو حرم آپ نے بتایا

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ا صفحہ ۴۱۲ [2] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۴۷ مسلم جلد ا صفحہ ۴۳۷ [3] مسلم صفحہ ۴۴۲ بخاری صفحہ ۲۸۶

اس کا حاصل یہ ہے :-

ان اللہ حرمہا علی لسانی ۔ اصل تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔
میری زبان سے اس کی حرمت کا بیان ہوا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں :-

لان معنی قوله ان ابراهیم حرم مکة اعلن بتحریمها وعرف الناس بانه حرام بتحریم الله ایاها فلما لم یعرف تحریمها الا فی زمانه علی لسانه اضیف الیه۔[1]

ترجمہ حضور کے اس ارشاد کا مطلب کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا یہ ہے کہ آپ نے اس کے حرم ہونے کا اعلان کیا اور لوگوں کو بتلایا کہ یہ ارض حرم ہے بایں وجہ کہ اللہ نے اس کی تحریم فرمائی جب اس کا حرم ہونا آپ کے دور میں ہی کھلا تو اس اعتبار سے اس کی تحریم کی نسبت آپ کی طرف (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف) کر دی گئی۔

اسناد تحریم بابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید و اعلام کرد حکم الٰہی زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانندہ آں احکام اند۔[2]

ترجمہ اس تحریم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت اس جہت سے ہے کہ آپ نے یہ حکم خداوندی پہنچایا اور یہ لوگوں کو بتلایا کیونکہ شرائع کا فیصلہ کرنے والا اور اس کے احکام دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی کی شان قدیم ہے اور انبیاء علیہم السلام تو صرف اس کے احکام پہنچانے والے ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۹ صہ ۲۲۴ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۲ صہ ۲۸

وفی روایة احمد من حدیث ابن عمران الله تعالیٰ حرم علی لسانی مابین لابتی المدینة۔[1]

ترجمہ۔ اور امام احمد کی روایت میں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے یہ ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے اس خاص حصہ زمین کو حرم بتلایا ہے

نمازوں کی معافی کا اختیار

بریلوی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کی معافی کا بھی اختیار تھا حضرت فضیلہ بن عبیدؓ نے کہا میں دنیا کے کاموں میں زیادہ مصروف رہتا ہوں۔ شاید مجھ سے پانچ نمازوں کی حفاظت نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا دو ہی پڑھ لیا کر ـــــ صبح اور عصر کی پابندی رکھنا ـــــ

مولانا محمد شریف کوٹلوی نے سنن ابی داؤد جلد ا ص۶۱ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ آپ نے باقی تین نمازیں معاف کر دی تھیں۔ آپ نے دو نمازوں کو پوری حفاظت سے ادا کرنے کا حکم دیا اس میں آپ نے بطور معلم تربیت فرمائی کہ ان دو نمازوں کی وقت پر ادائیگی سے اسے باقی نمازوں کا ادا کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔

بطور رسول آپ کا حکم پانچ نمازوں کا ہی تھا بطور معلم آپ نے دو نمازوں کو وقت اور اداب سے ادا کرنے کی تربیت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تو صلوٰۃ وسطیٰ کی حفاظت کا زیادہ تاکید سے حکم دیا ہے:۔

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۸)

اس سے پتہ چلا کہ بعض نمازوں کی حفاظت کا زیادہ اہتمام حکم شریعت کے ہرگز منافی

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۱۰ ص۲۳۱ صحیح بخاری جلد ا ص۲۵۱

نہیں ہے۔

اس طرح وفد ثقیف مسلمان ہونے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا ہم مسلمان تو ہوتے ہیں لیکن نہ زکوٰۃ دیں گے نہ جہاد کریں گے :۔

اشترطت ان لاصدقة عليها ولا جهاد۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نہ تو انہیں باقاعدہ عہد دیا نہ ہاں کی اور نہ کی۔ بلکہ فرمایا :۔

سيتصدقون و يجاهدون اذا اسلموا۔[2]

ترجمہ: تم عنقریب دیکھو گے کہ یہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جہاد بھی کرتے ہیں انہیں مسلمان تو ہو لینے دو۔

یہ آپ کی معلمانہ تربیت کا ایک حکیمانہ پیرایہ ہے نہ یہ کہ آپ شریعت میں کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار رکھتے تھے۔ حضرت بیجرہ بن عامرؓ کہتے ہیں جب ہم اسلام لائے تو حضورؐ سے درخواست کی کہ عشاء کی نماز ہم سے معاف کر دیں اس وقت ہم اونٹنیوں کا دودھ دوہتے ہیں۔ آپ نے حکیمانہ پیرایہ میں فرمایا :۔[3]

ترجمہ: تم دودھ بھی دوہو گے اور نمازیں بھی پڑھو گے۔

انہوں نے جو استدعا کی تھی آپ نے اسے قبول نہ کیا اور نہ اس پر کھلے طور پر انکار کیا۔

بریلویوں کے محدث جناب اشرف کچھوچھوی التحقیق البارع میں امام احمد کی ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ :۔

حضورؐ نے ایک شخص کو اس شرط سے مسلمان کیا کہ وہ صرف دو ہی نمازیں پڑھے گا۔[4]

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صہ۴۲ [2] البدایہ جلد ۵ صہ۳۰ [3] مجمع الزوائد جلد ۱ صہ۲۹۳ [4] مسند امام احمد جلد ۵ صہ۲۵ صہ۳۶۳

اس سے بریلوی استدلال کرتے ہیں کہ اگر آپ مختار کل نہ تھے تو آپ نے اس سے تین نمازیں کیسے معاف کر دیں۔

بریلوی مولوی پوری تندہی سے آپ کو نمازوں کی معافی کا اختیار دینا چاہتے ہیں یہ محض اس لیے ہے کہ پھر حضورؐ کے نائبین کو یہ اختیار ملے کہ وہ اپنے مریدوں سے شریعت کا بوجھ (نماز ہو یا روزے) آہستہ آہستہ اتارتے جائیں۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث[1]

یعنی یہ اختیارات حضورؐ تک محدود نہیں آگے پیرانِ پیر بھی پوری کن فیکون کی شان رکھتے ہیں۔ تو کیا اب اس دور کے بریلوی پیر حضرت غوث پاک کے رُوحانی وارث نہیں؟ خوش قسمت ہیں وہ مرید جو اب آگے بڑھ کر اپنے مریدوں سے نمازیں معاف کرالیں۔

نمازیں معاف کرانے کی بریلوی روایت

(۱) عن عبد اللہ بن فضالۃ عن ابیہ قال علمنی رسول اللہ فکان فیما علمنی وحافظ علی الصلوات الخمس قال قلت ان ھذہ ساعات لی فیھا اشغال فمرنی بامر جامع اذا انا فعلتہ اجزأ عنی فقال حافظ علی العصرین۔[2]

ترجمہ: حضرت فضالہ کہتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی اور کہا پانچ نمازوں کی حفاظت کرنا۔ میں نے عرض کی حضورؐ یہ ایسے اوقات ہیں کہ مجھے ان میں بہت کام ہوتے ہیں مجھے کوئی ایسا جامع

---

[1] حدائق بخشش ۲ صہ ۸ [2] سنن ابی داؤد باب المحافظۃ علی الصلوات جلد ۱ صہ ۶۱

عمل بتائیں کہ میں کروں تو وہ میری طرف سے کافی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عصرین کی نماز کی حفاظت کرنا۔ فجر اور عصر پابندی کے ساتھ پڑھنا۔

اس میں باقی نمازوں کی معافی کہیں مذکور نہیں یہ محافظت کا باب ہے حضورؐ فرماتے ہیں دو نمازوں (فجر اور عصر) کی محافظت کر لو باقی نمازیں خود میسر ہو جائیں گی نمازی ہونے کی تربیت ان دو سے ملے گی۔

ابو داؤد کی اس روایت کا ایک راوی داؤد بن ابی ہند ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں وہ کثیر الاضطراب اور کثیر الخلاف تھا۔[1]

الجواب:

① یہ حدیث صحیح نہیں اوپر کی سند یہ ہے:۔

عن رجل منهم انه اتى النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اب معلوم نہیں کہ وہ کون تھا یا کوئی منافق تھا۔ جب تک اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہو جائے ہم اس پر کیسے اعتبار کر سکتے ہیں ضروری ہے کہ وہ راوی مجہول نہ رہے۔

محدث حاکم صحیح حدیث کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

وصفة الحديث الصحيح ان يرويه عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صحابي زائل عنه اسم الجهالة۔[2]

ترجمہ: صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحابی روایت کرے جس کا نام نہ جانا نہ ہو۔

② جو شخص مسلمان ہے اور نماز نہیں پڑھتا یا صرف دو نمازیں پڑھتا ہے تین

---

[1] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۰۴ [2] معرفة علوم الحدیث ۔

نہیں پڑھتا مگر اس کا عقیدہ ہے کہ اسلام میں پانچ نمازوں کا حکم ہے ایسا شخص گنہگار ہے مگر کافر نہیں ہے۔

اب اگر کوئی کافر اس درجے کا مسلمان بننا چاہتا ہے تو اس پر اسلام کا دروازہ بند رکھا جائے گا یا اسے اس درجے کا مسلمان بنا لینا چاہیئے ـــــ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے واقعہ میں حضورؐ نے یہ دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ اسے مسلمان کر لیا جائے گنہگار مسلمان مطلق کافر سے بہر حال بہتر ہے ـــــ رہی یہ بات کہ آپ نے اس کو یہ کیوں نہ بتلایا کہ تو مسلمان تو ہو گا لیکن گنہگار رہے گا ؟ یہ اس لیے کہ وہ نادانی میں اسلام لانے سے ہی برگشتہ نہ ہو جائے۔ رحمۃ للعالمین کا کام رحمت کو عام کرنا ہے نہ کہ ایک گنہگار کو اسلام لانے کے حق سے محروم کرنا؟

③ اس حدیث کے کسی طریق میں یہ الفاظ نہیں کہ حضورؐ نے اسے تین نمازیں معاف کر دیں ـــ ایسا ہوتا بھی تو اس کا معنی یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باذنِ الٰہی ایسا کہا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بتلا چکے ہوں گے کہ کچھ عرصہ میں اس پر تین نمازیں نہ پڑھنے کا مواخذہ نہ کروں گا۔ یہ بات اسلام میں کسی طرح لائق باور کردنی نہیں کہ آپ نے خود بلا اذنِ الٰہی اس سے تین نمازیں ہی معاف کر دی ہوں۔

④ ہم بریلویوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا صحابہؓ میں کوئی ایسا شخص ملتا ہے جو آخر وقت تک دو نمازیں ہی پڑھتا رہا ہو اور باقی تین نمازیں اس سے مدت العمر معاف رہی ہوں ؟ بریلوی کہتے ہیں ممکن ہے وہ ایمان لاتے ہی مر گیا ہو ـــــ اور ہمیں اس کا پتہ بعد میں کہیں نہ ملے۔ ہم جواباً کہیں گے کہ پھر اس پر تو کوئی نماز فرض نہ ہوئی جب اس نے ان کا وقت ہی نہ پایا ہو تو اس پر وہ فرض کیسے ہوں گی ؟ ـــــ سو اس صورت میں صرف تین نمازیں نہ تھیں باقی دو بھی گئیں۔ جو وہ پڑھنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

(۵) کیا اس شخص نے تین نمازیں اپنے لیے ہی معاف کر لی تھیں یا رمضان کے روزے بھی ساتھ ہی گئے؟ بریلوی ملنگ کہتے ہیں اس پر جو نمازیں فرض رہیں وہ فجر اور عصر کی نمازیں تھیں۔ جب عشاء معاف رہی تو تراویح بھی گئیں اور تراویح بھی گئیں تو روزے بھی گئے۔ روزے گئے تو صدقۃ الفطر بھی واجب نہ ہوا۔ جب یہ زکوٰۃ گئی تو سالانہ زکوٰۃ کیسے فرض ہو سکتی ہے؟

مختار کل کا عقیدہ گھڑتے گھڑتے ان ملنگوں نے سارا دین ہی ختم کر دیا۔ بلا اکیلی نہیں آتی جہاں آئے گی بلائیں آئیں گی۔ بناء فاسد علی الفاسد۔ یہ سب بریلوی بلائیں ہیں جو بریلوی ملنگوں نے اپنے گرد جمع کر رکھی ہیں۔

(۶) ملنگ اس صحابی کا نام نور بخش بتاتے ہیں جس پر تین نمازیں معاف تھیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اب اس کی اولاد میں یہ دو نمازیں ہی رہیں۔ اب جو مسلمان پانچ نمازوں کو بوجھ سمجھتے ہیں وہ بلا کسی تحقیق و روایت کے اپنے آپ کو نور بخشی کہہ کر تین نمازوں کو ہی اپنے اوپر سے اتار دیتے ہیں۔

آپ خود غور فرمائیں صحابہؓ میں کیا اس قسم کے نام تھے؟ نور بخش ایک عجمی نام ہے سنا ہے اس فرقہ کے لوگ گلگت وغیرہ میں بہت پائے جاتے ہیں۔

دیکھیے بریلویوں کا آنحضرتؐ کو مختار کل بنانے کا شوق مسلمانوں کو کہاں سے کہاں لے آیا ہے۔ پیر جب کسی کے کان میں کہہ دے کہ جا میں نے تجھ سے دو نمازیں معاف کر دیں میں نور بخشی خاندان سے ہوں اور یہ فیض (دو نمازوں کو معاف کرنے کا) ہمارے خاندان میں چلا آرہا ہے تو پھر ایسے مریدوں کو اور کیا چاہیئے؟ یہ وہ دھمات اور دھوکے ہیں جن سے جاہل لوگ بریلوی بنتے ہیں اور نمازوں کی بجائے وہ عرسوں کی رونق بنتے ہیں۔

④ اذخر کو مستثنیٰ کرنے میں اپنے اختیار کا استعمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی سے بیان فرمایا کہ حرم مکہ کے درختوں اور کانٹوں کو کاٹنا حرام ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس قانون سے اذخر (ایک گھاس) کو مستثنیٰ قرار دینے کی گذارش کی۔ آپ نے اسی وقت اسے مستثنیٰ کر دیا۔ بریلوی کہتے ہیں اتنی جلدی وحی کیسے آسکتی ہے؟ یہ حضورؐ نے اپنے مختار کل ہونے کا حق استعمال کیا ہے ــــ اس سے ثابت ہوا کہ آپ مختار کل تھے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں تحلیل و تحریم پر آپ ہی کا قبضہ ہے۔

الجواب :

پہلے یہ معلوم کریں کہ محدثین کے ہاں اس حدیث کی شرح کیا رہی ہے؟ ہم سلف صالحین کی اتباع میں چلنے والے ہیں۔ سلف کو چھوڑ کر نئی افترائیں کرنا ہمارا طریق نہیں ہے، محدثین کے ہاں اذخر گھاس کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے :-

هذا محمول علىٰ انه صلى الله عليه وسلم اوحى اليه فى الحال باستثناء الاذخر وتخصيصه من العموم او اوحى اليه قبل ذلك انه ان طلب احد استثناء شىء فاستثنه او انه اجتهد فى الجميع[1]

ترجمہ۔ یہ استثناء اس پر محمول ہے کہ آپ پر اسی وقت اذخر کے استثناء اور اور اس عام حکم سے اذخر کی وحی کی تخصیص آگئی تھی یا اس سے پہلے آپ کو وحی ہو چکی تھی کہ اگر کوئی اس سے کسی چیز کے استثناء کے لیے کہے تو آپ اسے مستثنیٰ کر دیں یا آپ نے اس میں اجتہاد فرمایا اور اجتہاداً شریعت میں اس کے استثناء کی گنجائش موجود تھی۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۳۸

یہ تین احتمال ہیں جو محدثین نے یہاں ذکر کیے ہیں یہ چوتھی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت کا اختیار دے رکھا تھا محض ایک احتمال کے درجے میں ہے اور اس کا حاصل بھی مختار کل ہونا نہیں کسی ایک بات میں اجازت پانا ہے۔ پھر اس احتمال کو اگر کچھ گنجائش بھی دی جائے تو اسے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی مسئلہ کبھی احتمال سے بھی ثابت ہوا ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال سے کسے انکار ہے۔

بریلویوں کا یہ کہنا کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے۔ ابھی تو حضرت عباسؓ درخواست ہی کر رہے تھے۔ اسی وقت حضورؐ نے اس کی ہاں فرما دی تو یہ وحی کب آئی ہوگی اور حضورؐ نے اسے کب وصول فرمایا ہوگا اتنی جلدی یہ وحی کیسے آگئی اور آپ نے اسے کیسے پالیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جلدی وحی آسکنے کا انکار زندقہ والحاد ہے

وحی کا قلب پر اترنا ایک فعل الٰہی ہے اور یہ ایک مخفی عمل ہے۔ اس کے بارے میں یہ سوچ کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے یہ اعتقاد خود زندقہ و الحاد ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی لکھتے ہیں:۔

لہ طحاوی جلد ۴ صفحہ ۲۱۳

حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:۔

هل كان قوله صلى الله عليه وسلم الا الاذخر باجتهاد او وحی قلت اختلفوا فيه ..... وترخيص النبیؐ كان تبليغاً عن الله تعالیٰ اما بطريق الالهام او بطريق الوحی ومن ادعی ان نزول الوحی يحتاج الی عهد متسع فقد وهم ؎

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا اپنے اجتہاد سے تھا یا وحی سے؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ وحی اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے اسے کچھ مدت چاہیئے وہ وہم کا شکار ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ استثنیٰ وحی اور اجتہاد میں دائر ہے اور دونوں صورتوں میں منبع حکم خدا کی ذات ہے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کہہ رکھا ہو تو بھی اذن اسی کا چلا دینی معاملات میں حضورؐ اپنی مرضی اور خواہش سے کچھ نہ کہتے تھے جو کچھ فرماتے وہ وحی الٰہی سے ہوتا۔ وحی جلی ہو یا خفی یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

(۴) ایک شخص نے رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسلام میں ایسے شخص پر کفارہ لازم ہے۔

۱. ایک غلام آزاد کرے یا
۲. ساٹھ روزے رکھے یا
۳. ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے۔

اس شخص نے حضورؐ کی خدمت میں ان تینوں باتوں سے معذوری کا اظہار کیا اتنے میں ایک شخص سامنے کے قریب کھجوریں لے آیا۔ حضورؐ نے اس کو کہا کہ اس سے کھجوریں لو اور ان کو صدقہ کر دو۔ اس نے کہا کہ مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔

؎ عینی علی البخاری جلد ۱۰ ص ۱۹۲

آپ نے فرمایا اچھا انہیں اپنے گھر لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔

بریلوی کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کفارہ ساقط کر دیا۔ اگر آپ مختار کل نہ تھے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ یہ ذمہ کیسے ساقط کر دیا۔

الجواب :

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۵۹ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۵۵ ابو داؤد جلد ۱ ص ۳۳۳ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۶ مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۰۸ طحاوی جلد ۱ ص ۳۲۵ اور سنن کبیری جلد ۴ ص ۲۳۷ وغیرہ میں موجود ہے۔ ان میں سے کسی میں یہ الفاظ نہیں کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا۔ اگر وہ شخص اس وقت انتہائی کمزور اور تنگدست تھا کہ کفارہ ادا نہ کر سکتا تھا تو کیا آئندہ بھی اس پر کوئی ایسا دور نہ آسکتا تھا کہ وہ اتنی رقم صدقہ کرنے کے لائق ہو جائے۔ اگر یہ احتمال موجود ہے تو اس واقعہ سے بریلویوں کا آپ کو مختارِ کل ثابت کرنے کا احتمال ٹوٹ گیا۔ اذا جاء الاحتمال بطل به الاستدلال۔

(۲) سنن دارقطنی جلد ۱ ص ۲۵۱ میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:۔

فقد كفر الله عنك.

(اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کفارہ اُٹھا لیا ہے)

سو جب اس کفارہ کو خود خدا نے ساقط کیا تو حضورؐ صرف اس کے بیان کرنے والے ہوئے اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ آپ نے خود اس سے کفارہ ساقط کیا تھا اور اپنے مختار کل ہونے کا حق استعمال کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے [1]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ص اس کا راوی منذر بن محمد ضعیف ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۰۰)

وقال الجمهور لا تسقط الكفارة بالاعسار والذی اذن له فی التصرف

لیس علی سبیل الكفارة .[1]

ترجمہ. جمہور اہل اسلام کہتے ہیں کہ تنگدستی سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا.
اسے جو کھجوریں لینے کا اذن ملا وہ بر سبیل کفارہ نہ تھا یعنی کفارہ اس
کے ذمہ رہا.

(۳) یہ جملہ جاتیرا کفارہ ادا ہو گیا امام زہری کا ادراج ہے. حدیث میں یہ الفاظ کسی
طرق میں نہیں ہیں .[2]

امام نووی شرح صحیح مسلم جلد ا ص ۳۵۴ اور شرح مہذب جلد ۶ ص ۳۴۴ میں کفارہ تاخیر
سے ادا کرنے کا فیصلہ دیتے ہیں کفارہ کو اس سے ساقط نہیں کرتے. فقہ حنفی کا بھی یہی
فیصلہ ہے. علامہ سرخسی (ھ) لکھتے ہیں :-

ولكنه عذره فی التاخیر للعسرة .[3]

ترجمہ لیکن آپ نے اسے تنگ حالی کے باعث دیر کرنے میں معذور قرار دیا .

حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ ھ) لکھتے ہیں :-

عن ابی جعفر الطبری ان قیاس ابی حنیفة والثوری وابی ثور

ان الكفارة دین لا تسقط عنه لعسرته وعلیه ان یاتی بها اذا

ایسر كسائر الكفارات .[4]

ترجمہ. امام ابوحنیفہ. امام سفیان الثوری اور امام ابوثور کا فتوی اس طرح
سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے ہاں کفارہ گویا ایک قرض ہے جو تنگدستی کی
وجہ سے ساقط نہیں ہوتا اور یہ اس کے ذمہ رہتا ہے کہ جب اسے
آسودگی ہو وہ اسے ادا کرے جیسا کہ اور دوسرے کفارات میں ہے .

---

[1] فتح الملہم جلد ۳ ص ۱۳۲ [2] دیکھیے نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ ص ۴۵۳ الدرایہ ص ۱۷۵ [3] المبسوط جلد ۳ ص ۷۱ [4] عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۲۹

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) زہری کے الفاظ کو رد نہیں کرتے لیکن وہ اسے صرف ایک وقتی حل سمجھتے ہیں اور انجام کار وہ بھی کہتے ہیں :-

فغاية الامر انّه اخّره عنه الی المیسرہ اذ کان فقیرًا فی الحال[1]

ترجمہ: سو آخری بات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اس کا کفارہ اس وقت تک کے لیے مؤخر فرمایا کہ وہ آسودہ حال ہو جائے اس وقت وہ بالکل تنگدست تھا۔

علامہ ابن عابدین الشامی درمختار کے الفاظ (قولہ وکفر) پر لکھتے ہیں :-

ترك بيان وقت وجوب القضاء والكفارة اشعارًا بانّه على التراخي كما قال محمد وقال ابو يوسف انّه على الفور وعن ابي حنيفة روايتان كما في التمرتاشي وقيل بين رمضانين وقال الكرخي والاوّل الصحيح[2]

ترجمہ: قضا اور کفارہ کس وقت ضروری ہے اسے یہاں ذکر نہیں کیا۔ اس میں تراخی (آئندہ جب بھی ہو) کی نشاندہی ہے امام محمد کا یہی قول ہے امام ابویوسف فوری قضاء کے قائل ہیں حضرت امام سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ آئندہ رمضان تک وہ ادا کرلے امام کرخی کہتے ہیں یہ پہلی بات صحیح ہے۔

زہری کی روایت میں یہ جملہ ہے کہ جا تیرا کفارہ ادا ہو گیا اور تیرے سوا یہ کسی اور کو یہ جائز نہیں ہے۔

محدث زیلعی لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ مجھے کسی حدیث میں نہیں ملے[3]۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تائید کی ہے[4]

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۷۰ [2] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [3] نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۳ [4] الدرایہ صفحہ ۱۷۵

آنحضرتؐ نے شریعت کے فیصلے اپنی مرضی سے بھی کیئے

علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ نے دین کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہی جو کہی وحی سے کہی وہ وحی جلی ہو یا خفی — آپ نے بدوں وحی کوئی بات نہیں کہی۔ اگر کبھی اجتہاد بھی فرمایا تو وحی میں اپنے اختیار اور اپنے تقاضے سے نہ کسی حلال کو حرام کیا اور نہ کسی حرام کو حلال قرار دیا — نہ کسی عام کی کوئی تخصیص کی نہ کسی حکم کی کسی سے تخصیص کی — دین کے بارے میں جو کچھ بھی کیا اور جو کچھ بھی کہا سب خدا کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں اس پر نص قطعی موجود ہے۔

وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔

اس کے برعکس بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے دین کے کئی فیصلے اپنی مرضی سے کیے۔ ان میں آپ کے پاس خدا کا کوئی حکم موجود نہ تھا۔ آپ جس طرح چاہتے لوگوں سے دین کی ذمہ داریاں اُٹھاتے جاتے۔ اللہ نے آپ کو مختار کل ٹھہرایا تھا اپنے کسی حکم کا پابند نہ کیا تھا۔ (معاذاللہ)

بریلوی کہتے ہیں :-

(۱) اسلام میں نوحہ و بین کرنا حرام ہے حضورؐ نے ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی اجازت دے دی۔ لہٰذا آپ مختارِ کل ہوئے۔

(۲) اسلام میں چھ ماہ کی بکری قربانی کے لیے جائز نہیں۔ حضورؐ نے حضرت ابوبردہؓ کو اس کی اجازت دی اس سے آپ کے وسیع اختیارات معلوم ہوئے۔

(۳) شریعت نے دو مردوں کی گواہی کو حجت ٹھہرایا ہے۔ حضورؐ نے حضرت خزیمہؓ کی ایک گواہی دو گواہیوں کے قائم مقام ٹھہرائی۔

(۴) سونے کی انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں۔ حضورؐ نے حضرت براء بن عازبؓ

کے لیے اسے جائز قرار دیا، آپ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں۔

۵ بیوہ کی عدت کی مدت چار مہینے دس دن ہے سوگ کے ساتھ — حضورؐ نے اسمار بنت عمیس کا سوگ صرف تین دن کر دیا۔

۶ حضورؐ کے نام پہ نام رکھنا اور ساتھ آپ کی کنیت کو جمع کرنا ممنوع تھا مگر آپ نے حضرت علیؓ کو ایک بیٹے کے لیے اس جمع کی اجازت دے دی۔

۷ حکام کے لیے تحفہ لینا حرام ہے مگر آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو تحائف لینے کی اجازت دے دی۔

۸ جو شریک جہاد نہ ہوا ہو وہ مالِ غنیمت میں حصہ دار نہیں مگر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو غنائم بدر میں شریک کیا۔

علماء اہلسنت کے ہاں بریلویوں کی ان تمام باتوں کا ایک ہی جواب ہے۔ کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا سب باذنِ الٰہی تھا۔ آپ نے اپنی طرف سے شریعت میں کوئی اکھاڑ پچھاڑ نہیں کی نہ آپ اس کے مجاز تھے۔ آپ اللہ رب العزت کی طرف سے مامور تھے مختار کل نہ تھے۔ نہ اہل سنت کی کتب عقائد میں آپ کے مختار ہونے کے نام سے کوئی عقیدہ موجود ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ (پ ۲۸ النجم)

اب ہم ان جزئیات پر نمبروار کچھ عرض کرتے ہیں:-

۱ اسلام میں نوحہ پہلے مباح تھا — پھر مکروہ تنزیہی ٹھہرا — پھر حرام ہوا۔ ام عطیہؓ کو جو آپ نے اجازت دی وہ اس کے حرام ہونے سے پہلے کی بات ہے سو یہ آپ کا شریعت میں تصرف کرنا نہیں ہے نہ شریعت کی کسی حرام کردہ چیز کسی کے لیے جائز کرنا ہے۔

حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں۔ جب نوحہ کرنا مکروہ تنزیہی تھا اس دور میں

حضورؐ نے ام عطیہ کو اجازت دی تھی۔ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۵۱ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۲) آپ نے چھ ماہ کی بکری کی قربانی حضرت ابوبردہ کے لیے باذنِ الٰہی جائز کی تھی۔ ایسی تمام جزئیات اس اصل کے تابع ہیں کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نام لے کر کوئی بات کریں یا اس کا نام لیے بغیر کسی چیز کو جائز یا ناجائز کریں ان سب میں بات خدا کی طرف سے ہی ہوتی ہے جو لوگ تشریع میں اللہ اور اس کے رسول میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں وہ حق پر نہیں ہیں۔

(۳) حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے قائم مقام یہ باذنِ الٰہی ٹھہرائی گئی تھی حضورؐ کسی کے لیے کوئی خصوصیت فرمائیں تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوگا اور کسی کو کسی بات سے مستثنیٰ کر دیں تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوگا۔

(۴) بریلویوں کی پیش کردہ یہ روایت سند صحیح سے ثابت نہیں علامہ حازمی لکھتے ہیں:

اسناده ليس بذلك [۱]

اگر ایسا ہوا ہو تو وہ بدوں اذن الٰہی نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ جو کچھ کرتے اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتے تھے۔

فالبسنيه فقال البس ما كساك الله ورسوله [۲]

عن ابي اسحٰق قال رايت على براء خاتما من ذهب [۳]

اگر اس کی رخصت ملی تو صرف حضرت براءؓ کو نہیں حضرت حذیفہؓ، حضرت سعدؓ حضرت طلحہؓ، جابر بن سمرہؓ نے بھی اسے رخصتہً پہنا۔

عن ابراهيم التيمي قال كانوا يرخصون للغلام في خاتم الذهب [۴]

ترجمہ حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ علماء بچے کے لیے سونے کی انگوٹھی جائز سمجھتے تھے۔

---

[۱] کتاب الاعتبار صفحہ ۲۳۲ [۲] مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ [۳] المصنف جلد ۵ صفحہ ۱۹۵ [۴] ایضاً

ابوالقاسم لازدی کہتے ہیں:۔

سالت انس بن مالکؓ اتختم من ذھب فقال نعم ... ولکن لا تطعم فی اناء الذھب والفضۃ۔[1]

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کیا میں سونے کی انگوٹھی پہن سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں لیکن تم سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھا نہیں سکتے۔

امام ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے المصنف میں اس پہ باقاعدہ رخصت کا باب باندھا ہے رخصت اور عزیمت دونوں شریعت کے حکم ہیں۔ رخصت اسی کی طرف سے ہے جس کی طرف سے عزیمت ہے۔ اس میں مختار کل کا کوئی موضوع نہیں۔

(۵) پہلے سوگ کا لباس بیوہ کے لیے تین دن کا ہی تھا پوری عدت میں سوگ کا حکم نہ تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب ضروری ہوا وہ پوری دورانِ عدت سوگ کے لباس میں رہے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں:۔

ان الاحداد لم یکن علی المعتدۃ فی کل عدتھا و انما کان فی وقت منھا خاص ثم نسخ ذلک وامرت بان تحد علیہ اربعۃ اشھر وعشرا۔[2]

ترجمہ: پہلے عدت والی عورت کے لیے سوگ کرنا کل دورِ عدت کے لیے نہ تھا عدت کے خاص دنوں میں (پہلے تین دن) تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ اب وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے (اب وہ پوری عدت باہر نہ نکلے)۔

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت عمیس کو کسی حکم شریعت سے مستثنیٰ نہیں کیا تھا اس وقت حکمِ شریعت ہی یہ تھا ـــ بریلویوں کی حضورؐ کو بار بار خدا کے مقابل لانے

---

[1] المصنف جلد ۵ ص ۱۹۵ [2] معانی الآثار للطحاوی جلد ۲ ص ۳۸

کی یہ جرأت انتہائی لائق افسوس ہے۔

(۶) ابتداء اسلام میں حضورؐ کے نام اور کنیت کو ایک شخص میں جمع کرنا ممنوع تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ جس وقت آپ نے حضرت علیؓ کو اس کی اجازت دی کہ وہ آئندہ اپنے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم رکھ سکیں گے اس وقت یہ جمع بین الاسم والکنیہ ممنوع نہ تھی۔ امام طحاوی لکھتے ہیں:۔

ان نھیہ عن التکنی بکنیتہ فی حدیث ابی ھریرۃ فیماذکرناہ معہ من الآثار لا یخلو من احد وجھین اما ان یکون متقدما للمقصود فیہ الی الجمع بین الاسم والکنیۃ او متاخرا عن ذلک فان کان متاخرا عنہ فھو زاید علیہ غیر ناسخ لہ وان کان متقدما لہ فقد کان ثابتا ثم روی ھذا بعدہ فنسخہ۔[1]

ترجمہ: آپ کا حدیث ابوہریرہؓ کی رو سے اور دل کو اپنی کنیت رکھنے سے روکنا جیساکہ ہم نے آثار سے نقل کیا ہے دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو نام اور کنیت کو جمع نہ کرنے کے قصد سے پہلے کا ہوگا یا بعد کا۔ اگر بعد کا ہے تو اسے ایک امر زائد کے لیے اسے نسخ کرنے والا نہ کہیں گے اور اگر وہ اس سے پہلے کا ہے تو یہ اپنی جگہ ثابت ہوا۔ پھر یہ اس کے بعد کی روایت ہے جس نے اسے منسوخ کیا۔

سو اس صورت میں یہ نہ کہا جا سکے گا کہ اصل مسئلہ تو یہی تھا کہ انہیں جمع نہ کیا جائے حضورؐ نے جو حضرت علیؓ کو اس کی اجازت دی یہ بطور مختار کل آپ کا اذن تھا۔ امام طحاوی کے نزدیک ایسا نہیں ہوسکتا نہ امام طحاوی آپ کے مختار کل ہونے کے قائل تھے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

قد اختلف فی جواز التکنی بکنیتہ صلی اللہ علیہ وسلم فالمشھور عن الشافعی المنع علی ظاھر ھذہ الاحادیث وقیل یختص ذلک بزمانہ۔[2]

ترجمہ: آنحضرتؐ کی کنیت ابو القاسم سے اپنی کنیت کرنا جائز ہے یا نہیں

[1] طحاوی جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۴۵

اس میں اختلاف ہے اور یہ قول بھی موجود ہے کہ یہ منع صرف آپ کے دور تک تھی۔

⑦ حکام کے لیے مطلقاً تحفہ لینا حرام نہیں باجازت امام وہ تحفہ لے سکتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:-

ان الامام اذا اباح له قبول الهدية لنفسه فهو يطيب له.[1]

ترجمہ۔ امام جب کسی ماتحت حاکم کے لیے قبول ہدیہ جائز کر دے تو اس کے لیے وہ بے شک پسندیدہ مال ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ عام ضابطہ ہے اس میں کسی کی خصوصیت اور وہ بھی اپنے ذاتی اختیارات کے ساتھ ہیں یہاں ہرگز اس کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی تھی کہ میری اجازت کے بغیر کسی سے ہدیہ قبول نہ کرنا۔ اس میں واضح ہے کہ آپ کی اجازت سے حضرت معاذؓ کے ہدیہ قبول کرنے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے۔

لا تصيبن شيئاً بغير اذني فانه غلول.[2]

ترجمہ۔ میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کہ یہ خیانت ہے

یہ ایک عام ضابطہ ہے حضورؐ نے اسے بیان کر کے عمومی پیرایہ میں فرمایا:-

عن معاذ بن جبلؓ قال بعثنى رسول الله الى اليمن فلما سرت ارسل فى اثرى فرددت فقال أتدرى لما بعثت اليك قال ومن يغلل يأت بما غل يوم القيامة لهذا دعوتك وامض لعملك.[2]

ترجمہ۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں آنحضرت نے جب مجھے یمن بھیجا تو جب میں چلا میرے پیچھے آپ نے ایک شخص کو بھیجا اور میں حضورؐ کے پاس

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صـ ۱۷۳ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صـ ۱۵۱

لے جایا گیا۔ آپ نے کہا تجھے پتہ ہے میں نے تجھے کس لیے بُلایا ہے دیکھنا میری اجازت کے بغیر کسی سے کوئی تحفہ نہیں لینا یہ خیانت کے حکم میں آتا ہے۔

(۸) امیر اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کام پر لگا دے اور وہ شریک جہاد نہ ہو سکے (جیسے حضرت عثمانؓ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے) اور حضورؐ کے حکم سے حضورؐ کی بیٹی رقیہؓ (جو ان کی زوجہ تھیں) کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہے یا جیسے حضرت علیؓ جنگ تبوک سے پیچھے رہے) تو اسے مالِ غنیمت سے حصہ ملنے پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں جو مال جاتا وہ علی وجہ التملیک جاتا۔ اور مالک کو حق ہے کہ جس کو چاہے اس میں سے جسے چاہے دیدے۔ یہ امیر کے اختیارات کا مسئلہ ہے اس کے تکویناً مختارِ کل ہونے کا نہیں۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول وکان کل ما اضافہ اللہ الی نفسہ علیٰ سبیل الفرض وما اضافہ الیٰ رسولہ علیٰ سبیل التملیک۔[1]

ترجمہ: آپ کہہ دیں غنائم اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہونا علی السبیل الفرض ہے اور رسول پاک کے لیے ہونا علیٰ وجہ التملیک ہے۔

---

[1] طحاوی جلد ۲ صـــــ

مسئلہ مختارِ کُل

اہل السنّۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی رُو سے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد :

عقائد قطعیات سے ثابت ہوتے ہیں ان کے لیے ظنی دلیل کافی نہیں ہو سکتی.

افسوس کہ بریلوی علماء اخبار احاد کیا محض حکایات سے بھی اتنا بڑا کام لے لیتے ہیں اور ان کے عوام جو قواعد علم سے یکسر خالی ہوتے ہیں وہ اہل بدعت کو اہل سنّت کہنے میں بھی اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں. اثبات عقیدہ کے لیے وہ دلیل چاہیئے جو اپنے ثبوت میں بھی قطعی ہو اور اپنے مضمون کی دلالت میں بھی قطعی ہو۔ عقائد قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل سے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام میں قطعی الثبوت قرآن کریم اور حدیث متواتر ہے ان سے جو حوالہ لیا جائے ضروری ہے کہ اس کی اپنے موضوع پر دلالت قطعی ہو اس میں کسی دوسرے معنی کی راہ نہ نکلتی ہو نہ کوئی اور احتمال پیدا ہو.

ہم اہل السنّۃ والجماعۃ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ :-

(۱) اللہ تعالیٰ تمام اختیارات کا مالک ہے.

(۲) وہ اپنے اختیارات کبھی کسی کو سپرد نہیں کرتا.

(۳) اس کے اختیارات میں کوئی اس کا شریک نہیں.

(۴) اس کا مختار کل ہونا (ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہونا) اسلام کے عقیدہ توحید کا ہی ایک پیرایہ ہے.

(۵) اللہ کے فرشتے اور اس کے بھیجے انبیاء و رسل سب اس کے بندے ہیں اور مامور.

آیئے اب ہم ان مسائل کی روشنی میں مسئلہ مختار کل سمجھیں اور دیکھیں کہ قرآن کریم اس میں کیا رہنمائی کرتا ہے:۔

(۱) وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء فتاتیھم بایۃ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن من الجاھلین۔ (پ الانعام ۳۵)

ترجمہ۔ اور اگر ان کا منہ پھیرنا تجھ پر گراں گزرتا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں زینہ۔ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر ہی رکھتا سو تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہونا

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہیئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ حق تعالیٰ نے تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیتِ الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین و آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا مجبور کن معجزہ دکھلا دے۔[۱]

اس آیت میں صریح طور پر بتلایا گیا ہے کہ زمین میں سرنگ لگانا اور یا آسمان میں سیڑھی لگانا یہ آپ کی استطاعت میں نہیں رکھا گیا۔ فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء اس موضوع پر قطعی الدلالہ ہے اور آپ کے مختار کل نہ ہونے کی ایک قوی شہادت ہے۔

---

[۱] فوائد القرآن للعلامہ العثمانی ص ۱۷۵

(۲) وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعًا ○ او تكون لك جنة من نخيل واعناب فتفجر الانهار خلالها تفجيرًا ○ او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفًا او تأتي بالله والملئكة قبيلا ○ او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابًا نقرؤه ○ قل سبحان ربي هل كنت الا بشرًا رسولا ○ (پ۱۵ الاسراء ۹۴)

ترجمہ۔ اور وہ بولے کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ بہا دو یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور تم اس کے اندر نہریں رواں کردو اور یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا کہ تم سمجھ رہے یا تمہارے لیے گھر ہو سونے کا یا تم آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھ جانے کو بھی نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتار ہے جسے ہم پڑھ سکیں۔ آپ کہہ دیں پاک ہے میرا رب ہر کمزوری سے (یعنی وہ یہ سب کچھ کرسکتا ہے) میں تو ایک انسان ہوں خدا کا بھیجا ہوا۔

(۳) وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يردك بخير فلا راد لفضله ۔ (پ۱۱ یونس ۱۰۷)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف دے تو اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا مگر وہی ایک اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی دے تو اسے کوئی پھیرنے والا نہیں۔

وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان يمسسك بخير فهو على كل شيء قدير ۔ (پ۷ الانعام ۱۷)

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی تکلیف میں ڈالے تو کوئی اسے اٹھانے والا نہیں مگر وہی ایک اور اگر وہ تجھے کسی بھلائی میں لائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(۴) جو کفار آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے آپ کو علم نہ تھا کہ یہ ایمان لے آئیں گے یا ان پر خدا کی پکڑ لکھی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا:۔

لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔

(پ۴ آل عمران ۱۲۸)

ترجمہ۔ یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے وہ تو ظالم ہی ہیں۔

اس سے زیادہ قطعی الدلالۃ پیرایہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی کوئی آپ کو مختارِ کل کہے تو کون کسی کی زبان پکڑ سکتا ہے۔

(۵) ومن یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئا ط اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔ (پ۶ المائدہ ۴۱)

ترجمہ۔ اور جس کو خدا کسی آزمائش میں ڈالے تو آپ اس کا کچھ نہیں کر سکتے یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دل پاک کرے ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

جس کا بھی اس آیت پر ایمان ہو گیا وہ۔ ایک لمحہ کے لیے بھی حضورؐ کے مختارِ کل ہونے کا قول اختیار کر سکتا ہے؟

(۶) قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا

نذیر مبین. (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ. آپ کہہ دیں میں اپنے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر وہی جو خدا چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی سوائے اس کے نہیں کہ میں تم (لوگوں) کو کھلے بندوں ڈرانے والا ہوں.

(۷) قل ان لا املک لکم ضرّا ورشدًا ○ قل انی لن یجیرنی من اللہ احدٌ ولن احد من دونہ ملتحدًا. (پ۲۹ الجن ۲۲)

ترجمہ. آپ کہہ دیں میرے اختیار میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ تمہارا راہ پر لانا. آپ کہہ دیں کہ نہ بچائے گا مجھے اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا میں اللہ کے سوا کہیں سرک رہنے کی جگہ (جائے پناہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اپنے بارے میں نہ اپنی امت کے بارے میں کہیں اختیارات کا دعوے نہ تھا. یہ آیات اپنے ثبوت اور اپنی دلالت دونوں میں قطعی ہیں. آیات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایک خدا ہے جو تمام اختیارات کا مالک ہے.

(۸) ولا تصل علی احدٍ منھم مات ابدًا ولا تقم علی قبرہٖ انھم کفروا باللہ ورسولہ. (پ۱۰ التوبہ ۸۴)

ترجمہ. اور آپ ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہو چکے.

جس کو اس طرح حکم کا پابند کیا جائے کیا پھر اسے ہر بات میں اختیار رکھنے والا کہا جا سکتا ہے. اس آیت میں آپ کو اس درجہ میں نہیں رکھا گیا کہ چاہیں تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور چاہے نہ پڑھیں.

(۹) اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب جبریل آپ کے پاس وحی لے کر آئیں آپ

ان کے پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو ساتھ ساتھ حرکت نہ دیں :-

لا تحرك به لسانك لتعجل به انا علينا جمعه وقرآنه ۔

(پ ۲۹ القیمہ)

ترجمہ۔ اے پیغمبر آپ قرآن کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ کو اس کو جلدی جلدی لیں اس کا جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

(۱۰) ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلك غدًا۔ (پ ۱۵ الکہف ۲۳)

ترجمہ۔ اور آپ ہرگز نہ کہیں کسی کام کو کہ میں اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ حضور کو اس بات کے نہ کہنے کا پابند کیا گیا یا یہ کہ ایسا چاہیں کہیں اور نہ چاہیں تو ایسا نہ کہیں معلوم نہیں اتنی کھلی بات کے ہوتے ہوئے بریلویوں نے یہ مختارِ کل کا عقیدہ کہاں سے گھڑ لیا ہے۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہ تکوینی امور میرے ہاتھوں میں نہیں ہیں۔ میں تو وہی کچھ کر سکتا ہوں جو ایک انسان کر سکے۔ سو ایک انسان کی حیثیت میں نہ کوئی مختارِ کل ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

مُختارِ کل کی نفی پر

ایک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت قدرِ مشترک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کئی موقعوں پر اپنی مجبوری اور بے بسی ان الفاظ میں ظاہر فرمائی اور کہا کہ میں حساب کے دن اغثنی یا رسول اللہ کہنے والوں کو کہوں گا:۔

لا املك لك شيئا۔ کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

یہ مضمون کسی ایک روایت میں نہیں متعدد روایات میں یہ مختلف پیرایوں میں وارد ہوا ہے۔ یہ واقعات گو اپنی اپنی جگہ اخبار احاد ہیں لیکن ان کا مدلول مشترک تواتر کے درجہ میں پہنچتا ہے ہم پہلے بھی یہ احادیث پیش کر چکے ہیں۔ اب بیان قدرِ مشترک کے لیے ان میں بعض پھر سے پیش کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور خیانت کے موضوع پر آپ نے بہت زور دیا اور کچھ مثالیں بھی بیان فرمائیں کہ قیامت کے دن متعدد لوگ اپنی چوری کی چیزیں کندھوں پر اٹھائے پیش ہوں گے اور حضورؐ کے سامنے فریاد کریں گے کہ ہمیں بچالیں حضورؐ اس کے جواب میں فرمائیں گے کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی میں کچھ نہیں کر سکتا میں نے اللہ کی بات تم تک پہنچا دی تھی۔ ؎

(۲) حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے موقعہ کا خطبہ

؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۳۲ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

بیان کرتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب آیت انذر عشیرتک الاقربین اُتری تھی. آپ نے یامعشر قریش کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا بنی عبد مناف کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا عباس بن عبد المطلب کہہ کر بھی خطاب فرمایا. یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ کہہ کر بھی خطاب فرمایا اور آخر میں یا فاطمۃ بنت محمد کہہ کر بھی خطاب کیا اور ہر دفعہ کہا لا اغنی عنک من اللہ شیئا[1] لا املک لکم من اللہ شیئا.[2]

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضورؐ کے پاس آیا اور آپ کو ننھے ننھے بچوں سے پیار کرتے دیکھا اور فرمایا. تقبلون الصبیان فما نقبلھم. اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَوَاملک لک اذا نزع اللہ من قلبک الرحمۃ.[3]

ترجمہ. جب خدا نے تمہارے دل سے شفقت ہی نکال دی تو میں تیرا کیا کر سکتا ہوں.

یعنی میں تیری بات میں کوئی اختیار نہیں رکھتا. اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے وہ جذبہ ہی نکال دیا ہے.

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ہاں رہنے میں عدل اور برابری قائم رکھتے. پھر بھی اللہ کے حضور عرض کرتے:-

اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک.[4]

ترجمہ. اے اللہ یہ میری تقسیم اس حد تک ہے جہاں تک میرا بس چلا اب مجھے اس حصہ میں ملامت نہ کرنا جس کا صرف تو ہی مالک ہے اور میں اس میں اختیار نہیں رکھتا.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲ صحیح مسلم صفحہ ۱۱۴ [2] طحاوی صفحہ ۱۳۷ [3] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۷ صحیح مسلم صفحہ ۲۵۲ [4] جامع ترمذی صفحہ ۱۳۶

یہ حدیث سنن ابی داؤد جلد ا صفہ ۲۹۰ اور سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ میں موجود ہے۔ ان چار احادیث میں پہلی دو میں قیامت کے دن آپ اپنے اختیار کی نفی کریں گے اور پچھلی دو میں آپ نے اس دنیا کی زندگی میں اپنے مختار کل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ ان چار احادیث میں قدر مشترک آپ کا اپنے ہمہ گیر اختیار کی نفی کرنا ہے۔

ان احادیث کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آپ اپنے مختار کل ہونے کی نفی فرما رہے ہیں۔ یہی بات ان دو آیتوں میں بھی آپ پڑھ آئے ہیں، ہم پہلے بھی ان آیات کو پیش کر آئے ہیں :-

قل لا املك لنفسی نفعًا و لاضرًا الا ما شاء الله۔ (پ ۹ الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں مگر وہی جو خدا چاہے۔

قل انی لا املك لكم ضرًا ولا رشدًا۔ (پ ۲۹ الجن ۲۲)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں میں تمہاری کسی برائی اور اچھائی کا مالک نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بارے میں نہ اپنی امت کے بارے میں کہیں اپنے عام اختیارات کا دعوے نہیں ملتا۔ یہ مضمون آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ آیات قرآنی جو ہم نے پیش کی ہیں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں اور احادیث بھی جو ہم نے اس موضوع پر پیش کی ہیں ان کی قدر مشترک بھی متواتر ہے سو ان قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلائل کے سامنے بریلوی علماء سراپا عجز ہیں اور ان سے ان آیات اور اور ان احادیث کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ بریلوی علماء نے اس حدیث میں تاویل کی جو راہیں نکالی ہیں ان میں بھی وہ بری طرح ناکام ہیں۔ حدیث کے الفاظ پر پھر سے غور کریں۔

خیانت کرنے والا کہے گا یا رسول اللہ میری فریاد رسی کیجئے (مجھے بچائیے)

اس پر میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا میرا کام
تجھ تک دین پہنچانا تھا اور وہ میں نے پہنچا دیا تھا۔

بریلویوں کی ایک بدوی تاویل

حضورؐ کا یہ جواب گستاخوں اور بے ادبوں کے لیے ہوگا جو یہاں اغثنی یارسول اللہ نہیں کہتے اور وہاں کہیں گے (گویا وہاں بریلوی بن جائیں گے)۔

الجواب:

۱ یہ خائن یارسول اللہ کہنے والے ہوں گے اور آنحضرت کو غوث مان کر فریاد رسی کریں گے۔ اہل السنۃ والجماعۃ تو یہیں سے یہ اعتقاد ساتھ لے کر جائیں گے کہ اس دن کا مالک صرف اللہ سبحانہ ہے لمن الملك اليوم؟ آج کس کی بادشاہی ہے؟ جواب بھی اسی کا ہوگا۔ للہ الواحد القہار کیا اہل حق وہاں کسی کو غوث سمجھ سکیں گے۔

۲ آپ نے یہ جملہ کہ میں تمہاری کسی چیز کا مالک نہیں۔ اپنے اقربین کو بھی تو نام لے کر فرمایا۔ اب کیا وہ بھی (معاذ اللہ) سب گستاخ اور بے ادب تھے۔

یا معشر قریش اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً۔ یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً یا عباس بن عبدالمطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئاً۔ یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنک من اللہ شیئاً۔ یا فاطمۃ سلینی ماشئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً۔[1]

کیا حضرت فاطمہؓ آپ کی لخت جگر نہیں آپ ان کو بھی فرما رہے ہیں کہ میں اللہ کے ہاں تیرے کسی کام نہ آسکوں گا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۷۰۲ صحیح مسلم جلد ۱ صـ۱۱۴ مسند امام احمد جلد ۶ صـ۸۷

حضرت ابن عباسؓ پر بریلویوں کا ایک سوال اور اُس کا جواب

حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ساری امت مل کر بھی تجھے کوئی نفع ونقصان نہیں دے سکتی منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ بات اس وقت تھی جب تقدیروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرتے تھے اب جب تقدیروں کا فیصلہ بھی اللہ رب العزت نے حضورؐ کو دے دیا ہے تو اب آپ سب خیر و شر کے مالک اور مختارِ کل کیوں نہیں؟ بریلویوں کے مولانا محمد شریف کوٹلوی نے اس پر بخاری شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

لا یأتی ابن آدم النذر بشیٔ لم اکن قدرته[1]

ترجمہ: نذر اور منت ماننا ابن آدم کو کوئی نفع نہیں دے سکتا مگر وہی جو میں نے اس کے مقدر کر دیا ہو۔

اس پر یہ بریلوی مولوی صاحب لکھتے ہیں:۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر (قسمت بنانا) بھی حضورؐ کے اختیار میں ہے یعنی جو کچھ کسی کی تقدیر میں لکھا ہے وہ حضور علیہ السلام نے ہی مقدر کیا ہے[2]

الجواب:

صحیح بخاری کی اس روایت کے الفاظ لم اکن قدرته درست نہیں ہیں۔ ایک نسخہ میں لم یکن قدرله ہے۔ قرآن کریم جو قیامت تک کے لیے حجت ہے اس میں ہے کہ تقدیریں بنانے والا صرف اللہ ہے اب قرآن کریم کے خلاف اس حدیث کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

ولم یکن له شریک فی الملک وخلق کل شیٔ فقدره تقدیرا۔ (پ۱۸ الفرقان ۲)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۸ [2] اربعین نبویہ ص ۳۷

ترجمہ. اور نہیں ان کا کوئی شریک اس کے ملک میں. اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کو تقدیروں میں لانے والا ہے.

اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے سے بھی پچاس ہزار سال پہلے کل مخلوقات کے بارے میں اندازہ ٹھہرا دیا تھا کہ وہ خیر و شر کی قوتوں کو کیسے استعمال کریں گے.

کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة قال وعرشه علی الماء[1]

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خدا کا نام لے کر بتائی ہے اپنے نام سے نہیں.

ان النذر لا یقرب من ابن آدم شیاء لم یکن اللہ عز وجل قدره له[2].

ترجمہ. نذر ماننا کسی چیز کو ابن آدم کے قریب نہیں کرتا مگر وہی چیز جس کا فیصلہ خدا عز وجل نے اس کے لیے مقدر کیا ہو.

اب بتاؤ تقدیریں بنانے والا کون ہے؟ صحیح بخاری کے نادرست الفاظ سے کسی کو مغالطہ نہ دو.

سو یہ بات غلط ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کہ "ساری مخلوق مل کر بھی تجھے کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ خدا نے اسے تیرے لیے مقدر نہ کیا ہو قلم اُٹھ چکے ہیں اور تحریریں خشک ہو چکیں،، صحیح بخاری کی اس روایت سے کہ تقدیریں حضورؐ بناتے ہیں منسوخ ہو چکی. ایسا ہرگز نہیں.

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور لکھا ہے:

ھٰذا حدیث حسن صحیح[3]

اس حدیث کا پہلا راوی فضل بن حباب ابو خلیفہ جمحی ثقہ ہے دوسرا راوی ابو الولید

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۳۳۵ مشکوٰۃ صـ ۱۹ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۴۴ کتاب النذر [3] ترمذی جلد ۲ صـ ۷۴

الطیالسی صحیحین کے مرکزی رواۃ میں سے ہے تیسرے لیث بن سعد بھی ثقہ ہے. چوتھا راوی قیس بن حجاج صدوق اور ثقہ ہے. پانچواں راوی حنش صنعانی ہے اس پر کسی کی جرح نہیں. یہ حضرت ابن عباسؓ کا براہ راست شاگرد ہے.

بریلوی علماء پر افسوس ہے کہ ایسی صریح اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے وہ اپنے عقائد کی بناء یا ان روایات پر رکھیں گے جو خود مخدوش ہوں یا حکایات اور اقوال الرجال ہو — اور ظاہر ہے کہ ان ظنیات سے عقائد ہرگز طے نہیں ہوتے. ان کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے.

حضورؐ جنّت کے ایک حصّہ کا مالک ہیں تو مختارِ کل کیوں نہ ہوئے

بریلوی علماء ایک فرضی روایت لیے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جنت کا ایک قطعہ دیا ہے اور وہ اس لیے کہ اس میں اپنی مرضی سے جسے چاہیں داخل کریں. سو اس میں تو آپ مختار کل ہیں.

وذکر ابن سبع ان اللہ اقطعہ ارض الجنۃ یعطی ما شاء لمن شاء.[1]

ترجمہ. بے شک اللہ تعالیٰ نے ارض جنت کا ایک قطعہ آپ کو دے رکھا ہے اس سے آپ جو چاہیں جس کو چاہیں دیں.

الجواب:

یہ ابن سبع کا قول ہے. یہ کون بزرگ ہیں ان کا پتہ چاہیئے اور ظاہر ہے کہ عقیدے اس قسم کے اقوال سے ثابت نہیں ہوتے.

پھر جنت کا بڑا حصہ خدا کے قبضہ میں ہوا اور ایک قطعہ حضورؐ کے اختیار میں یہ حضورؐ کی خدا تعالیٰ سے قطعہ بندی سمجھ میں نہیں آتی.

---

[1] مرقات جلد ۲ صد ۳۲۳ طبع قدیم جلد ا صد ۵۷

ثالثاً اگر اس بات میں کچھ بھی وزن ہو تو کیا آپ اس میں ابوطالب کو نہ لا سکیں گے؟
رابعاً امام ملا علی قاری تو خود عقیدہ تفویض کے خلاف ہیں وہ حضورؐ کو کیسے مختارِ کل کہہ سکتے ہیں۔

حضورؐ کی حدیث میں اس مسئلے کا واضح فیصلہ

آنحضرتؐ جب اللہ کے حضور شفاعت کے لیے چوتھی بار سجدہ ریز ہوں گے اور کہیں گے کہ مجھے ہر لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کے بارے میں نجات کا اذن دیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

ائذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ قال لیس ذلک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لاخرجن منہا من قال لا الٰہ الا اللہ (متفق علیہ)[1]

ترجمہ۔ یہ بات آپ کے لیے نہیں مجھے اپنی عزت اور جلال اور کبریائی اور عظمت کی قسم میں جہنم سے ہر لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو نکالوں گا۔
اس پر امام ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :۔

قال القاضی ای لیس ھذا لک وانما افعل ذلک تعظیما لاسمی واجلالا لتوحیدی۔۔۔ وقال شارح من علمائنا المحققین المعنی لیس اخراج من قال لا الٰہ الا اللہ من النار لک ای الیک یعنی مفوضاً الیک و ان کان لک فیھم مکان الشفاعة۔[2]

ترجمہ۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں "یہ بات آپ کے لیے نہیں"، میں خود اپنے نام کی تعظیم اور اپنی توحید کی عزت کے لیے ایسا کروں گا۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے

---

[1] مشکوٰۃ صہ ۴۸۹ [2] مرقات جلد ۱۰ صہ ۲۸۴

والے کو آگ سے نکالنا یہ آپ کے سپرد نہیں (آپ کی تفویض نہیں) اگرچہ آپ کو ان کے بارے میں شفاعت کا حق حاصل ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ امام ملا علی قاری تفویض کا عقیدہ نہ رکھتے تھے، نہ اخروی بخشش کے بارے میں نہ دنیا کے تکوینی امور میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالےٰ کے اختیارات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضورؐ نے حضرت قتادہؓ کو آنکھ دوبارہ لگادی

حضرت قتادہؓ کی آنکھ احد کے دن لٹک آئی۔ آپ نے آنحضرتؐ سے گذارش کی آپؐ نے اس نکلی آنکھ کا ڈھیلہ اٹھایا اور اسے آنکھ کی جگہ رکھ دیا اور ان کی بینائی لوٹ آئی۔[۱]

الجواب:

یہ صحیح ہے کہ آپ نے آنکھ کا نکلا ہوا ڈھیلہ آنکھ کی جگہ پر رکھ دیا — یہ ڈھیلہ کس کا بنایا ہوا تھا؟ خدا کا — آپ نے اسے ہی کیوں رکھا نیا کیوں نہ بنا دیا — پھر یہ بات بھی ہے کہ اس آنکھ میں بینائی اللہ نے لوٹائی تھی۔ اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پہ رکھنا حضورؐ کا کام اور اسے صحیح آنکھ بنا دینا اللہ کا کام — ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ خالق کل شیء۔

حضرت قتادہؓ اس تکلیف پر جب حضورؐ کے پاس گئے تھے تو حضورؐ نے خدا کا نام لیا تھا کہ میں اس کے حضورؐ دعا کروں گا۔ آپ نے انہیں کہا:

ان شئت صبرت ولك الجنة وان شئت رددتها ودعوة الله تعالیٰ۔[۲]

ترجمہ۔ اگر تو چاہے صبر کرے اور جنت لے لے اور اگر تو کہے تو میں اسے اس کی جگہ پہ رکھ دوں اور اللہ سے دعا کروں۔

---

[۱] مسند ابی یعلی جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ [۲] عمدۃ القاری جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۶ البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۳۳

اب بتایئے حضورؐ نے اسے (آنکھ کو دوبارہ لوٹانا) اللہ کی قدرت کا کرشمہ بتایا یا اسے اپنی طاقت فرمایا ہے؟ یہ دعا کس کے حضورؐ کی جا رہی ہے؟

اہلسنت کے ہاں معجزہ کی حقیقت یہی ہے کہ یہ فعل خداوندی ہوتا ہے اور اس میں اعزاز پیغمبر کا ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھوں پر یہ فعل خداوندی ظاہر ہوا ہے۔

حضرت رافع بن مالکؓ کی آنکھ کا واقعہ

یہ لوگ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جنگِ بدر میں حضرت رافع بن مالکؓ کی آنکھ ضائع ہوگئی۔

فنصق فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لہ ـــــ فما اذانی منہ شیء۔[1]

ترجمہ۔ آپ نے اپنے منہ کا لعاب میری آنکھ میں لگایا اور میرے لیے اللہ سے دعا کی اس کے بعد میری آنکھ میں کبھی تکلیف نہ ہوئی۔

آپ نے کس سے دعا کی؟ اللہ رب العزت سے ـــــ آنکھ کو شفا دینے والا کون؟ اللہ رب العزت ـــــ اس میں عزت کس کی رہی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، جن کے لعاب دہن کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت رافعؓ کو آنکھوں کا نور بخشا۔

اس روایت میں حضور کے مختار کل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور برکت سے حضرت رافعؓ کو ان کی بینائی لوٹائی تو یہ اللہ کی قدرت اور حضورؐ کی عزت کا بیان ہے۔ مسئلہ مختار کل کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے استدلال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور آخری رسول ہیں۔ آپ جب اللہ تعالیٰ

---

[1] نورِ ہدایت

سے کوئی دعا کرتے اللہ تعالیٰ بیشتر اسے قبول فرما لیتے اور آپ جو چاہتے پورا ہو جاتا پھر کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اس پر عمل کریں یا نہ لیکن آپ کے لیے پوری سہولت موجود ہوتی بیویوں کے مسئلہ کو ہی لیں۔ تعدد ازدواج میں خاوند پہ باری واجب ہے چار سے زیادہ بیویاں بھی نہیں ہو سکتیں لیکن حضورؐ کے لیے یہ ساری پابندیاں اُٹھ گئیں۔

ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیك۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۵۱)

ترجمہ۔ آپ پیچھے رکھیں جس کو چاہیں اور جگہ دیں جس کو چاہیں ـــ اور جس کو چاہیں ان میں سے لیں، جن کو کنارے پر کر دیا تھا تو اس پر آپ کو کچھ گناہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں :-

جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ لینے کا اختیار بھی ہے۔ یہ حقوق و اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل و مساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ [۱]

اس قبولیت عامہ پہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آپ سے عرض کی :-

ما اری ربك الا یسارع فی هواك۔ [۲]

ترجمہ۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی رضا میں بہت جلدی کرتا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس طرح پوری ہوتی ہے تو کیا اسے مختارِ کل کے نام سے ذکر نہیں کیا جا سکتا؟

---

۱ فوائد القرآن ص ۵۹۶ ۲ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۰۶ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۷۳

الجواب :

اس میں فعل خداوندی کا ذکر ہے کہ وہ اپنے محبوب کی طلب اور دعا پر ویسا کر دے جیسا آپ چاہیں تو جب کرنے والا وہ خود ہے تو اس میں حضورؐ کے مختار کل ہونے کا مفہوم کہاں سے آ گیا۔ الحاد یہی ہے کہ سیدھی بات کو بھی ٹیڑھا کر دو۔

⑩ زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضورؐ کے ہاتھ میں ہیں

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

انی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض اومفاتیح الارض۔[۱]

ترجمہ۔ مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ اب حضورؐ زمین کے خزانوں کے مالک ہیں اور تمام خزائن ارض کی چابیاں حضورؐ کے ہاتھ میں دی جا چکی ہیں۔

الجواب :

اس حدیث کا مطلب وہ لینا چاہیئے جس کا کہیں قرآن کریم سے ٹکراؤ نہ ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ فرما دیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور حدیث کہتی ہے کہ زمین کے سب خزانے حضورؐ کو دیئے گئے اب تطبیق کی راہ کیا ہے اور پھر — حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :۔

واعطانی الکنزین الاحمر والابیض وان امتی سیبلغ مازوی لی منہا۔[۲]

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے ہیں اور بیشک میری امت وہاں تک پہنچے گی جو زمین میرے قریب لائی گئی (مجھے دکھا دی گئی ہے)

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [۲] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۹۴

یہ خزانے امت کو ملنے مراد ہیں۔ یہاں حضورؐ کے مختارِ کل ہونے کا موضوع نہیں ہے۔

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

معناه الاخبار بان امته تملك خزائن الارض وقد وقع ذلك[1]

ترجمہ۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خبر دی جا رہی ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک اور ایسا واقع ہو گیا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ کو زمین کے خزانوں کا ملنا خواب میں دکھایا گیا تھا:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بینا انا نائم اتیت خزائن الارض فوضع فی یدی اسوارین من ذهب فکبرا علی واهمانی فاوحی الیّ ان انفخهما۔[2]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں سویا ہوا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے خزانے مجھے دیئے گئے اور میرے ہاتھوں میں زمین کے دو کنگن ڈالے گئے یہ مجھ پر گراں گزرے انہوں نے مجھے غم میں ڈالا پھر اسی حال میں مجھ پہ وحی آئی کہ انہیں پھونک سے اڑا دو۔

علامہ عزیزی نے اسے استعارہ قرار دیا ہے:۔

استعارة لوعد الله بفتح البلاد۔[3]

ترجمہ۔ یہ کنگن اس بات سے استعارہ تھے کہ آپ کی امت کے لیے یہ سب علاقے فتح ہوں گے۔

آسمانوں کے خزانوں سے سورۃ بقرہ کی آخری آیات بھی مراد لی گئی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ابن خزیمہ اور امام نسائی کے حوالے سے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

واعطیت هذه الآیات من اخر سورة البقره من کنز تحت العرش یشیر الی ما حطه الله عن امته من الاصر وتحمیل ما لا طاقة لهم به ورفع الخطاء والنسیان۔[4]

---

[1] شرح صحیح مسلم صفحہ ۲۵۰ [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۴۴ [3] السراج المنیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [4] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۵۹

ترجمہ اور مجھے سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات اس خزانے سے دی گئیں جو عرش تلے ہے یہ اس بات کا اشارہ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے بوجھ اور اس چیز کا اٹھانا جس کی ان میں طاقت نہ ہو اتار دیا ہے۔ اس امت سے بھول چوک اٹھا دی ہے یعنی اسے معاف کر دیا ہے۔

تو یہ وہ عطائے الٰہی ہے جس سے پوری امت فیض یاب ہو رہی ہے۔ زمین و آسمان کے یہ خزائن امت پر کھل رہے ہیں اور یہ حضورؐ کی امت ہی ہے جو دنیا کے ان کناروں تک پہنچی جہاں تک آنحضرتؐ کو اس کی حدود بتائی گئی تھیں —— اس روایت میں اگر کسی کے مختار کل ہونے کا پتہ ملتا ہے تو یہی کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام دنیا پر چھا جائے گی نہ قیصر رہے گا نہ کسریٰ۔ بس مسلمان ہی اس زمین پر مختار کل ہوں گے۔ بریلوی حضرات اگر اس معنی سے حضورؐ کو تمام خزائن ارضی کا مالک کہیں تو ہمیں اس استعارہ سے انکار نہ ہو گا۔ کما اقر بہ العلامۃ العریزی۔

حضورؐ کی برکات صرف ارضی خزائن تک نہیں

آنحضرتؐ کی برکات سے اس امت کو جو حصہ ملا ہے کوئی ایمان دار اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قسامِ ازل اللہ رب العزت کی ذات ہے اسی نے بنی نوعِ انسان کو رزق بخشا اور اسی نے مومنین کو اخلاق بخشے۔ ہاں علم کی تقسیم اس نے نبوت و رسالت کی راہ سے کی ہے اور بیع و شراء، ہبہ و وراثت اور غنائم میں تقسیم اس نے شریعت میں منضبط ٹھہرائی ہے۔ سو اس زمین پر تمام مادی خزانے اور روحانی کمالات تقسیم کرنے والا صرف اللہ رب العزت ہے اور امت کو علم حضورؐ سے وراثۃً ملتا ہے۔ مسئلہ مختار کل کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ بریلوی علماء کی سینہ زوری ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے عقائد میں داخل کر رکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم وان اللہ عزّ وجل یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الدین الا لمن احبّ فمن اعطاہ اللہ الدین فقد احبّہ۔[۱]

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق بھی بانٹے اور رزق بھی تم میں تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتے ہیں جسے وہ پسند کریں اور اس کو بھی جسے وہ ناپسند کریں۔ لیکن وہ ایمان اسے ہی دیتے ہیں جن سے اُسے محبت ہے۔

کیا یہ حدیث پکار پکار کر نہیں کہہ رہی کہ زمین کے تمام مادی خزائن اور روح کے سب روحانی مدارج خدا کی تقسیم سے ہیں اور اس نے ان ارضی خزائن کا مالک و مختار ہونے میں کسی کو اپنے ساتھ شریک نہیں کیا۔ اس پر ہم عقائد خمسہ کے اس پانچویں مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ وللہ الحمد والمنّۃ۔

تم الجلد الخامس بمنہ وکرمہ ویتلوہ السادس ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حافظی بکڈپو دیوبند یوپی

HAFZI BOOK DEPOT DEOBAND-247554(U.P.)

---

[۱] مسند امام احمد جلد ۲ ص ۳۳